

ابنِ صغیٰ

جاسوسی دنیا

- 1- دلیر مجرم
- 2- خوفناک جنگل
- 3- عورت فروش کا قاتل
- 4- تجوہی کا راز



جاسوسی دنیا

جلد نمبر 1

دلیر مجرم

1

خوفناک جنگل

2

عورت فروش کا قاتل

3

تجوری کاراز

4

ابن صفحی

اسرار پبلی کیشنر

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سڑک

اردو بازار لاہور - فون : 7357022 - 7321970

دیباچہ

”دلیر مجرم“ دوبارہ پیش کرتے وقت خیال ہوا کہ اس میں کچھ تبدیلیاں کی جائیں، لیکن میری علاالت نے باز رکھا اور پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ اس ناول میں آج تبدیلیاں کرنا جو ۵۲ء میں لکھا گیا ہو بالکل اینا ہوگا جیسے کوئی بالغ آدمی اپنے بچپن کی تصویر میں ڈاڑھی اور موچھوں کا اضافہ کر دے۔

لہذا یہ ناول جوں کا توں اپنی اصلی حالت میں پیش کیا جائے ہے۔ یہ اس زمانے کی کہانی ہے جب میاں حید محمد باوں کے لئے بڑی سنجیدگی سے دوچار آنسو بھی بھالیا کرتے تھے اور کسی حد تک افلاطونی عشق کے بھی قائل تھے۔ بہر حال وہ اتنے اسارت نہیں تھے جتنے آج کل نظر آتے ہیں! فریدی کی شخصیت میں بھی تھوڑا کچاپن تھا لیکن اس کے باوجود بھی وہ آپ کو اس پوری کہانی پر چھالیا ہوا نظر آئے گا۔

ابن صفحہ

عجیب و غریب قتل

”مجھے جانا ہی پڑے گا مای“ ڈاکٹر شوکت نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اور کٹ کی دوسرا آستین میں ہاتھ دلتے ہوئے کہا۔

”ایشور تمہاری رکشا کرے اور اس کے سوا میں کہہ ہی کیا سکتی ہوں۔“ بوزھی سبتادیوی بولیں۔ ”لیکن سر میں اچھی طرح مفلر لپیٹ لو..... سردی بہت ہے۔“

”مای.....!“ ڈاکٹر شوکت بچکا نے انداز میں بولا۔ ”آپ تو مجھے بچھی بنائے دے رہی ہیں..... مفلر سر میں لپیٹ لوں..... ہاہاہا.....!“

”اچھا بوزھے میاں! جو تمہارا جی چاہے کرو۔“ سبتادیوی منہ پھیلا کر بولیں۔ ”مگر میں کہتی ہوں یہ کیسا کام ہو گیا..... نہ دن چین نہ رات چین۔ آج آپریشن کل آپریشن۔“

”میں اپنی اچھی مای کو کس طرح سمجھاؤں کہ ڈاکٹر خود آرام کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے ہوتا ہے۔“

”میں نے تو آج خاص طور سے تمہارے لئے میکرو فن تیار کرائی تھی کیا رات کا کھانا بھی شہر ہی میں کھاؤ گے۔“ سبتادیوی بولیں۔

”کیا کروں مجبوری ہے..... اس وقت سات بجے رہے ہیں۔ نوبجے رات کو آپریشن ہو گا۔ کیس ذرا ناٹک ہے..... ابھی جا کر تیاری کرنی ہو گی..... اچھا خدا حافظ۔“

ڈاکٹر شوکت اپنی چھوٹی سی خوبصورت کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ سول بیتال میں اسٹنٹ سرجن کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ دماغ کے آپریشن کا ماہر ہونے کی

حیثیت سے اس کی شہرت دور دور تک تھی۔ حالانکہ ابھی اس کی عمر کچھ ایسی تھی وہ جوہر پچیس
برس کا ایک خوبصورت اور وجہہ نوجوان تھا۔ اپنی عادات و اطوار اور سلیقہ مندی کی بناء پر وہ
سو سائی میں عزت کی نظر وہ سے دیکھا جاتا تھا۔ قربانی کا جذبہ تو اس کی فطرت ثانیہ بن گیا
تھا۔ آج کا آپریشن وہ کل پر بھی ٹال سکتا تھا لیکن اس کے ضمیر نے گوارہ نہ کیا۔

بیتا دیوی اکثر اس کی بھاگ دوڑ پر جھلا بھی جایا کرتی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے بیٹے
کی طرح پالا تھا۔ وہ ہندو دھرم کو مانتے والی ایک بلند کردار خاتون تھیں انہوں نے اپنی دم توڑتی
ہوئی سہیل جعفری خانم سے جو وعدہ کیا تھا اسے وہ آج تک بجاۓ جا رہی تھی۔ انہوں نے ان
کے بیٹے کو ان کی وصیت کے مطابق ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم دلا کر اس قابل کر دیا تھا۔ وہ آج
سارے ملک میں اچھی خاصی شہرت رکھتا تھا۔ اگرچہ شوکت کی والدہ اس کی تعلیم کے لئے
معقول رقم چھوڑ کر مری تھیں۔ لیکن کسی دوسرے کے بچے کو پالنا آسان کام نہیں اور پھر پر بھی
ایسا جس کا تعلق غیر مذهب سے ہے۔ اگر وہ چاہتی تو اسے اپنے نہب پر جلاسکتی تھیں لیکن ان کی
نیک نیت نے اسے گوارہ نہ کیا۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اس کی دینی تعلیم کا
بھی معقول انتظام کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نوجوان ہونے پر بھی شوکت علی ہی رہا۔ بیتا دیوی
کے برادری کے لوگوں نے ایک مسلمان کے ساتھ رہنے کی بناء پر ان کا بائیکاٹ کر رکھا تھا مگر وہ
اپنے نہب کی پوری طرح پابند تھیں اور شوکت کو اس کے نہیں احکام کی تعلیم کے لئے مجبور
کرتی رہتی تھیں۔ وہ ڈاکٹر شوکت اور ایک ملازمہ کے ساتھ نشاط گرنٹی قصبہ میں رہ رہی تھیں۔
جو شہر سے پانچ میل کی دوری پر واقع تھا۔ یہ ان کی اپنی ذاتی کوئی تھی۔ وہ جوانی ہی میں یہاں
ہو گئی تھیں۔ ان کے شوہر اچھی خاصی جانیداد کے مالک تھے جو کسی قریبی عزیز کے نہ ہونے کی
بناء پر پوری کی پوری انہیں کے حصے میں آئی تھی۔

ڈاکٹر شوکت کے پلے جانے کے بعد انہوں نے ملازمہ سے کہا۔ ”میرے کمرے میں
قدیل مت جانا۔ میں آج شوکت ہی کے کمرے میں سوؤں گی۔“ وہ آج رات بھر تھلکا رہے
گا۔ میں نہیں چاہتی کہ جب وہ صبح کو آئے تو اپنے بستر کو رف کی طرح ٹھٹھا اور پانچ پارے۔ جاؤ

جا کر اس کا بستر بجھا دو۔“

نوجوان خادم انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ آج پہلی بار اس نے انہیں اس قسم کی گفتگو
کرتے سا تھا۔ جو پرستی بھی تھی اور مسکھے خیز بھی۔ وہ بچھہ کہنا ہی چاہتی تھی کہ پھر اسے ایک ماما
بھرے دل کی بھلک سمجھ کر خاموش ہو رہی۔

”کیا سوچ رہی ہو؟“ بیتا دیوی بولیں۔

”تو کیا آج رات ہم تھاہر ہیں گے؟“ خادم اپنی آواز دھیکی کر کے بولی۔ ”وہ شخص آج
پھر آیا تھا۔“

”کون شخص.....؟“

”میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہے لیکن میں نے کل رات کو بھی اس کو بااغ میں چھپ چھپ
کر چلتے دیکھا تھا۔ کل تو میں سمجھتی تھی کہ شاید وہ کوئی راستہ بھولا ہوا اگیر ہو گا۔ مگر آج چھبجے
کے قریب وہ پھر دکھائی دیا تھا۔“

”اچھا.....!“ بیتا دیوی سوچ کر بولیں۔ ”وہ شاید ہماری مرغیوں کی تاک میں ہے۔
میں گھنی تھانے کے دیوان سے کھوں گی۔“

بیتا دیوی نے یہ کہہ کر اس کو اطمینان دلا دیا۔ لیکن خود ابھی میں پڑ گئیں۔ آخر یہ
پاس ار آدمی ان کی کوئی کے گرد کیوں منڈلاتا رہتا ہے۔ انہیں اپنے نہیں ٹھکیداروں کی دلکشی
اچھی طرح یاد تھی۔ لیکن اتنے عرصے کے بعد ان کی طرف سے بھی کوئی خطرناک اقدام کوئی
خاص معنی نہ رکھتا تھا۔ اس قسم کی نہ جانے کتنی مجھیں ان کے ذہن میں ریغتی تھیں۔ آخر کار تھک
ہاڑ کر تکین تکب کے لئے انہیں اپنے پہلے ہی خیال کی طرف لوٹ آنا پڑا۔ لیعنی وہ شخص وہ کوئی
معمولی چور تھا جسے ان کی مرغیاں پسند آگئی تھیں۔ جیسے ہی تھانے کے گھنٹے نے دس بجاۓ وہ
کوئے کے لئے ڈاکٹر شوکت کے کمرے میں چلی گئیں، انہوں نے رات کھانا بھی نہیں کھایا۔

خادم ان کی افتاد طبع سے واقف تھی۔ اس نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا۔ ٹھوڑی
دیکھ کے بعد وہ بھی سونے کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ لیٹنے ہی والی تھی کہ اس نے صدر دروازے

کو دھماکے کے ساتھ بند ہوتے سن۔ اسے خیال پیدا ہوا کہ ڈاکٹر شوکت خلاف توقع واپس آگئی ہے۔ وہ برآمدے میں نکل آئی۔ باغ میں سینتا دیوی کی غصیلی آواز سنائی دی۔ وہ کسی مرد سے تیز لمحے میں بات کر رہی تھیں۔ وہ حیرت سے سننے لگی۔ وہ انھی باہر جانے کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ سینتا دیوی بڑی بڑی آتی ہوئی آتی دکھائی دیں۔

”تم....!“ وہ بولیں۔ ”ارے لڑکی تو کیوں اپنی جان کے تیچھے پڑی ہے۔ اس سردی میں بغیر کمبل اوڑھے باہر نکل آئی ہے۔ نہ جانے کیسی ہیں آج کل کی لڑکیاں۔“

”کون تھا.....!“ خادمہ نے ان کی بات سنی کرتے ہوئے پوچھا۔

”وہی آدمی تو نہیں تھا۔“ خادمہ نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

”نہیں وہ نہیں تھا۔ سردی بہت ہے۔ صبح بتاؤں گی..... اچھا ب جاؤ۔“

خادمہ متیر ہوتی ہوئی چلی گئی۔ ہر چند کہ اس واقعہ کی کوئی اہمیت نہ رہی ہو لیکن یہ اسے حد درجہ پر اسرار معلوم ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ خراۓ لینے لگی۔

دوسرے دن صبح آٹھ بجے جب ڈاکٹر شوکت واپس آیا تو اس نے ملائمہ کو حد درجہ پریشانی اور سراسیکلی کی حالت میں پایا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ سینتا دیوی خلاف معمول انہی سورنگی ہیں۔ حالانکہ ان کا روزانہ کام معمول تھا کہ صبح تقریباً پانچ ہی بجے سے اٹھ کر پوچاڑھ کے انظام میں مشغول ہو جایا کرتی تھیں۔ شوکت کو بھی اس واقعے سے تشویش ہو گئی۔ لیکن اس نے پھر سوچا کہ شاید رات میں زیادہ دیر تک جا گی ہوں گی۔ اس نے ملازمہ کو اطمینان دلا کر ناشتہ لانے کو کہا۔ نوچ گئے لیکن سینتا دیوی نہ اٹھیں۔ اب شوکت کی پریشانی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ اس نے دروازہ پینٹا شروع کیا۔۔۔۔۔ لیکن بے سود۔۔۔۔ اندر سے کوئی جواب نہ ملا تھا۔ ہار کراس نے ایک بڑھی بلوایا۔

دروازہ نوٹھے ہی اس کی چیخ نکل گئی۔

سینتا دیوی سر سے پاؤں تک کمبل اوڑھے چلتی ہوئی تھی اور ان کے سینے میں ایک بخیر اس طرح پیوس تھا کہ صرف ایک دستہ نظر آ رہا تھا۔ بستر خون سے تر تھا۔

ڈاکٹر شوکت ایک مضبوط دل کا آدمی ہوتے ہوئے بھی تھوڑی دیر کے لئے بیہوش سا ہو گیا۔ ہوش آتے ہی وہ بچوں کی طرح سکیاں لیتا ہوا زمین پر گر پڑا۔

انسپکٹر فریدی

سارے گھر میں ایک عجیب سی ماٹی فضا طاری تھی۔ قصبه کے قابنے پر اطلاع ہو گئی تھی اور اس وقت ایک سب انسپکٹر اور دو ہیڈ کا نشیل مقتولہ کے کمرے کے سامنے بیٹھے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ خادمہ کے بیان پر انہوں نے اپنی تشویش کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے تھے۔ ان کے خیال میں وہی پر اسرار آدمی قاتل تھا جو رات کو باغ میں ٹہلنا ہوا پایا گیا تھا اور سینتا دیوی رات میں اسی سے جھکڑا کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر شوکت ان کی بچوں سے قطعی غیر مطمئن تھا جسے بھی وہ اپنی تجربہ کاری کا اظہار کر رہے تھے اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ویلے بھی وہ اپنے قصبه کی پولیس کو ناکارہ سمجھتا تھا۔ اسی لئے اس نے محکم سراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی کو ایک نجی خط لکھ کر بلوایا تھا اور اس کا انتظار کر رہا تھا۔ فریدی ان چند انسپکٹروں میں تھا جو بہت ہی اہم کاموں کے لئے وقف تھے لیکن ذاتی تعلقات کی بنا پر ڈاکٹر شوکت کو پورا یقین تھا کہ اسے یہ کس سرکاری طور پر نہ بھی سونپا گیا تو وہ بخی طور پر اسے اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد انسپکٹر فریدی بھی اپنے اسٹنٹ سرجنت حید کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ انسپکٹر فریدی میں بیس سال کا ایک قوی ہیکل جوان تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی کے نیچے دو بڑی بڑی خواب آ لو د آکھیں اس کی ذہانت اور تدبیر کی آئینہ دار تھیں۔ اس کے لباس کے رکھاواں اور تازہ شیوں سے معلوم ہو رہا تھا وہ ایک باصول اور سلیقہ مندا آدمی ہے۔ سرجنت حید کے خدو خال میں قدرے زنانہ بن کی جھلک تھی۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بے جا نا، بزرگار یوں اور اپنے حسن کی نمائش کا عادی ہے۔ اس نے کوئی بہت ہی تیز خوبصورتیاں کیے تھیں۔

رکھا تھا۔ اس کی عمر چوہین سال سے زیادہ نہ تھی لیکن اس چھوٹی سی عمر میں بھی وہ بلا کا ذہین تھا۔ اسی ذہانت کی بناء پر انپکٹر فریدی کے تعلقات اس سے دوستانہ تھے۔ دونوں کی آپس کی گفتگو سے افسری یا ماتحتی کا پیداگانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔

تھانے کے سب انپکٹر اور دیوان ان کی غیر متوقع آمد سے گھبرا سے گئے کیونکہ انہیں ان کے آنے کی اطلاع نہ تھی۔ انہیں ان کی غیر ضروری آمد پچھنا گواری گزدی۔

”ڈاکٹر شوکت....!“ فریدی نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اس نقصان کی ملائی ناممکن ہے البتہ رکی طور پر میں اپنے غم کا انہمار ضرور کروں گا۔“

”انپکٹر آج میری ماں مر گئی۔“ شوکت کی آنکھوں میں آنسو چکل آئے۔

”صبر کرو.... تمہیں ایک مضبوط دل کا آدمی ہوتا چاہئے۔“ فریدی نے اس کا شانہ چکتے ہوئے جواب دیا۔

”کہنے داروں میں کچھ سراغ ملا۔“ اس نے سب انپکٹر کی طرف مڑ کر کہا۔

”اے صاحب! ہم بچارے بھلا سراغ لگانا کیا جائیں۔“ سب انپکٹر طنزیہ انداز میں بولا۔ فریدی نے جواب کی تلخی محسوس ضرور کی لیکن وہ صرف مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

”شوکت صاحب! یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں آج کل چھٹی پر ہوں۔“ فریدی بولا۔ ”اور پھر دوسری بات یہ کہ عموماً قتل کے کیس اس وقت ہمارے پاس آتے ہیں جب سول پولیس تعیش میں ناکام رہتی ہے۔“

تھانے کے انپکٹر کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

انپکٹر فریدی نے اس تغیر کو محسوس کر لیا اور اپنے مخصوص دل آزار اور شرارت آمیز بھج میں بولا۔ ”لیکن میں ذاتی تعلقات کی بناء پر مجھی طور پر اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لوں گا۔“ تھانے کے سب انپکٹر کی آنکھوں کی چمک دھلتا اس طرح غالب ہو گئی جیسے سورج کا چہرہ سیاہ بادل ڈھانپ لیتے ہیں۔ اس کا منہ لٹک گیا۔

فریدی نے واقعات سننے کے بعد خادمہ کا بیان لیتے کی خواہیں ظاہر کی۔ خادمہ نے

شروع سے آخوندگ رات کے سارے واقعات دہرا دیئے۔

”کیا تم باتا سکتی ہو کہ رات میں تم نے ان واقعات کے بعد بھی کوئی آواز سنی تھی۔“

”بھی نہیں..... سوائے اس کے کہ وہ دیوبھی بھی کے بڑبڑا نے کی آواز تھی۔ وہ اکثر سوتے

وقت بڑبڑایا کرتی تھی۔“

”نہیں..... کیا تم باتا سکتی ہو کہ وہ کیا بڑبڑا رہی تھیں۔“

”کچھ بے روبل باتیں تھیں۔ تھیرے یاد کر کے بتاتی ہوں۔ ہاں ٹھیک یاد آیا۔۔۔ وہ راج روپ گئے۔۔۔ راج روپ گئے چلا رہی تھیں۔ میں نے اس پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ کیونکہ میں ان کی عادت سے واقف تھی۔“

”راج روپ گئے۔۔۔!“ فریدی نے دھیرے سے دہر لیا اور کچھ سوچنے لگا۔

”حمدید..... تم نے اس سے پہلے بھی یہ نام سنائے؟“

حمدید نے فتحی میں سر ہلا دیا۔

”ڈاکٹر شوکت تم نے۔۔۔“

”میں نے تو آج بکھ نہیں سنائے۔“

”کیا بیٹا دیوی نے بھی یہ نام کھکھ نہیں لیا۔“

”میری یاد داشت میں تو نہیں۔“ ڈاکٹر شوکت نے ذہن پر زور دیتے ہوئے جواب دیا۔

”ہوں..... اچھا۔۔۔!“ فریدی لٹکنے لگا۔ اب میں ذرا لاش کا معافہ کرنا چاہتا ہوں۔“

وہ سب لوگ اس کرے میں آئے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ چار پانی کے سرہانے والی کھڑکی کی کھلی ہوئی تھی۔ اس میں سلاخیں نہیں تھیں۔ انپکٹر فریدی دریں لک لاش کا معافہ کرنا رہا۔ پھر اس نے وہ چھرا اسپکٹر کی اجازت سے متولہ کے سینے سے کھٹک لیا اور اس کے دستوں پر انگلیوں کے نشانات ڈھونڈنے لگا۔

پھر کھڑکی کی طرف گیا اور جھک کر نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔ کھڑکی سے تین فٹ نیچے تقریباً ایک فٹ چوڑی کا نس تھی جس سے ایک بانس کی سیڑھی بھی ہوئی تھی۔ کھڑکی پر پڑی ہوئی

گرد کی تہہ کئی جگہ سے صاف تھی اور ایک جگہ ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کے نشان۔ ”یہ صاف ظاہر ہے کہ کہ قاتل اس کھڑکی سے داخل ہوا۔“ فریدی نے کہا۔
”یہ اتنا صاف ہے کہ گھر کی خادمہ بھی یہی کہہ رہی تھی۔“ تھانے کے سب انپکٹر نے مصلحہ اڑانے کے انداز میں کہا۔

فریدی نے مکار کراس کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے خبر کا جائزہ لینے لگا۔

”قاتل نے دستانے پہن رکھے تھے اور وہ ایک مشاق خبر باز معلوم ہوتا ہے۔“ انپکٹر فریدی بولا۔ ”اور وہ ایک غیر معمولی طاقتور انسان ہے..... داروغہ بھی اس خبر کے بارے میں آپ کی کیارائے ہے۔“

”خبر..... جی ہاں یہ بھی بہت مضبوط معلوم ہوتا ہے۔“ سب انپکٹر مکرا کر بولا۔

”جی نہیں میں اس کی ساخت کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔“

”اس کی ساخت کے بارے میں صرف لوہاری بتا سکتے ہیں۔“

”جی نہیں..... میں بھی بتا سکتا ہوں۔ اس قسم کے خبر نیپال کے علاوہ اور کہیں نہیں بنتے۔“

”نیپال.....!“ ڈاکٹر شوکت تھیر آ میز لہجہ میں بولا اور بے تابانہ انداز میں ایک قدم پیچھے

ہٹ گیا۔

”کیوں..... کیا بات ہے۔“ فریدی اسے گھوڑتا ہوا بولا۔

”کوئی بات نہیں۔“ شوکت نے خود پر قابو حاصل کرتے ہوئے کہا۔

”خیر ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس قسم کے خبر سوائے نیپال کے اور کہیں نہیں بنائے

جاتے اور ڈاکٹر میں تم سے کہوں گا کہ.....!“ ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ایک کاشیبل نے

آکر اطلاع دی کہ اس شخص کا پتہ لگ گیا ہے جس سے کل رات بیتا دیوی کا جھگڑا ہوا تھا۔

سب لوگ بے تابانہ انداز میں دروازے کی طرف بڑھے۔ باہر ایک باوردی کاشیبل کھڑا

تھا۔ آنے والے کاشیبل نے بتایا رات بیتا دیوی اسی سے جھگڑا رہی تھی۔ وہ رات اس طرف

سے گزر رہا تھا کہ بیتا دیوی نے اسے پکارا۔ اسے جلدی تھی کیونکہ وہ گشت پر جا رہا تھا۔ لیکن وہ

پھر بھی چلا آیا۔ بیتا دیوی نے اسے بتایا کہ کوئی آدمی ان کی مرغیوں کی تاک میں ہے اور اسے ادھر کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ اس نے جواب دیا کہ پولیس مرغیاں تاکنے کے لئے نہیں ہے اور پھر وہ دوسری چوکی کا کاشیبل ہے، اسی پر بات بڑھ گئی اور جھگڑا ہونے لگا۔

تھانے کا داروغہ اسے الگ لے جا کر اس سے پوچھ گئے کرنے لگا اور فریدی نے بلند آواز میں کہنا شروع کیا۔ ”ہاں تو ڈاکٹر میں تم سے یہ کہہ رہا تھا کہ یہ خبر دراصل تمہارے سینے میں ہوتا چاہئے تھا۔ بیتا دیوی دھوکے میں قتل ہو گئیں اور جب قاتل کو اپنی غلطی کا علم ہو گا تو وہ پھر تمہارے پیچے پڑ جائے گا۔ اب پھر اسی کمرے میں چل کر میں اس کی تشریح کروں گا۔“

اس اکٹھاف پر سب کے سب بوکھلا گئے۔ شوکت کھراہٹ میں جلدی جلدی پلکیں جھپکا رہا تھا۔ داروغہ بھی کی آنکھیں حیرت سے پھٹھی ہوئی تھیں اور سرجنت حمید انہیں مصلحہ خیز انداز میں گھوڑ رہا تھا۔

سب لوگ پھر لاش والے کمرے میں واپس آئے۔ انپکٹر فریدی کھڑکی کی کارنس پر اتر گیا اور اس لائن کے سارے کمرے کروں کی کھڑکیوں کا جائزہ لیتا ہوا الوٹ آیا۔

اب معاملہ بالکل ہی صاف ہو گیا کہ بیتا دیوی ڈاکٹر نی کے دھونکے میں قتل ہوئی ہیں۔

اگر قاتل بیتا دیوی کو قتل کرنا چاہتا تھا تو اسے یہ کیا معلوم کہ بیتا دیوی شوکت کے کمرے میں سوئی ہوئی تھی۔ اگر وہ تلاش کرتا ہوا اس کمرے تک پہنچا تھا تو دوسری کھڑکیوں پر بھی اس قسم کے نشانات ہو سکتے تھے جیسے کہ اس کھڑکی پر ملے ہیں اور پھر بیتا دیوی کے قتل کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی وہ ان کی جائیداد۔ اگر ان کا ترکہ ان کے کسی عزیز کو پہنچتا ہوتا تو وہ انہیں اب سے وہ برس قل عی قتل کر دیتا یا کر دیتا۔ جبکہ انہوں نے اپنی جائیداد دھرم شال کے نام وقف کرنے کا صرف ارادہ ہی کیا تھا۔ اب جبکہ وہ سال گزر چکے ہیں اور جائیداد کے متعلق پوری تافونی وصیت محفوظ ہے ان کے قتل کی کوئی معقول وجہ کبھی میں نہیں آئتی اگر قاتل پوری کی نیت سے اتفاقاً اس کمرے میں داخل ہوا جس میں وہ سورجی تھیں تو کیا وجہ ہے کہ کوئی چیز چوری نہیں کی تھی۔
”ممکن ہے کہ اس کمرے میں اس کے داخل ہوتے ہی مقتولہ جاگ اٹھی ہو اور وہ پکڑے

جانے کے خوف سے اسے قتل کر کے کچھ جائے بغیر ہی بھاگ کھرا ہوا۔ ”داروفہ مجی نے اپنی دانست میں بڑا تیر مارا۔

”مالی ڈسیر.....!“ فریدی جوش میں بولا۔ ”لیکن میں ثابت کر سکتا ہوں کہ قاتل حملہ کے بعد کافی دیر تک اس کرسے میں ظہرا ہے۔“ سب انپکٹر کے چہرے پر تمسخر آمیز مسکرا ہٹ پھیل گئی اور سرجنت حمید اسے دانت پیس کر گھورنے لگا۔

انپکٹر فریدی نے نہایت سکون کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ ”جس وقت شوکت نے مقتول کو دیکھا وہ سر سے پیر تک کبیل اوڑھے ہوئی تھی ظاہر ہے کہ اس سے پہلے کوئی کمرے میں داخل ہی نہ ہو سکتا تھا کیونکہ دروازہ اندر سے بند تھا۔ لہذا لاش پر پہلے شوکت ہی کی نظر پڑی۔ اس لئے کسی اور کسے منڈھانکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب ذرا لاش کے قریب آئیے..... داروفہ جی میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔ یہ دیکھنے مقتول کا نچلا ہونٹ اس کے دانتوں میں دب کر رہا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل نے ایک ہاتھ سے مقتول کا منڈھانکا تھا اور دوسرا ہاتھ سے وار کیا تھا۔ پھر فوراً ہی منڈھانکے دبائے ہوئے اس کے پیروں پر بیٹھ گیا تھا تاکہ وہ جنبش نہ کر سکے اور وہ اس حالت میں اس وقت تک رہا جب تک کہ مقتول نے دم نہ توڑ دیا۔ ہونٹ کا دانتوں میں دبنا ہوتا ظاہر کر رہا ہے کہ وہ تکلیف کی شدت میں صرف اتنا کر سکی کہ اس نے دانتوں میں ہونٹ لیا لیکن قاتل کے ہاتھ کے دباو کی وجہ سے ہونٹ پھر اپنی اصلی حالت پر نہ آسکا اور اسی حالت میں ایش ٹھنڈی ہو گئی۔ قاتل کو اپنے مقصد کی کامیابی پر اتنا یقین تھا کہ اس نے کمیں الٹ کر اپنے شکار کا چہرہ تک دیکھنے کی رسمت گوارہ نہ کی۔ ممکن ہے کہ اس نے بعد میں منہ کھول کر دیکھا بھی ہو مگر نہیں اگر ایسا کرتا تو پھر دوبارہ ڈھانک دینے کی کوئی ایسی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔“

”کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ خود کشی کا کیس ہو۔“ سب انپکٹر نے پھر اپنی قابلیت کا اظہار کیا۔ ”جناب والا.....!“ سرجنت حمید بولا۔ ”اتی عمر آئی لیکن کبیل اوڑھ کر آرام سے خبر

گھوپ لینے والا ایک بھی نہ ملا کہ میں اس کی قدر کر سکتا۔“ سب انپکٹر نے جھینپ کر رجھ کالیا۔

انپکٹر فریدی ان سب باتوں کو سنی ان سے کر کے ڈاکٹر شوکت کو مخالف طلب کر کے بولا۔ ”ڈاکٹر..... تمہاری جان خطرے میں ہے۔ ہر ممکن احتیاطی تدابیر کرو۔ یہ پلاٹ تمہارے ہی قتل کے لئے بنایا گیا تھا۔ سوچ کر بتاؤ کیا تمہارا کوئی ایسا ٹھنک ہے جو تمہاری جان تک لے لینے میں درفعہ نہ کرے گا۔“

”میری دانست میں تو کوئی ایسا آدمی نہیں۔ آج تک میرے تعلقات کسی سے خراب نہیں رہے لیکن ظہر ہے..... آپ کو یاد ہو گا کہ میں نیپالی تجھر کے تذکرے پر بے اختیار چونک پڑا تھا..... تقریباً پندرہ یوم کا تذکرہ ہے کہ ایک رات میں ایک بہت ہی خطرناک قسم کا آپریشن کرنے جا رہا تھا کہ ایک اچھی ہیئت کا نیپالی میرے پاس آیا اور مجھ سے درخاست کی کہ میں اسی وقت ایک مریض کو دیکھ لوں۔ جس کی حالت خطرناک تھی۔ میں نے معذوری ظاہر ہر کی۔ وہ روئے اور گردگرانے لگا۔ لیکن میں مجور تھا۔ کیونکہ پہلے ہی سے ایک خطرناک کیس میرے پاس تھا۔ خطرہ تھا کہ اسی رات اس کا آپریشن نہ کیا گیا تو مریض کی موت واقع ہو جائے گی۔ آخر جب وہ نیپالی مائیوس ہو گیا تو مجھے برا بھلا کہتے ہوئے واپس چلا گیا۔“

دوسرے دن صبح جب میں ہسپتال جا رہا تھا تو جرچ روڈ کے چورا ہے پر پڑوں لینے کے لئے رکا توہاں مجھے وہی نیپالی نظر آیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے نفرت سے برا سامنہ بنایا اور اپنی زبان میں کچھ بڑوڑا تا ہوا پھر میری طرف مکاتاں کر کہنے لگا۔

”شلا..... ہمارا آدمی مر گیا۔ اب ہم تمہاری خبر لے لے گا۔“ میں نے نہیں کر مورث اسٹارٹ کی۔

”ہوں اچھا.....!“ فریدی بولا۔ ”اس کی شکل و صورت کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہوئے۔“ ”یہ ذرا مشکل ہے کیونکہ مجھے تو سارے نیپالی ایک ہی جیسی شکل و صورت کے لگتے ہیں۔“ ڈاکٹر شوکت نے جواب دیا۔

ہوئے کہا۔ ”میرے خیال میں تو ایسا دلچسپ کیس بہت دنوں کے بعد ہاتھ آیا ہے۔“

”آپ تو دن رات کیسون ہی کے خواب دیکھا کرتے ہیں۔ کچھ حسین دنیا کی طرف بھی نظر دوڑائیجے۔“ حمید بیزاری سے بولا۔

”تو اسکا یہ مطلب کہ تم اس میں دلچسپی نہ لوگے۔ میں تو آج ہی تفتیش شروع کر رہا ہوں۔“

”بلیں مجھے تو معاف ہی رکھئے۔ میں نے تفہیق اوقات کیلئے ایک ماہ کی چھٹیں نہیں لی۔“

”بیکاری میں تمہارا دل نہ گھبرائے گا.....؟“

”بیکاری کیسی۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں نے ابھی حال ہی میں ایک عدالت کیا ہے۔“

”ایک عدالت....!“ فریدی نے پس کر کہا۔ ”اگر اس تفتیش کے سلسلے میں کتنی عدد اور ہو جائیں تو کیا مضاائقہ ہے۔“

”شاید آپ کا اشارہ ڈاکٹر شوکت کی نوجوان خادمہ کی طرف ہے۔“ حمید منہ بنا کر بولا۔ ”معاف کیجئے گا..... میرا معیار اتنا گرا ہوا نہیں ہے۔“

”بڑے گدھے ہوتم..... مجھے اس کا خیال بھی نہ تھا۔“ فریدی نے سگار منہ سے نکال کر کہا۔ ”خیر ہتا و..... کوئی اور بات کریں۔ ہاں بھی سنا ہے کہ دو تین دن ہوئے ریلوے گراؤنڈ پر سرکس آیا ہوا ہے، بہت تعریف سنی ہے، چلو آج سرکس دیکھیں۔ صرف ساڑھے چار بجے ہیں۔ کھلیں سات بجے شروع ہوگا۔ اتنی دیر میں ہم لوگ کھانا بھی کھائیں گے۔“

”ارے..... یہ کیا بد پرہیزی کرنے جا رہے ہیں۔ ارے لا حول ولا..... آپ اور نوبیات..... یقین نہیں آتا کیا آپ نے سراغ رسانی سے توبہ کر لی۔“ حمید نے عجیب سامنہ بنا کر کہا۔

”تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہاں میں بے مطلب جا رہا ہوں۔ تم دیکھو گے کہ سراغ رسانی کیسے کی جاتی ہے۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”معاف کیجئے گا..... اس وقت تو آپ کسی چھپیے والے جاسوی ناول کے مشہور جاسوس

”خیر اپنی حفاظت کا خاص خیال رکھو..... اچھا داروغہ جی میرا کام ختم..... ڈاکٹر شوکت میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اس کیس کو میں اپنے ہاتھ میں لوں گا لیکن مجھے افسوس ہے کہ بعض دجوہ کی بناء پر ایمانہ کر سکوں گا۔ میرا خیال ہے کہ داروغہ جی بھسخ و خوبی اس کام کو انجام دیں گے۔ اچھا اب اجازت چاہوں گا۔ ہاں ڈاکٹر ذرا کار سٹک چلو میں تمہارے تحفظ کے لئے تمہیں کچھ ہدایات دینا چاہتا ہوں..... اچھا داروغہ جی آداب عرض۔“

کار کے قریب پہنچ کر فریدی نے جیب سے ایک چھوٹا سا پستول نکلا اور ڈاکٹر شوکت کو تھما دیا۔ ”یہ لوحفاظت کے لئے میں تمہیں دینا ہوں..... اور کل تک اس کا لائسنس بھی تم تک پہنچ جائے گا۔“

”جی نہیں..... شکریہ اس کی ضرورت نہیں.....!“ ڈاکٹر شوکت نے منہ چلا کر جواب دیا۔

”احمق آدمی بگز گئے کیا.....؟ کیا کچھ تجھ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس واقعہ کی تفتیش نہ کروں گا۔ ہاں ان گدوں کے سامنے میں نے بھی مناسب سمجھا کہ نجی تفتیش سے انکار کر دوں۔ یہ کم بخت صرف بڑے افراد تک شکایت پہنچانے میں قابل ہوتے ہیں۔“ ڈاکٹر شوکت کے چہرے پر رونق آگئی اور اس نے روپور لے کر جیب میں ڈال لیا۔

”ذکر جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے مجھے بلوایتا۔ بہت ممکن ہے کہ میں دس بجے رات تک پھر آؤں۔ ہوشیاری سے رہتا..... اچھا خدا حافظ۔“

ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کر دی۔

سورج آہستہ آہستہ غروب ہو رہا تھا۔

قاتل کا قتل

کیوں بنتی کہو کیسا کیس ہے۔“ فریدی نے سگار سلاک کر سار جنٹ حمید کی طرف جھکتے

کی طرح بول رہے ہیں۔ ”جمید بولا۔

”تم نے تو سرکس کا اشتہار دیکھا ہوگا۔ بھلا بتاؤ کس کھیل کی خصوصیت کیسا تھا تعریف تھی؟“

”ایک نیپالی کاموت کے خبر کا کھیل۔“ جمید نے جواب دیا۔ پھر اچھل کر کہنے لگا۔ ”ای
”تم نہیں سمجھتے..... ایک کیم خیم عورت کی لاش کو پھر کرنے سے روک دینا کسی معمولی
مطلوب....!“

فریدی نے اس کے سوال کوٹا لئے ہوئے کہا۔ ”اچھا اس کھیل میں ہے کیا..... تم تو ایک
مخفی نے ڈاکٹر شوکت کو حکمی دی تھی وہ بھی نیپالی ہی تھا۔ اسکی صورت میں کیوں نہ ہم اس شبہ
بارشاںد دیکھ بھی آئے ہو۔“

”ہاں ایک لاکی لکڑی کے تختے سے لگ کر کھڑی ہو جاتی ہے اور ایک نیپالی اس طرح فتح
پہنچتا ہے کہ وہ اس کے چاروں طرف لکڑی کے تختے میں چھپتے جاتے ہیں۔ آخر میں جب“

”غیر میں سرکس دیکھنے سے انکار نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں تقریباً دو درجن لاکیاں کام
کرتی ہیں۔ لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہاں کھیل کے دوران میں آپ بحث مباحثہ کر کے
میر امزہ کر کر اکریں۔“

”تم چلو تو سہی..... مجھے یہ بھی معلوم ہے۔“ فریدی نے بجھا ہوا سارے لٹکا کر کہا۔

”اچھا ان خبروں کی لمبائی کیا ہوگی۔“ فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔

”میرے خیال سے وہ خبرویے ہیں ہیں جیسا کہ آپ نے مقتول کے میئے سے نکالا تھا۔“

”بہت خوب.....!“ فریدی اطمینان سے بولا۔ ”اچھا تو یہ بتاؤ کہ خبر کا کتنا حصہ لکڑی کے
انپکڑ فریدی نے خی طور پر موقعہ واردات کا معائنہ کیا تھا لیکن انہوں نے تجھی تفہیش کرنے سے
انکار کر دیا ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ انپکڑ فریدی چھ ماہ کی رخصت پر ہیں۔ اس نے خیال
ہوتا ہے کہ شانکر سرکاری طور پر بھی یہ کام ان کے سپرد نہ کیا جاسکے۔

”میرے خیال میں چھ تھا۔“

”معمولی طاقت والے کے بس کا روگ نہیں۔“ فریدی نے حمید کی پیٹھے ٹھوٹکتے ہوئے

جوش میں کہا۔ ”اچھا میرے دوست آج سرکس ضرور دیکھا جائے گا۔“

”آخراً آپ کا مطلب کیا ہے؟“ حمید بے چینی سے بولا۔

”ابھی فی الحال تو کوئی خاص مطلب نہیں۔ بقول تمہارے ابھی تو میری ایکیم کسی چھ پہ
والے نادل کے سراغ رسانا ہی کی ایکیم کی طرح معلوم ہو رہی ہے آگے اللہ مالک ہے۔“

”آخراً کچھ بتائیے تو.....!“

”کیا کوئی نئی بات سوچی۔“ فریدی نے کہا۔

"میں کہتا ہوں آخر دردسری مول لینے سے فائدہ؟ کیوں نہ ہم لوگ اپنی چھیاں اور اس کے ہونٹ مضطرباً انداز میں پہنے گے۔ دیکھنے والوں پر ستائنا چاہا گیا۔ خوش گزاریں۔"

"کھٹ.....!" دوسرا خجراً لڑکی کے کانہ سے کے قریب فراک کے پف کو چھڈتا ہوا تختے "اچھا بکواس بند۔" فریدی جھلا کر بولا۔ "اگر تم میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو نہ دے۔ میں ہنس گیا۔ لوکی کا چہرہ دودھ کی طرح سفید نظر آنے لگا۔ رنگ لیدر نے بے تابانہ رنگ کا تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔"

"آپ تو خنا ہو گئے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ بھی اس چھٹی میں ایک آدمی کر جھک کر حمید سے پوچھا۔

کر لیتے تو اچھا تھا۔" حمید نے منہ بنا کر پکھ اس انداز میں کہا کہ فریدی مسکراتے بغیر نہ رہ سکا۔ "ہرگز نہیں..... ہرگز نہیں۔" حمید نے پیتابی سے کہا۔ "ان کا فاصلہ تین یا چار انچ تھا۔" "اچھا تو کھانا اس وقت میرے ہی ساتھ کھانا۔" فریدی نے اس کے کانہ سے پر ہاتھ۔ "کھٹ.....!" اب کی بار لڑکی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس کے بازو سے خون نکل رہا تھا۔ فریدی نے نیپالی کو شرایوں کی طرح لا کھڑاتے رنگ کے باہر جاتے دیکھا۔ فوراً ہی پانچ چھ

"برو چشم.....!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "بھلا میں اپنے آفسر کا حکم کس طرح ہاں جو کروں نے رنگ میں آ کر اچھل کو مچا دی۔ سکتا ہوں۔"

وہ سرکش شروع ہونے سے پندرہ منٹ قبل ہی ریلوے گراؤنڈ پہنچ گئے اور بکس کے "پندرہ بیس سے ہمارے سرکس میں کام کر رہا ہے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا۔ ضرور وہ پکھ بیمار نکٹ لے کر رنگ کے سب سے قریب والے صوفے پر جا بیٹھے۔ دو چار کھلیوں کے بعد اصل ہے۔ جس کی اطلاع ہمیں نہ تھی۔ ہر حال ابھی بہت سے دلچسپ کھیل باقی ہیں۔"

کھیل شروع ہوا۔ ایک نائلے قد کا مضبوط نیپالی ایک خوبصورت لڑکی کی ساتھ رنگ میں داخل ہوا۔ "آؤ چلیں.....!" فریدی نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "غصب کی لوٹیا ہے۔" حمید نے دھیرے سے کہا۔

"ہشت.....!" فریدی نیپالی کو بنور دیکھ رہا تھا۔

"خواتین و حضرات.....!" رنگ لیدر کی آواز گوئی۔ "اب دنیا کا خوتاک ترین کھیل شروع ہونے والا ہے۔ یہ لڑکی اس لکڑی کے تختے سے لگ کر کھڑی ہو جائے گی اور یہ نیپالی میں خجراً والے نیپالی کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

اپنے خجراً سے لڑکی کے گرد اس کا خاکہ بنائے گا۔ نیپالی کی ذرا سی غلطی یا لڑکی کی خفیف کی جنبش "کیا عرض کروں اس پکڑ صاحب..... مجھے خود حیرت ہے۔ آج تک ایسا واحد نہیں ہوا۔ اسے موت کی آغوش میں پہنچا سکتی ہے لیکن دیکھئے کہ یہ لڑکی موت کا مقابلہ کس بہت سے کرنا مجھے شرم دیگی ہے۔ کیا قانوناً مجھے اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ کچھ بھروسی میں نہیں آتا۔ آج کئی دن سے اس کی حالت بہت ابتر ہے۔ وہ بے حد شراب پینے لگا ہے۔ ہر وقت ہے اور اس نیپالی کا ہاتھ کتنا سدھا ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔"

"کھٹ.....!" ایک سننا تا ہوا خجراً لڑکی کے سر کے بالوں کو چھوٹا ہوا لکڑی کے تختے میں نشے میں ڈیگیں مارتا رہتا ہے۔ ابھی کل ہی اپنے ایک ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ میں اب اتنا تین انچ ہنس گیا۔ لڑکی سر سے پیرنک لرزگی۔ رنگ ماسٹر نے نیپالی کی طرف حیرت سے دیکھا۔ "ولت مند ہو گیا ہوں۔ مجھے نوکری کی بھی پرواہ نہیں۔ اس نے اسے نٹوں کی کئی گذیاں بھی

دکھائی تھیں۔"

"اس کی یہ حالت کب سے ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ راج روپ گر کے دوران قیام ہی میں اس کی حالت میں تبدیلی،
ہونی شروع ہو گئی تھی۔"

"راج روپ گر....!" حید نے چمک کر کہا۔ لیکن فریدی نے اسکے چمک پر اپنا چمک رکھا

"کیا راج روپ گر میں بھی آپ کی کپٹن نے کھیل دکھائے تھے؟"

"میں نہیں.... وہاں کہاں.... وہ تو ایک قصہ ہے۔ ہم لوگ وہاں تمہر کراپے در
قلے کا انتظار کر رہے تھے۔"

"راج روپ گر.... وہی تو نہیں جو نواب وجاهت مرزا کی جا گیر ہے۔"

"جی ہاں.... جی ہاں وہی۔"

"کیا یہ نیپالی پڑھا لکھا ہے۔"

"جی ہاں.... میڑک پاس ہے۔"

"میں اس سے بھی کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور ضرور.... میرے ساتھ چلے۔ لیکن ذرا ہمارا بھی خیال رکھئے گا۔ میں نہیں مٹا
کر کپٹن کا نام بدناام ہو۔"

"آپ مطمئن رہئے۔"

وہ تینوں نیمیوں کی ظاروں سے گزرتے ہوئے ایک خیمے کے سامنے رک گئے۔

"اندر چلے....!" نیپالی طریقہ۔

"نہیں صرف آپ جائیے۔ آپ اس سے ہمارے بارے میں کہئے گا۔ اگر وہاں
کرے گا تو ہم لوگ ملیں گے ورنہ نہیں۔" فریدی نے کہا۔

نیپالی اپنے تو کچھ دیر تک حرمت سے اسے دیکھا رہا پھر اندر چلا گیا۔ فریدی نے
آنکھیں خیمے کی جانی سے لگادیں۔ نیپالی ابھی تک کھیل ہی کے کپڑے پہننے ہوئے تھا۔ "ا

پریشان نظر آ رہا تھا۔ فجر کے داخل ہوتے ہی وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن پھر اس کے چہرے پر
قدرتے اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔

"اوہ.... آپ ہیں۔ میں سمجھا..... جی کچھ نہیں۔ مجھے سخت شرمندگی ہے۔" وہ رک رک

کر بولा۔

"تو کیا تم کسی اور کا انتظار کر رہے تھے۔" نیپالی طریقہ۔

"جی جی....!" وہ ہکلانے لگا۔ "من نہیں..... بب بالکل نہیں۔"

باہر فریدی نے گھر اسافس لیا اور اسکی آنکھوں میں عجیب قسم کی وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے۔" نیپالی خود کو سنبھال کر بولा۔

"میں اس وقت اس معاملے پر گفتگو کرنے نہیں آیا ہوں۔" نیپالی طریقہ۔ "بات دراصل یہ

ہے کہ ایک صاحب تم سے ملتا چاہتے ہیں۔"

نیپالی بُری طرح کا پیغام۔

"مجھ سے مل..... ملتا چاہتے ہیں۔" وہ بد حواس ہو کر بیٹھتے ہوئے ہکلایا۔ "گر میں نہیں مٹا

چاہتا۔ وہ مجھ سے کیوں ملتا چاہتے ہیں۔"

"میں بھی تاتا کے لئے ملتا چاہتا ہوں کہ میں کیوں ملتا چاہتا ہوں۔" فریدی نے خیمے

میں داخل ہو کر کہا۔ اس کے پیچے حید بھی تھا۔

"میں آپ کو نہیں جانتا۔" اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے

میں آپ سے نہیں ملا۔"

"میں خیریہ پولیس کا اسپکٹر....!" فریدی نے جلدی سے کہا۔

"خیریہ پولیس....!" وہ اس طرح بولا جسے کوئی خواب میں ہو رہا تھا۔ "لیکن

کیوں..... آخر آپ مجھ سے کیوں ملتا چاہتے ہیں۔"

"میں تمہیں پریشان کرنا نہیں چاہتا لیکن تم اگر میرے سوالات کا صحیح جھجھ جواب دو گے تو

بھر جھیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کیا تم کل رات نشاط گردا کثر شوکت کی کوئی پر گئے تھے۔"

لیکن بے سود..... فیجر کو گھبراہت کی وجہ سے غش آ گیا۔

کوتولی اطلاع پہنچا دی گئی..... تھوڑی دیر بعد کئی کانٹیل اور دو سب انسپکٹر موقع واردات پہنچ گئے۔ انسپکٹر فریدی کو وہاں دیکھ کر انہیں سخت حیرت ہوئی۔ فریدی نے انہیں مختصر اسارا حال بتایا۔ مقتول کے اقرار جرم کا گواہ فیجر تھا لہذا فیجر کا بیان ہو رہا تھا کہ انسپکٹر فریدی اور سرجنت حمید وہاں سے روانہ ہو گئے۔

ان کی کاریزی سے نشاط گر کی طرف جاری تھی۔

”کیوں بھی رہانہ وہی..... چھپیے والے جاسوئی ناول والا معاملہ۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”اب تو مجھے بھی دلچسپی ہو چلی ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ کو یقین کیونکر ہوا تھا کہ یہی قاتل ہے۔“

”یقین کہاں مخفی شہر تھا لیکن فیجر سے گفتگو کرنے کے بعد کچھ کچھ یقین ہو چلا تھا کہ سازش میں کسی دوسرے کا ہاتھ ضرور تھا۔ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ قتل کے سلسلے میں اپنی غلطی کا احساس ہو جانے کے بعد ہی سے اس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کھلی کے وقت اس کا ہاتھ بہک رہا تھا اب اسے شاید اس شخص کا انتظار تھا جس نے اسے قتل کے لئے آمادہ کیا تھا۔ اس حماقت کی جواب ہی کے خیال نے اسے اور بھی پریشان کر رکھا تھا۔ انہیں سب چیزوں کو منظر رکھ کر میں نے خود پہلے اس کے خیمے میں جانا مناسب نہ سمجھا۔ فیجر کو اندر بھیج کر میں جالی سے اس کا روئی دیکھنے لگا۔ جالی سے تو تم بھی دیکھ رہے تھے۔“

”بیہر حال آج سے میں آپ کا پورا پورا شاگرد ہو گیا۔“ حمید نے کہا۔

”کیا کہا آج سے..... کیا پہلے نہ تھے۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔

”نہیں پہلے بھی تھا۔“ حمید نے کہا اور دونوں خاموش ہو گئے۔ انسپکٹر فریدی آئندہ کے لئے پروگرام بنا رہا تھا۔

چھانک پر کار کی آواز سن کر ڈاکٹر شوکت باہر نکل آیا تھا۔ انسپکٹر فریدی نے سارے واقعات بالتفصیل اسے بتائے۔

فریدی نے یہ جملہ نہایت سادگی اور اطمینان سے ادا کیا۔ لیکن اس کا اثر کسی بھم کے دھماکے کم نہ تھا۔ نیپالی بے اختیار چھل پڑا۔ فریدی کو اب پورا یقین ہو گیا۔

”نہیں نہیں....!“ وہ کیکپاتی ہوئی آواز میں چینا۔ ”تم سفید جھوٹ بول رہے ہو۔ میں وہاں کیوں جاتا۔ نہیں۔ یہ جھوٹ ہے۔ پکا جھوٹ۔“

”اس سے کوئی فائدہ نہیں متر.....!“ فریدی بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ کل رات تم ذرا شوکت کو قتل کرنے گے اور اسکے دھوکے میں بیتا دیوی کو قتل کرائے۔ اگر تم بھیج بیتا دو گے تو تم

تمہیں بچانے کی کوشش کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں کسی دوسرے نے قتل پر آمادہ کیا تھا۔“

”آپ مجھے بچانے کی کوشش کریں گے۔“ وہ بے بسی سے بولا۔ ”اوہ میرے خدا۔ میں نے بھی انکے غلطی کی۔“

”شباش، ہاں آگے کہو۔“ فریدی نرم لمحہ میں بولا۔ سرکس کا فیجر انہیں حیرت اور خوف کی نظر دوں سے دیکھ رہا تھا۔

نیپالی انسپکٹر فریدی کے اس اچانک حملے سے پہلے ہی سراسریہ ہو گیا تھا۔ اس نے ایک بے بس پہنچ کی طرح کہنا شروع کیا۔ ”جی ہاں..... میں ضرور بتاؤں گا۔ مگر میں بے قصور ہوں۔ آپ نے کہا کہ میں تمہیں بچاؤں گا۔ اس نے مجھے دس ہزار روپے یعنی گلی دیے تھے اور قتل کے بعد دس ہزار روپے اور دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اف میں نے کیا کیا۔.... اس کا نام.... ہاں اس کا نام ہے۔۔۔ اور ہا۔۔۔ اف۔۔۔!“ وہ چیخ کر آگے کی طرف جھک گیا۔

”وہ دیکھو....!“ سرجنٹ حمید چینا۔

کسی نے خیسے کے پیچے سے نیپالی پر حملہ کیا تھا۔ فیجر خیسے کے کپڑے کی دیوار پھاڑتا ہا۔ اس کی پیٹھ میں گھس گیا تھا۔ وہ بکس پر بیٹھے بیٹھے دو تین بار تڑپا پھر فیجر کی گرفت سے آزاد ہو کر فرش پر آ رہا۔

”حمدید۔۔۔ باہر۔۔۔ باہر۔۔۔ دیکھو جانے نہ پائے۔“ انسپکٹر فریدی غصہ میں چلایا۔

چیخ کی آواز سن کر کچھ اور لوگ بھی آئے۔ سب نے مل کر قاتل کو تلاش کرنا شروع کیا

”محضے ذرا دیر ہو گئی۔“ فریدی نے بے پرواںی سے کہا۔

”اس وقت ایک اہم معاٹے پر گلگلو کرنے کے لئے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔“

پولیس کمشنے اپنا سگار کیس اس کی طرف پڑھاتے ہوئے کہا۔

”شکریہ۔“ فریدی نے سگار لیتے ہوئے کہا۔ ”فرمائیے۔“

”مسٹر فریدی..... چوبیں گھنٹے کے اندر اس علاقے میں دو عدد وارداتیں ہوئی ہیں۔ ان

سے آپ بخوبی والتف ہیں۔“ پولیس کمشنر صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”اور

آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ تبدیل ہو کر یہاں آنے ہوئے مجھے صرف دن دن ہوئے ہیں۔ اسی

صورت میں میری بہت بدناہی ہو گی۔ سول پولیس تو قلعی ناکارہ ہے اور معاملہ انتہائی چیزیہ

ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی بیتیہ چھٹی فی الحال کینسل کر لیں اور اس کا میں ذمہ لیتا ہوں

کرتاں کا پتہ لگ جانے کے بعد میں آپ کو دونوں کے بجائے چار ماہ کی چھٹی دلادوں گا۔ یہ میرا

دوستانہ شورہ ہے۔ اسے افسری اور ماجحتی سے کوئی قلعنہ نہیں۔“

”جی میں ہر وقت اور ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔“ فریدی نے اپنی آرزو پوری

ہوتے دیکھ کر پر خوش بیجھ میں کہا۔

”بہت بہت شکریہ۔“ پولیس کمشنر صاحب اطمینان کا سانس لے کر بولے۔ ”کل رات

آپ اپنا بیان دے کر چلے آئے تھے۔ اس کے بعد نیپالی کے خیمے کی تلاشی لینے پر سات ہزار

روپے کے نوٹ برآمد ہوئے۔ جو کم از کم اس کی حیثیت سے زیادہ تھے۔ اس کے پس انداز

ہونے کا خیال اسی لئے پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی آمدی سے بڑھ کر خرچ کرنے والا آدمی تھا۔

ان روپوں کے علاوہ کوئی اور چیز ایسی نہ مل سکی جس سے اس کے قاتل کی شخصیت کا پتہ لگ

سکتا۔ بہر حال سیتا دیوی کے قاتل کے سراغ کا سہرا تو آپ ہی کے سر ہے۔ لیکن اب اس کے

قاتل کے قاتل کا پتہ لگانا بہت ضروری ہے اور یہ کام سوائے آپ کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ میں

نے کل رات ہی یہ دونوں کیس ملکہ سراغ رسانی کے پر کر دیئے ہیں اب بیتہ ہیات آپ کو

چیف انپکٹ سے ملیں گی۔“

”لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اب مٹھن ہو جاؤ۔“ فریدی نے شوکت کے کانہ سے پر
ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”تمہارا اصل دشمن اب بھی آزاد ہے اور وہ کسی وقت بھی تمہیں نقصان
پہنچا سکتا ہے۔ لہذا احتیاط کی ضرورت ہے۔ میں فکر میں ہوں اور کوشش کروں گا کہ اسے جلد از جبل
گرفتار کر کے قانون کے حوالے کر دوں۔“

قاتل کی نئی چال

انپکٹ فریدی کو افسوس تھا کہ سرکاری طور پر وہ اس کیس کا انچارج نہ ہو سکتا تھا۔ ابھی اس
کی چھٹی خشم ہونے میں دو ماہ باقی تھے۔ اسے اس بات کا بھی خیال تھا کہ دوسرے قتل کے بعد
سے اس معاملہ میں اس کی دست اندازی کا حال آفسروں کو ضرور معلوم ہو جائے گا۔ جو اصولاً
کسی طرح درست نہ تھا۔ لیکن اس کی پرواہ نہ تھی۔ ملازمت کی پرواہ اسے کبھی تھی اور نہ
اب۔ وہ خود بھی صاحب جائیداد اور شان سے زندگی برکرنے کا عادی تھا۔ اس ملازمت کی
طرف اسے دراصل اس کی افادی طبع لائی تھی۔ ورنہ وہ اتنا دولت مند تھا کہ اس کے بغیر بھی
امیروں کی سی زندگی برکرتا تھا۔

دوسری واردات کے دوسرے دن صبح جب وہ سوکر اٹھا تو اسے معلوم ہوا کہ چیف انپکٹ
صاحب کا اردنی عرصہ سے اس کا انتظار کر رہا ہے۔ دریافت حال پر پتہ چلا کہ چیف صاحب
اپنے بغلہ پر بے صبری سے اس کا انتظار کر رہے ہیں اور پولیس انپکٹ صاحب بھی وہاں موجود
ہیں۔ فریدی کا ماتھا شکنا۔ اس نے لاپرواں سے ناخنگوار خیالات کوڑہن سے نکال پھینکا اور
ٹائٹنے وغیرہ سے فارغ ہو کر چیف صاحب کے بغلہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

”بھلو فریدی۔“ چیف صاحب نے اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم لوگ دیرے
تمہارے منتظر ہیں۔“

”اور میں تم کو اس کیس کا انچارج باتا ہوں۔“ چیف انپکٹر صاحب نے کہا۔ ”اس کے کاغذات میں بجے تک تمہیں مل جائیں گے۔“

”یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں کیس کی تفتیش شروع ہی سے کر رہا ہوں اور میں نے اس سلسلے میں اپنا طریقہ کاربھی مکمل کر لیا ہے۔ لیکن آپ سے استدعا ہے کہ آپ یہی ظاہر ہونے دیں کہ میں چھٹی پر ہوں اور یہ معاملہ ابھی تک مکمل سرانجام رسانی تک نہیں پہنچا۔“

”تو اس کیس میں بھی تم اپنی پرانی عادت کے مطابق ایکلے ہی کام کرو گے۔“ چیف انپکٹر پولیس نے کہا۔ ”یہ عادت خطرناک ہے۔“

”مجھے افسوس ہے کہ بعض وجہ کی بنا پر جنہیں میں ابھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا مجھے یہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اچھا اب اجازت چاہتا ہوں۔“

انپکٹر فریدی کے گھر پر سرجنت مہید اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے معلوم ہوا رہا تھا مجھے وہ رات بھرنے سویا ہوا۔ فریدی کے گھر پہنچنے ہی وہ بیتابی سے اس کی طرف بڑھا۔

”کہو..... خیریت تو ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم کچھ پریشان سے معلوم ہوتے ہو۔“
کچھ کیا..... میں بہت پریشان ہوں۔“ مہید نے کہا۔

”آخربات کیا ہے۔“

”کل رات تقریباً ایک بجے میں آپ کے گھر سے روانہ ہوا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد میں نے محسوں کیا کہ میرا کوئی پیچھا کر رہا ہے۔ پہلے تو خیال ہوا کہ کوئی راہ گیر ہو گا لیکن جب میں نے اپنا شہر رفح کرنے کے لئے یوں ہی بے مطلب بیچ دریچ گلیوں میں گھسنا شروع کیا تو میرا شہر یعنی کی حد تک پہنچ گیا کیونکہ وہ اب بھی میرا پیچھا کر رہا تھا۔ خیر میں نے گھر پہنچ کر تلا کھولا اور کواڑ بند کر کے درز سے جھانکا رہا۔ میرا تعاقب کرنے والا اب میرے مکان کے سامنے کھڑا دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ میں دبے پاؤں باہر نکلا اور اب میں اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس قسم کا تعاقب کم از کم میرے لئے یا تجوہ تھا کیونکہ تعاقب کرتے کرتے پانچ بجے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا مجھے وہ یوں ہی بلامقصداً وارہ گردی کرنا پھر رہا ہے۔“

مجھے افسوس ہے کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ کیونکہ اس نے اپنے چہرہ کا لکھرا کر رکھا تھا اور اس کی نائٹ کیپ اس کے چہرے پر جھکی ہوئی تھی۔ تقریباً پانچ بجے وہ باشم روڈ اور نیلی روڈ کے چورا ہے پر کر گیا۔ وہاں ایک کارکھڑی تھی۔ وہ اس میں بیٹھ گیا اور کارتیزی سے شمال کی جانب روانہ ہو گئی۔ وہاں اس وقت مجھے کوئی سواری نہ مل سکی۔ لہذا تین میل پہلے چل کر آ رہا ہوں۔ شاید رات سے اب تک میں نے پندرہ میل کا چکر لگایا ہو گا۔“

”تمہاری نئی دریافت تو بہت دلچسپ رہی۔“ فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

وہ تھوڑی دیر تک تو چپ رہا۔ اسکی آنکھیں اس طرح دھنلا گئیں جیسے اسے نیند آ رہی ہو۔ پھر اچاک ان میں ایک طرح کی وحشانہ چمک پیدا ہو گئی اور اس نے ایک زور دار قہرہ لگایا۔ ”کیا کہا تم نے۔“ فریدی بولا۔ ”وہ باشم روڈ کے چورا ہے سے شمال کی جانب چلا گیا۔“ ”جی ہاں۔“

”اور تمہیں شاید معلوم نہ ہو گا کہ اسی چورا ہے پر سے اگر تم جنوب کی طرف چلو تو پندرہ میل چلنے کے بعد تم راج روپ نگر پہنچ جاؤ گے۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ مجرم کا سراغ راج روپ نگر ہی میں مل سکے گا۔ دیکھو اگر وہ بیچ تھی تمہارا پیچھا کر رہا ہوتا تو تمہیں اس کا احساس کرنے ہونے دیتا۔ اس نے دیدہ دانستہ ایسا کیا تا کہ تم اس کے پیچھے گل جاؤ اور وہ اسی چورا ہے سے جنوب کی طرف جانے کی بجائے شمال کی طرف جا کر میرے دل سے اس خیال کو نکال دے کر اصل مجرم راج روپ نگر کا باشدہ ہے۔ اورہ میرے خدا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ نیپالی کے قتل کے پہلے سے ہم لوگوں کے قریب ہی قریب رہا اور اس نے مجرم کے دفتر میں بھی ہماری گفتگو سنی وہیں راج روپ نگر کی گفتگو آئی تھی۔ اخبار میں تو اس کا کوئی حوالہ نہیں تھا۔ مجرم معمولی ذہانت کا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ کیا تم اس کا حلیہ بتاسکتے ہو۔“

”یہ تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔“ مہید نے کچھ سوچ کر کہا۔ ”لیکن ٹھہریئے۔ اس میں ایک خاص بات تھی جس کی بنا پر وہ پیچانا جا سکتا ہے اس کی پیشہ پر ہا۔ اس کو پڑھتا۔“

نواب صاحب نے اپنی جاگیر کے متعلق ابھی تک کسی قسم کا کوئی وصیت نامہ نہیں لکھا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ان کی بیوہ بہن یا سوتیلے بھتیجے میں سے کوئی بھی جائیداد کے لائق میں یہ خواہش نہیں رکھ سکتا کہ نواب صاحب ہوش میں آنے سے پہلے ہی مر جائیں۔ بہت ممکن ہے کہ اسی مقصد کے تحت ذہنی بیماریوں کے مشہور ترین ڈاکٹر شوکت کو قتل کرادیے کی بوش کی گئی ہو محض اس ڈر سے کہیں نواب صاحب اس کے زیر علاج نہ آ جائیں کیونکہ ان کا فیملی ڈاکٹر آپریشن پر زور دے رہا تھا۔ ”فریدی خاموش ہو گیا۔

”آپ کے دلائل بہت وزنی معلوم ہوتے ہیں۔“ حمید بولا۔ ”لیکن آپ کا تھا جانا ٹھیک نہیں۔“

”تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو کہ طریقہ کاربھی میں آجائے کے بعد میں تھا کام کرنے کا عادی ہوں۔“ فریدی نے نہیں کہا۔ ”اور پھر تم نے ابھی حال ہی میں ایک عدالت کیا ہے۔ میں تھا رے عشق میں گز بڑھنیں پیدا کرنا چاہتا۔ واپسی میں تمہاری محبوہ کے لئے ایک عدالت کوئی ضروری نہیں گا۔ اچھا اب تم ناشتہ کر کے یہیں سورہ ہو اور میں چلا۔“

خوفناک بوڑھا

راج روپ گھر میں نواب و جاہت مرزا کی عالی شان کوئی بستی سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ نواب صاحب بہت شوقیں آدمی تھے۔ اس نے انہوں نے اس قبیلے کو نہما منا سا خوبصورت شہر بنادیا تھا۔ بس صرف الیکٹرک لائٹ کی کسر رہ گئی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی کوئی میں ایک طاقتور ڈائکو لوگا کر اس کی کو پورا کر دیا تھا۔ البتہ قبیلے والے بجلی کی روشنی سے محروم تھے۔ کوئی کے چاروں طرف چار فرلانگ کے رقبے میں خوشنا باغات اور صاف و شفاف روشنی کا جال بچا ہوا تھا۔ نواب صاحب کی کوئی سے ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ایک قدیم وضع کی عمارت تھی جس میں ایک چھوٹا سا مینار تھا۔ کسی زمانے میں اس مینار کا اوپری حصہ کھلا رہا ہو گا اور

”اماں چھوڑو بھی..... کو بڑتو کوٹ کے پیچے بہت سا کپڑا انہوں کر بھی بنا یا جا سکتا ہے۔ اگر وہ بھی کپڑا ہوتا تو تمہیں اپنے پیچھے آنے کی دعوت ہی نہ دیتا۔“

”واللہ..... آپ نے تو شر لاک ہومز کے بھی کان کاٹ کر کھالے۔“ حمید نہیں کر بولا۔

”تم نے پھر وہی جاسوسی نادلوں کے جاسوسوں کے حوالے دینے شروع کر دیے۔“ فریدی نے بہادر اسامنہ بتا کر کہا۔

”بخارا میں ملکہ نہیں اڑا رہا ہوں۔“

”خیر ہٹاؤ..... میں اس وقت تھا راج روپ گھر جا رہا ہوں۔“

”یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ آپ تھا راج روپ گھر جا رہے ہیں۔ میں رات بھر نہیں سویا۔“

”اگر تم سوتے بھی ہوتے تو بھی میں تمہیں اپنے ساتھ نہ لے جاتا کیونکہ تم جھٹی پر ہو اور

میں نے اپنی چھٹیاں کیسل کر ادا ہیں اور یہ کس سرکاری طور پر میرے پر دکیا گیا ہے۔“

”یہ کب.....!“ حمید نے تحریر ہو کر پوچھا۔

”ابھی.....!“ فریدی نے جواب دیا اور سارے واقعات بتادیے۔

”تو پھر واقعی آپ تھا جائیں گے۔“ حمید نے کہا۔ ”اچھا یہ تو بتائیے کہ آپ نے اپنا

طریقہ کا سوچ لیا ہے۔“

”قطی.....!“ فریدی نے جواب دیا۔ ”کل رات میں نے تمہارے جانے کے بعد ہذا راج روپ گھر کے متعلق بہت سی معلومات بھرم پہنچائی ہیں۔ خلاصہ یہی کہ راج روپ گھر نواب صاحب و جاہت مرزا کی جاگیر ہے اور نواب صاحب کی شدید قسم کی ذہنی بیماری میں بجلی ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ تقریباً پندرہ روز سے دن رات سو رہے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ بے ہوش ہیں۔ ان کے فیملی ڈاکٹر کی رائے ہے کہ سرکا آپریشن کرایا جائے لیکن موجودہ معاف کریں تیاری جو پولیس ہسپتال کے انچارج ہیں آپریشن کے خلاف ہیں۔ اس سلسلے میں دوسری بات معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ نواب صاحب اولاد ہیں ان کے ساتھ ان کا سو سوئیلا سمجھتا اور ان کی بیوہ بہن اپنی جوان لڑکی سمیت رہتی ہے۔ مجھے جہاں تک پہنچا ہے کہ

”شاید میں کنور صاحب سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔“ فریدی نے ادب سے کہا۔

”جی ہاں..... مجھے کنور سلیم کہتے ہیں۔“ اس نے بے دلی سے کہا۔ ”جو کچھ پوچھنا ہو جلد پوچھے۔ میں بہت مشغول آدمی ہوں۔“

”نواب صاحب کا اب کیا حال ہے۔“

”ابھی تک ہوش نہیں آیا..... اور کچھ.....!“

”کب سے بے ہوش ہیں؟“

”پندرہ دن سے..... قیمتی ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ آپریشن کیا جائے۔ لیکن کرٹل تیواری اس کے حق میں نہیں ہیں۔ اچھا بس اب مجھے اجازت دیجئے۔“ وہ پھر اسی دروازے کی طرف گھوم گیا جس طرف سے آیا تھا۔

فریدی کے لئے واپس جانے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا تھا۔

جب وہ پرانی کوئی کے پاس سے گذر رہا تھا تو یک بیک اس کی ہیئت اچھل کر اس کی گود میں آ رہی۔ ہیئت میں بڑا سا چھید ہو گیا تھا۔ اس نے دل میں کہا ”بال بال پچھے فریدی صاحب..... اب کبھی موڑ کی چھت گرا کر سفر نہ کرنا۔ ابھی تو اس بے آواز رائفل نے تمہاری جان ہی لے لی تھی۔“ تھوڑی دور جل کر اس نے کار روک لی اور پرانی کوئی کی طرف پیدل واپس لوٹا مہندی کی باڑھ کی آڑ سے اس نے دیکھا کہ پرانی کوئی کے باغ میں ایک عجیب اشتفت بوڑھا ایک چھوٹی نال والی نہایت طاقتور رائفل لے گلہریوں کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

فریدی مہندی کی باڑھ پھلانگ کر اندر پہنچ گیا۔ بوڑھا چوک کر اسے حرمت سے دیکھنے لگا۔ بوڑھ کو دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی مردہ قبر سے اٹھ کر آ گیا ہو یا پھر جیسے وہ کوئی بھوت ہو۔ اس کا رینگ ہلدی کی طرح پیلا تھا۔ بال کیا بھنوں تک سفید ہو گئی تھیں۔ چہرہ لمبا تھا اور گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ ڈاڑھی مونچھے صاف..... ہونٹ اتنے پتلے تھے کہ ان کے میان میں ایک باریک سی گہری لکیر نظر آ رہی تھی۔ لیکن آنکھوں میں بلا کی چک اور جسم میں

نواب صاحب کے آباؤ اجداد اس پر بیٹھ کر تفریخ کیا کرتے ہوں گے لیکن اب یہ بھی بند کر دیا گیا تھا۔ صرف دو کھڑکیاں کھلی رہ گئی تھیں۔ ایک کھڑکی میں ایک بڑی سی دوربین لگی ہوئی تھی جس کا قطر تقریباً ایک فٹ رہا ہوگا۔ اس عمارت میں مشہور ماہر فلکیات پروفیسر عمران رہتا تھا۔

نواب صاحب نے یہ پرانی عمارت اسے کرائے پر دے رکھی تھی۔ اس نے اس میتار کی بالائی منزل کو چاروں طرف سے بند کر کے اس پر اپنی ستاروں کی رفتار کا جائزہ لینے والی بڑی دوربین فٹ کرائی تھی۔ قبے والوں کے لئے وہ ایک پراسرار آدمی تھا۔

بہتوں کا خیال تھا کہ وہ پاگل ہے اسے آج تک کسی نے اس چارفلانگ کے رقبے سے باہر نہ دیکھا تھا۔

انپکڑ فریدی کوئی کے قریب پہنچ کر سوچنے لگا کہ کس طرح اندر جائے۔ دھنٹا ایک توکر برآمدے میں آیا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا۔ ”اب نواب صاحب کی کیسی طبیعت ہے۔“

”ابھی وہی حال ہے۔“ تو کہا سے گھوڑتا ہوا بولا۔ ”آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔“

”میں ”روزنامہ خبر“ کا نمائندہ ہوں اور کنور سلیم سے ملتا چاہتا ہوں۔“

”یہاں اندر ہاں میں تشریف لائیے میں انہیں خبر کرتا ہوں۔“

فریدی برآمدے سے گذر کر ہاں میں داخل ہوا۔ ہاں کی دیواروں پر چاروں طرف نواب صاحب کے آباؤ اجداد کی قد آدم تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ فریدی ان کا جائزہ لیتے لیتے چوک پڑا۔ اس کی نظر میں ایک پرانی تصویر پر جب ہوئی تھیں۔

اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کہنی مونچھوں اور ڈاڑھی کے پیچے کوئی جانا بیچانا چہرہ ہے۔

”اوے وہ مارا بیٹا فریدی۔“ وہ آپ ہی آپ بڑھ رہا۔

وہ قدموں کی آہٹ سے چوک پڑا۔ سامنے کے دروازے میں ایک لمبا ترین گا نوجوان قیمتی سوت میں ملبوس کھڑا تھا۔ پہلے تو وہ فریدی کو دیکھ کر جھوکا پھر مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

”صاحب آپ نامہ نگاروں سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔“ وہ ہنس کر بولا۔ ”کہنے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔“

جیرت انگیز پھر تلاپن تھا۔ وہ اچھل کرفیڈی کے قریب آگیا۔

”مجھ سے ملنے..... میں پروفیسر عمران ہوں۔ ماہر فلکیات..... اور آپ.....؟“

”مجھے آپ کے نام سے دلچسپی نہیں۔“ فریڈی اسے گھوڑ کر بولا۔ ”میں تو اس خوفناک ہتھیار میں دلچسپی لے رہا ہوں جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔“

”ہتھیار.....!“ بوڑھے نے خوفناک قہقہہ لگایا۔ ”یہ تو میری دوربین ہے۔“

”وہ دوربین ہی سہی لیکن ابھی اس نے مجھے دوسرا دنیا میں پہنچا دیا ہوتا۔“

فریڈی نے اپنی ہیئت کا سوراخ اُسے دکھایا۔ بوڑھے کی آنکھوں سے غوف جھائکئے گا۔ اس نے ایک بار غور سے رائقل کی طرف دیکھا اور پھر ہنس کر کہنے لگا۔

”شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ واقعی رائقل ہی ہے۔ میں گھبریوں کا خشکار کر رہا تھا معافی چاہتا ہوں اور اپنی دوستی کا ہاتھ آپ کی طرف بڑھاتا ہوں۔“ بوڑھے نے فریڈی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس زور سے دبایا کہ اس کے ہاتھ کی ہڈیاں تک دکھنے لگیں۔ اس نیجف الجذب بوڑھے میں اتنی طاقت دیکھ کر فریڈی بوكھلا سا گیا۔

”آئیے..... اندر چلے..... آپ ایک اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔“ وہ فریڈی کا ہاتھ پکڑے ہوئے پرانی کوٹھی میں داخل ہوا۔

”آج کل گھبریاں اور دوسرے چھوٹے جانور میرا خاص موضوع ہیں۔ آئیے میں آپ کا ان کے نمونے دکھاؤ۔“ وہ فریڈی کو ایک تاریک کمرے میں لے جاتا ہوا بولا۔ کمرے میں عجیب و غریب طرح کی خوشنگواری بوجھیلی ہوئی تھی۔ بوڑھے نے کئی موم تباہ جلا میں کمرے میں چاروں طرف مردہ جانوروں کے ڈھانچے رکھے ہوئے تھے۔ بہت سے چھوٹے جانور کیلیوں کی مدد سے لکڑی کے تختوں میں جلا دیئے گئے تھے۔ ان میں سے کئی خرگوش اور کلگھریاں تو ابھی تک زندہ تھیں۔ جن کی ترپ بہت ہی خوفناک منظر پیش کر رہی تھی۔ کبھی کہا کوئی خرگوش درد کی تنکیف سے چیخ اٹھتا تھا۔ فریڈی کو اخلاق سا ہونے لگا اور وہ گھبرا کر کس سے نکل آیا۔

”اب آئیے میں آپ کو اپنی آبز رویتی دکھاؤ۔“ یہ کہہ کر وہ میثار کے زینتوں پر چڑھنے لگا۔ فریڈی بھی اس کے پیچے چل رہا تھا۔ میثار تقریباً پچیس فٹ چوڑا رہا ہوگا۔ آخر میں وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے جو بالائی منزل پر تھا۔ وہیں ایک کھڑکی میں دوربین نصب تھی۔ ”یہاں آئیے.....!“ وہ دوربین کے شیشے پر جھک کر بولا۔ ”میں اس وقت نواب صاحب کی خوبگاہ کا منظر اتنا صاف دیکھ رہا ہوں جیسے وہ یہاں سے صرف پانچ فٹ کے فاصلے پر ہوں۔ نواب صاحب چت لیتے ہیں۔ اسکے سر ہانے اُنکی بھاجنی پڑھی ہے۔ یہ لمحے دیکھئے۔“ فریڈی نے اپنی آنکھ شیشے سے لگادی۔ سامنے والی کوٹھی کی کشاور کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور کمرے کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ کوئی شخص سر سے پیر ہمک مغلی کالحاف اور ایک خوصورت لڑکی سر ہانے پڑھی تھی۔

”میں سامنے والے کمرے کے بہت سے راز جانتا ہوں۔ لیکن تمہیں کیوں بتاؤں۔“ بوڑھا فریڈی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ”بس کرواب آؤ جلیں۔“

”مجھے کسی کے راز جاننے کی ضرورت نہیں کیا ہے۔“ فریڈی اپنے شانے اچھاتا ہوا بولا۔ بوڑھا قہقہہ لگا کر بولا۔ ”کیا مجھے احتیق سمجھتے ہو۔ میں اپنی طرح جانتا ہوں کہ یہ جملہ تم نے محض اسی لئے کہا ہے کہ میں سارے راز اُنگلیوں۔ تم خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اچھا اب پلوٹ تھیں باہر جانے کا راستہ دکھادوں۔“

”وہ دونوں یچے اُتر آئے۔ ابھی وہ ہال ہی میں تھے کہ دروازے پر کنور سیم کی صورت دکھائی دی۔“

”آپ یہاں کیسے؟“ اس نے فریڈی سے پوچھا۔ ”کیا آپ پروفیسر کو جانتے ہیں۔“

”میں نہیں..... لیکن آج انہیں اس طرح جان گیا ہوں کہ زندگی بھرنہ بھلا سکوں گا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”آپ گھبریوں کا خشکار کرتے کرتے آدمی کا خشکار کرنے لگے تھے۔“ فریڈی پروفیسر کے ہاتھ میں دلبی ہوئی رائقل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”میری ہیئت ملاحظہ فرمائیے۔“

”آپ ہی نواب صاحب کے فیملی ڈاکٹر ہیں۔“ فریدی نے سگار لائٹر سے سگار لٹکاتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں..... جی..... فرمائیے۔“ ڈاکٹر نے مصطفیٰ بانہ انداز میں کہا۔

”کیا کرٹل تیواری آپ کے مشورے سے نواب صاحب کا علاج کر رہے ہیں۔“ وہ اچاک پوچھ دی�ا۔

ڈاکٹر تو صیف چونک کرا سے گھوننے لگا۔

”لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔“

”ڈاکٹر صاحب! وہنی بیماریوں کے علاج میں مجھے تمہوا سا دل ہے اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس قسم کے امراض کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے آپ رشنا..... آخر یہ کرٹل تیواری شخص اوقات کیوں کر رہے ہیں اور یہ چیز بھی ہمارے لئے باعث تشویش ہے کہ کرٹل تیواری کو جسے کئی نوجوان ڈاکٹر امراض کے سلسلے میں کافی پیچھے چھوڑ چکے ہیں معانع کیوں مقرر کیا گیا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ ایک قطعی خوبی معاملے میں داخل اندازی کر رہے ہیں۔“ ڈاکٹر تو صیف نے ناخنگوار لجھے میں کہا۔

”آپ سمجھے نہیں۔“ فریدی نے نرم لجھے میں کہا۔ ”میں نواب صاحب کی جان لینے کی ایک گھری سازش کا پتہ لگا رہا ہوں۔ اس سلسلے میں آپ سے مدد یعنی مناسب ہے۔“

”جی.....!“ ڈاکٹر تو صیف نے چونک کر کہا اور پھر مضمضہ سا ہو گیا۔

”جی ہاں..... کیا آپ میری مدد کریں گے۔“ فریدی نے سگار کا کش لے کر پر اطمینان لجھے میں کہا۔

”بات دراصل یہ ہے اسکرٹر صاحب کہ میں خود بھی اس معاملے میں بہت پریشان ہوں۔ لیکن کیا کروں..... خود نواب صاحب کی بھی بھی خواہش تھی۔ اب تین دو ایک بار کرٹل تیواری کے علاج سے فائدہ ہو چکا ہے۔“

”اوہ سمجھا.....!“ کنور سلیم تیز لجھے میں بولا۔ ”پروفیسر تم براہ کرم ہماری کوئی خالی کرو ورنہ میں تمہیں پاگل خانے پیچھا دوں گا..... سمجھے۔“

بوڑھے نے خوفزدہ نگاہوں سے کنور سلیم کی طرف دیکھا اور بے ساختہ بھاگ کر مینار کے زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔

”معاف سمجھے گا..... یہ بوڑھا پاگل ہے۔ خواہ مخواہ ہماری پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔ اچھا خدا حافظ۔“

گولیوں کی بوچھاڑ

فریدی نے اپنی کار کارخ قبے کی طرف پھیر دیا۔ اب وہ نواب کے فیملی ڈاکٹر سے ملا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر تو صیف ایک معمراً دی تھا۔ اس سے قبل وہ سول سو سن جن تھا۔ پیش لینے کے بعد اس نے اپنے آبائی مکان میں رہنا شروع کر دیا تھا جو راج روپ مگر میں واقع تھا۔ اس کا ثانر قبہ کے ذی عزت اور دولت مندو لوگوں میں ہوتا تھا۔ فریدی کو اس کی جائے رہائش معلوم کرنے میں کوئی وقت نہ ہوئی۔

ڈاکٹر تو صیف اپنے فریدی کو شاید پیچاہتا تھا اس لئے وہ اس کی غیر متوقع آمد سے کچھ گھبرا سا گیا۔

”مجھے فریدی کہتے ہیں۔“ اس نے اپنا ملاقاتی کارڈ پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”میں آپ کو جانتا ہوں.....!“ ڈاکٹر تو صیف نے مصطفیٰ بانہ انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ”فرمائیے کیسے تکلیف فرمائی۔“

”ڈاکٹر صاحب میں ایک نہایت اہم معاملے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔“

”فرمائیے..... اچھا اندر تشریف لے چلے۔“

”لیکن مجھے تو معلوم ہوا ہے کہ کرٹل تیواری کو علاج کے لئے ان کے خاندان والوں نے کیا آپ نے کبھی اتنی بڑائی رکھنے والے کاغذ کا اتنا چھوٹا پیڈ بھی دیکھا ہے۔ کسی قدر بے منتخب کیا ہے۔“

”میں یہ بات نہیں۔ البتا انہوں نے میری آپریشن والی تجویز نہیں مانی تھی۔ میں آپ کو کاغذ کا بیٹھ کر قصی سے کام ہے۔ ڈاکٹر کیا آپ کو یہ اسی حالت میں ملا جائے۔“

وہ خط دکھاتا ہوں جو نواب صاحب نے دورہ پڑنے سے ایک دن قتل مجھے لکھا تھا۔“

”جی ہاں.....!“ ڈاکٹر نے تحریر ہو کر کہا۔ ”لیکن میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”ڈاکٹر تو صیف اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور فریدی سگار کے کش لیتا ہوا رہ۔“ کھلی آنکھوں سے خلاء میں تاکتا رہا۔

”وہی عرض کرنے جا رہا ہوں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ نواب صاحب نے خط لکھا کر وخت

کردینے کے بعد بھی مجھے لکھا ہو جسے کسی نے بعد میں قصی سے کاٹ کر اسے برابر کرنے کی

”یہ دیکھنے نواب صاحب کا خط.....!“ ڈاکٹر تو صیف نے فریدی کی طرف خط بڑھاتے کوشش کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ نواب صاحب فطرتاً اتنے کنجوں نہیں کہ باقی بچا ہوا کاغذ کاٹ ہوئے کہا۔ فریدی خط کا جائزہ لینے لگا۔ خط نواب زادہ صاحب کے ذاتی پیڈ کے کاغذ پر لکھا گیا۔ کر دوسرے مصرف کے لئے رکھ لیں۔“

”اُف میرے خدا۔“ ڈاکٹر نے سر پکڑ لیا۔ ”یہاں تک میری نظر نہیں پہنچی تھی۔“

”بہر حال حالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں کیا آپ بھیتی فیملی ڈاکٹر اتنا نہیں کر سکتے کہ

کرٹل تیواری کی بجائے کسی اور معاف سے علاج کرائیں۔“

آج دو دن سے مجھے محبوں ہو رہا ہے جیسے مجھ پر دورہ پڑنے والا ہے۔ اگر آپ شام تک

کرٹل تیواری کو لے کر آ جائیں تو بہتر ہے پچھلی مرتبہ بھی ان کے علاج سے فائدہ ہو اتا۔ مجھے کی بار مجھ سے آپریشن کے متعلق گفتگو کی تھی۔۔۔ اور ہاں کیا نام ہے اس کا اس سلسلے میں سول

اطلاع ٹلی ہے کہ کرٹل تیواری آج کل بہت مشغول ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ آپ انہیں لے کر ہستال کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر شوکت کا بھی تذکرہ آیا تھا۔“

”اب تو معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔“ فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ”ممکن ہے خط لکھ

چکنے کے بعد نواب صاحب نے یہ لکھا ہو کر اگر کرٹل تیواری نہ مل سکیں تو ڈاکٹر شوکت کو لیتے

آئیے گا۔ اس حصے کو کسی نے غائب کر دیا۔“

”ہوں.....!“ تو صیف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ ڈاکٹر شوکت سے ضرور جو عن کیجھ۔ کم از کم اس صوبے میں وہ

انہا جواب نہیں رکھتا۔“

”میں اس کی تعریفیں اخبارات میں پڑھتا رہتا ہوں اور اس سے ایک بار مل بھی چکا

ہوں۔ میں یہ اپنی طرح جانتا ہوں کہ وہ نواب صاحب کا سو فیصدی کامیاب آپریشن کرے گا

صاحب کا اندماز خیری لاکھوں میں پہچان سکتا ہوں۔“

”ہوں.....!“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”لیکن ڈاکٹر صاحب ذرا اس پر غور کیجئے

آپ کا

وجاہت مرزا۔“

”ڈاکٹر صاحب کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ خط نواب صاحب علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔“ فریدی نے خط پڑھ کر کہا۔

”اتا ہی یقین ہے جتنا کہ اس پر اس وقت میں آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔ میں نواب

صاحب کا اندماز خیری لاکھوں میں پہچان سکتا ہوں۔“

”خیر..... اچھا ب میں اجازت چاہوں گا۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے امید ہے کہ آپ جلد ہی ڈاکٹر شوکت سے ملاقات کریں گے۔“

فریدی کی کار تیزی سے شہر کی طرف جا رہی تھی۔ آج اس کا دماغ بے انتہا اچھا ہوا تھا۔ بہر حال وہ جو مقصد لے کر راج روپ نگر آیا تھا اس میں اگر بالکل نہیں تو تمہری بہت کامیابی ضرور ہوئی تھی۔ اب وہ آئندہ کے لئے پروگرام مرتب کر رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ سوچتا تھا اسے اپنی کامیابی پر پورا لیکن ہوتا جا رہا تھا۔

سرک کے دونوں طرف دور دور تک چھپول کی ٹکھنی جھاؤں یاں تھیں۔ سرک بالکل سنان تھی۔ ایک جگہ اسے نئے سرک پر ایک خالی تانگہ کھڑا انظر آیا۔ وہ بھی اس طرح جیسے وہ خاص طور پر راستہ روکنے کے لئے کھڑا کیا گیا ہو۔ فریدی نے کار کی رفتار چھکی کر کے ہارن دینا شروع کیا تھا۔ لیکن دور و نزدیک کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ سرک زیادہ چوڑی نہ تھی۔ لہذا فریدی کو کار روک کر اترنا پڑا۔ تانگہ کنارے لگا کر وہ گاڑی کی طرف لوٹ ہی رہا تھا کہ اسے دور جھاؤں یوں میں ایک بھی انک چیخ سنائی دی۔ کوئی بھرائی ہوئی آواز میں چیخ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بار بار چیخنے والے کامنہ دبایا جاتا ہو اور وہ گرفت سے نکلنے کے بعد پھر چیخنے لگتا ہو۔ فریدی نے جیب سے یہاں لے آئیے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت پھر کسی کو اعتراض کی بھی ممکنائش نہ رہ جائے ریو الورکال کر آواز کی طرف دوڑنا شروع کیا۔ وہ قد آدم جھاؤں سے الجھتا ہوا گرتا پڑتا جنگل میں گھسا جا رہا تھا۔ دھڑتا ایک فائر ہوا اور ایک گولی سننا تی ہوئی اس کے کافوں کے قریب سے لکل گئی۔ وہ پھر تی کے ساتھ زمین پر لیٹ گیا۔ لیٹے لیٹے ریکھتا ہوا وہ ایک کھائی کی آڑ میں ہو گیا۔ اب پے در پے فائر ہونے شروع ہو گئے۔ اس نے بھی اپنا پستول خالی کرنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف سے فائر ہونے بند ہو گئے۔ شاید گولیاں چلانے والا اپنے خالی پستول میں کارتوں پر چھارہ تھا۔ فریدی نے کھائی کی آڑ سے سراب جمارا ہی تھا کہ فائر ہوا۔ اگر وہ تیزی سے پچھپے کی طرف نہ گر گیا ہوتا تو کھوبڑی اڑ عی گئی تھی۔ دوسری طرف سے پھر اندازہ دند فائر ہونے لگے۔ فریدی نے بھی دو تین فائر کئے اور پھر چھپنا کر اپنا سرک کی طرف بھاگا۔ دوسری طرف سے اپنے بھی فائر ہو رہے تھے۔ لیکن وہ گرتا پڑتا بھاگا جا رہا تھا۔ کار میں پہنچنے ہی وہ تیز

لیکن فریدی صاحب میں کرٹل تیواری کی موجودگی میں بالکل بے بس ہوں۔ ایسا جھکی آؤزی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔“

”کرٹل تیواری کی آپ فلکر نہ کریں، اس کا انتظام میں کروں گا۔ آپ جتنی جلد ہم ہو سکے ڈاکٹر شوکت سے مل کر معاملات طے کر لیجئے۔“

”آپ کرٹل تیواری کا کیا انتظام کریں گے۔“

”انتظام کرنا کیسا! وہ تو قریب ہو چکا ہے۔“ فریدی نے سگار جلا تے ہوئے کہا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”تین دن کے بعد کرٹل تیواری کا یہاں سے تباہہ ہو جائے گا۔ اوپر سے حکم آگیا ہے مجھے باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے۔ لیکن خود کرٹل تیواری کو باہمی تک اس کا علم نہیں۔ انہیں پر راستہ روکنے کے لئے کھڑا کیا گیا ہو۔ فریدی نے کار کی رفتار چھکی کر کے ہارن دینا شروع کیا تھا۔ لیکن دور و نزدیک کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ سرک زیادہ چوڑی نہ تھی۔ لہذا فریدی کو کار روک کر اترنا پڑا۔ تانگہ کنارے لگا کر وہ گاڑی کی طرف لوٹ رہا تھا کہ اسے دور جھاؤں یوں میں ایک بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔“ ڈاکٹر تو صیف نے کہا۔

”اچھا تو اب میں چلوں..... آپ کرٹل تیواری کے تباہے کی خبر سنتے ہی ڈاکٹر شوکت کو والے کامنہ دبایا جاتا ہو اور وہ گرفت سے نکلنے کے بعد پھر چیخنے لگتا ہو۔ فریدی نے جیب سے یہاں لے آئیے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت پھر کسی کو اعتراض کی بھی ممکنائش نہ رہ جائے ریو الورکال کر آواز کی طرف دوڑنا شروع کیا۔ وہ قد آدم جھاؤں سے الجھتا ہوا گرتا پڑتا جنگل گی۔ ہاں دیکھئے اس کا خیال رہے کہ میری ملاقات کا حال کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ خصوصاً نواب صاحب کے خاندان کے فرد اور اس خبطی بوڑھے پروفیسر کو اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ صاحب مجھے تو وہ بوڑھا انتہائی خبیث معلوم ہوتا ہے۔“

”میں بھی اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا....!“

”وہ آخر ہے کون۔“ فریدی نے پچھپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”میرے خیال سے وہ نواب صاحب کا کوئی عزیز ہے لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ نواب صاحب نے میرے عی سامنے اس سے پرانی کوشی کا کرایہ نامہ لکھوا یا تھا۔ بلکہ میں نے اس کو واہ کی حیثیت سے دلخت کئے تھے۔“

رفتاری سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

حیرت ناک سانحہ

شام کا اخبار شائع ہوتے ہی سارے شہر میں سننی پھیل گئی۔ اخبار والے گلی کو چوپ میں چینخت پھر رہے تھے انپکٹر فریدی کا قتل..... ایک ہفتہ کے اندر اندر آپ کے شہر میں تین قتل..... شام کا تازہ پرچہ پڑھتے۔ اخبار میں پورا واقعہ درج تھا۔

آج دو بجے دن انپکٹر فریدی کی کار پولیس ہسپتال کی کپاؤٹ میں داخل ہوئی۔ انپکٹر فریدی کار سے اترے وقت لاکھڑا کر گرد پڑے۔ کسی نے ان کے دامنے بازو اور بائیں شانے کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا تھا۔ فوراً ہی طبی امداد پہنچائی گئی لیکن فریدی صاحب جان بر نہ ہو سکے تین گھنٹے موت و حیات کی کش کمش میں بیٹلا رہ کر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ یقیناً یہ ملک و قوم کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔

انپکٹر فریدی غالباً سیتا دیوی کے قتل کے سلسلے میں تنتیش کر رہے تھے لیکن انہوں نے اپنے سرکاری روز ناچ میں کسی کی کوئی خانہ پری نہیں کی۔ چیف انپکٹر صاحب کو بھی اس بات کا علم نہیں کہ انہوں نے سراغ رسانی کا کون سا طریقہ اختیار کیا تھا۔ انہیں تک کوئی نہیں بتا سکا کہ انپکٹر فریدی آج صحیح کہاں گئے تھے۔ بظاہر ان کی کار پر جبی ہوئی گرد اور پہیوں کی حالت تالا ہے کہ انہوں نے کافی لمبا سفر کیا تھا۔

”انپکٹر فریدی کی عمر تین سال تھی۔ وہ غیر شادی شدہ تھے۔ انہوں نے دو بیٹلے اور ایک بڑی جانیداد چھوڑی ہے۔ ان کے کسی وارث کا پتہ نہیں چل سکا۔“

یہ خبر آگ کی طرح آنماقانہ سارے شہر میں پھیل گئی۔ محلہ سراغ رسانی کے دفتر میں اپنالی چی ہوئی تھی۔ انپکٹر فریدی کے دوستوں نے لاش حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں لاثا

دیکھنے لک کی اجازت نہ دی گئی اور کئی خبروں سے معلوم ہوا کہ پوٹ مارٹ کرنے پر پانچ یا چھ زخم پائے گئے ہیں۔“

یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن سرجنت حیدر نہ جانے کیوں چپ تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ انپکٹر فریدی راج روپ ٹکر گیا تھا لیکن اس نے اس کی کوئی اطلاع چیف انپکٹر کو نہ دی۔ وہ نہایت اطمینان سے پولیس اور خیریہ پولیس کی بھاگ دوڑ کا جائزہ لے رہا تھا۔

”دوسرے جاسوسوں اور بھتیرے لوگوں نے اس سے ہر طرح پوچھا لیکن اس نے ایک کو بھی کوئی تشکیل بخش جواب نہ دیا۔ کسی سے کہتا کہ انہوں نے مجھے اپنے پروگرام نہیں بتایا تھا کسی سے کہتا انہوں نے مجھ سے یہ سک تو بتایا نہیں تھا کہ انہوں نے اپنی چھٹی کی نسل کرادی ہے پھر سراغ رسانی کا پروگرام کیا بتاتے۔ کسی کو یہ جواب دیتا کہ وہ اپنی ایکیوں میں کسی سے نہ مشورہ لیتے تھے اور نہیں کر کام کرتے تھے۔

تقریباً دوں بجے رات کو ایک اچھی حیثیت کا نیپالی چوروں کی طرح چھپتا چھپا تا سرجنت گھر کے گھر سے نکلا۔ بڑی درستک یوں ہی بے معرفہ رہ کوں پر مارا مارا پھر ترا رہا پھر ایک گھٹیا سے ثراپ خانے میں گھس گیا۔ جب وہ ہاں سے نکلا تو اسکے پیوری طرح ڈگماگ رہے تھے۔ آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کثرت سے پی گیا ہو۔ وہ لاکھڑا تاہو ہائیکیوں کی طرف چل پڑا۔

”ول بھائی شاپ ہم دور جانا مانگتا ہے۔“ اس نے ایک ٹکسی ڈرائیور سے کہا۔ ”صاحب ہمیں فرصت نہیں.....!“ ٹکسی ڈرائیور نے کہا۔

”اویا بایس دے گا.....“ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پس نکالتے ہوئے کہا۔ ”نہیں..... نہیں صاحب..... مجھے فرصت نہیں۔“ ٹکسی ڈرائیور نے دوسری طرف من پھرستے ہوئے کہا۔

”اڑے لوہا را باپ..... تم بھی شالا کیا دکرے گا۔“ اس نے دس دس کے تین فوٹ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”اب چلے گا ہمارا باپ۔“

”یہی کہاں چلتا ہو گا۔“ ٹکسی ڈرائیور نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

”جاؤ ہم نہیں جانا مانگتا..... ہم تم کو تیس روپیہ خیرات دیا۔“ اس نے روٹھ کر زمین پر پڑا۔ سیتا دیوی کے قتل کے متعلق اس کی اب تک بھی رائے تھی کہ یہ کام ان کے کسی ہم ہوئے کہا۔

”ارے نہیں صاحب اٹھنے چلے..... جہاں آپ کہیں آپ کو پہنچا دوں۔ چاہے جنمز کا یہ خیال کروہ تھا اسکے لئے اسکے لئے جہاں جا رہا تھا۔ بھی وجہ تھی کہ جب کیوں نہ ہو۔“ تیکی ڈرامیور نے اس کے نئے کی حالت سے لطف اٹھاتے ہوئے فس کر کردا۔ اسے راج روپ نگر سے ڈاکٹر تو صیف کا خط ملا تو اس نے اس قبصے کے نام پر دھیان تک نہ دیا۔ ”جہنم لے چلے گا۔“ نیپالی نے اٹھ کر پر مسرت بھج میں کہا۔ ”تم بڑا اچھا ہے۔ تم“ دوسرا دن ڈاکٹر تو صیف خود اس سے مٹنے کے لئے آیا۔ اس نے نواب صاحب کے باپ ہے۔ ”تم ہمارا بھائی ہے۔“ تم ہمارا بھائی ہے۔“ تم ہمارا بھائی ہے۔“ تم ہمارا بھائی ہے۔“

ڈاکٹر شوکت کی کار راج روپ نگر کی طرف جاری تھی۔ وہ اپنے اسٹنٹ اور دو فرسوں کو ہے۔ ”تم ہمارا۔۔۔ تم ہمارا۔۔۔ تم ہمارا کیا ہے۔“ ”صاحب ہم تھہارے سب کچھ ہے بولو کہاں چلے گا۔“ تیکی ڈرامیور نے اس کا ہدایت کرایا تھا کہ وہ چار بجے تک آپریشن کا ضروری سامان لے کر راج روپ نگر پہنچ جائیں۔ اپنی گردن سے ہٹا کر ہٹتے ہوئے کہا۔

”جدھر ہم بتلانا مانگتا۔ شالا تم نہیں جاتا کہ ہم بڑا لوگ ہے۔ ہم تم کو اور بخشنیش دیکھنے نے نیلے سے نادا اقت تھے۔ ڈاکٹر شوکت کی آمد سے وہ سب حیرت میں پڑ گئے۔ خصوما

نواب صاحب کی بھیں تو آپ سے باہر ہو گئیں۔

”ڈاکٹر صاحب۔۔۔!“ وہ تو صیف سے بولیں۔ ”میں آپ کی اس حرکت کا مطلب نہیں نہ جسکی۔“ دوسرا موز پر پہنچ کر تیکی راج روپ نگر کی طرف جاری تھی۔

”محترم مجھے افسوس ہے کہ مجھے آپ سے مشورے کی ضرورت نہیں۔“ تو صیف بنے لاپرواں سے کہا۔

”کیا مطلب؟“ نواب صاحب کی بھیں نے حیرت اور غصہ کے مطبلے انداز میں کہا۔ ”ڈاکٹر شوکت انپکٹر فریدی کی موت کی خبر سن کر ششدہ رہ گیا۔ اسے حیرت تھی۔“ مطلب یہ کہ اچاک کرٹل تیواری کا تبادلہ ہو گیا ہے اور اب اس کے علاوہ کوئی اور آخریک بیک یہ کیا ہو گیا۔ لیکن وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس کی موت سیتا دیوی قتل کی تھی۔ صورت باقی نہیں رہ گئی۔“

کے سلسلے میں واقع ہوئی ہے۔ وہ بھی سمجھ رہا تھا کہ فریدی کے کسی پرانے دشمن نے اسے۔ ”کرٹل تیواری کا تبادلہ ہو گیا ہے۔“ ”ان کا خط ملاحظہ فرمائیے۔“ ڈاکٹر تو صیف نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر ان کے گھاٹ اتار دیا ہوگا۔ مکمل سراغ رسانی والوں کے لئے دشمنوں کی اچھی خاصی تعداد پیدا کرنا۔ ”کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس پیشے کے کامیاب ترین آدمیوں کی موتیں عموماً اسی طرح“ سامنے ڈال دیا۔ وہ خط پڑھنے لگیں۔ کورسیم اور نواب صاحب کی بھائی خجہ بھی جھک کر ہوتی ہیں۔“

کتے کی موت

”لیکن میں آپریشن تو ہرگز نہ ہونے دوگی۔“ بیگم صاحبہ نے خط و اپنی کرتے ہوئے کہا۔ آلات کو پینڈ بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔

”پھر سب لوگ نیچے واپس آگئے۔“

ڈاکٹر شوکت نے نواب صاحب کے خاندان والوں کو کافی اطمینان دلایا۔ ان کی تشغیل کے لئے اس نے ان لوگوں کو اپنے بے شمار خطرناک کیسوں کے حالات سناڑا لے۔ نواب صاحب کا آپریشن تو ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہ تھا۔

”پھوپھی صاحبہ آپ نہیں جانتیں۔“ بیگم صاحبہ سے سلیم نے کہا۔ ”ڈاکٹر شوکت صاحب کا انی پورے ہندوستان میں نہیں مل سکتا۔“

”میں کس قابل ہوں۔“ ڈاکٹر شوکت نے خاکسار انداز میں کہا۔ ”سب خدا کی مہربانی سے۔“

”پھوپھی صاحبہ..... میں سمجھتا ہوں کہ آپ ایک محبت کرنے والی بیمن کا دل رکھتی ہیں اور اس کا احسان ہے۔“

”ہاں یہ تو بتائیجے کہ آپریشن سے قبل کوئی دوا وغیرہ دی جائے گی۔“ کنور سلیم نے پوچھا۔

”فی الحال ایک انگلش دوں گا۔“

”اور آپریشن کب ہو گا۔“ نواب صاحب کی بیمن نے پوچھا۔

”آج ہی..... آٹھ بجے رات سے آپریشن شروع ہو جائے گا۔ چار بجے تک میرا ہوتا۔ لیکن ایسی صورت میں۔ تمیں بتاؤ چچا جان کب تک یونہی پڑے رہیں گے۔“

”کیوں صاحب کیا آپریشن کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہو سکتی؟“ نواب صاحب اسٹنٹ اور دوڑسیلیمیہاں آجائیں گی۔“

”میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔“ نواب صاحب کی بھانجی نے کہا۔

”گھرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ ”میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دوں گا۔ کیس کچھ ایسا خطرناک نہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ آپریشن

کامیاب ہو گا۔ آپ لوگ قطعی پریشان نہ ہوں۔“

”ڈاکٹر صاحب آپ اطمینان سے اپنی تیاری مکمل کیجئے۔“ کنور سلیم ہنس کر بولا۔

”تجاری عورتوں کے بس میں گھرانے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔“

نواب صاحب کی بیمن نے اسے تیز نظروں سے دیکھا اور نجمہ کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

”میرا مطلب ہے پھوپھی صاحبہ کہ کہیں ڈاکٹر صاحب آپ لوگوں کی حالت دیکھ کر

کر طھی میسر ہونے کی حیثیت سے اس کی سو فیصدی ذمہ داری مجھ پر عاید ہوتی ہے۔ کہا۔ تو اواری کی عدم موجودگی میں میں قانوناً اپنے حق کو استعمال کر سکتا ہوں۔“

”قطعی..... قطعی..... ڈاکٹر صاحب۔“ کنور سلیم نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اگر ڈاکٹر شوکت صاحب میرے پچا کو اس مہلک مرض سے نجات دلادیں تو اس سے بڑھ کر اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے کہ اب آپریشن کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔“

”سلیم.....!“ نواب صاحب کی بیمن نے گرج کر کہا۔

”لیکن ان کی صحت کی خاطر دل پر پھر رکھنا ہی پڑے گا۔“

”کنور بھیا..... آپ اتنی جلد بدل گئے۔“ نجمہ نے کہا۔

”کیا کروں نجمہ..... اگر کرنل تو اواری موجود ہوتے تو میں کبھی آپریشن کے لئے تاریخ میرا ہوتا۔ لیکن ایسی صورت میں۔ تمیں بتاؤ چچا جان کب تک یونہی پڑے رہیں گے۔“

”کیوں صاحب کیا آپریشن کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہو سکتی؟“ نواب صاحب اسٹنٹ اور دوڑسیلیمیہاں آجائیں گی۔“

”بیمن نے ڈاکٹر شوکت سے پوچھا۔

”یہ تو میں سریعنی کو دیکھنے کے بعد ہی بتا سکتا ہوں۔“ ڈاکٹر شوکت نے مسکرا کر کہا۔

”ہاں ہاں ممکن ہے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے۔“ ڈاکٹر تو صیف نے کہا۔

نواب صاحب جس کمرے میں تھے وہ اپری منزل میں واقع تھا۔ سب لوگ نہ صاحب کے کمرے میں آئے۔ وہ کمبل اوڑھے چت لیٹے ہوئے تھے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے

”تجاری عورتوں کے بس میں گھرانے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔“

گھری نیند میں ہوں۔

ڈاکٹر شوکت اپنے آلات کی مدد سے ان کا معائنہ کرتا رہا۔

”مجھے افسوس ہے بیگم صاحبہ کہ آپریشن کے بغیر کام نہ چلے گا۔“ ڈاکٹر شوکت نے۔

بدول نہ ہو جائیں۔ اب پچا جان کو اچھا ہی ہو جانا چاہئے۔ کوئی حد ہے اخبارہ دن ہو گئے ابھی تک بے ہوشی زائل نہیں ہوئی۔

”ڈاکٹر شوکت کی کار خراب ہو گئی۔ کنور صاحب کار کے لئے گئے ہیں۔“ ڈاکٹر تو صیف نے ان سے کہا۔

”اوہ..... کار تو میں نے ہی شہر تھیج دی ہے اور بھائی جان والی کار عرصہ سے خراب ہے۔“

”اچھا تو پھر آئیے ڈاکٹر صاحب ہم لوگ پیدل ہی چلیں..... صرف ڈیڑھ میل تو چنانہ ہیں!“ بیگم صاحبہ نے منہ بنا کر کہا۔

”غیر..... غیر!“ فیلی ڈاکٹر تو صیف نے کہا۔ ”اہن تو ڈاکٹر شوکت میرے خیال ہے۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”ڈاکٹر تو صیف! مجھے آپ سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔“ نواب صاحب کی بین نے کہا۔

ڈاکٹر شوکت، ڈاکٹر تو صیف اور کنور سیم بالائی منزل پر مریض کے کمرے میں چلے گئے۔ ”اگر آپ لوگ شام تک بینیں تھیں تو کیا مضاائقہ ہے۔“

اور دنوں مان بیٹیاں ہال ہی میں رک کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگیں۔ نجہ کچھ کہہ رہی تھی۔ ”بات دراصل یہ ہے کہ مجھے چند ضروری تیاریاں کرنی ہیں۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

اور نواب صاحب کی بین کے ماتھے پر ٹکنیں ابھر رہی تھیں۔ انہوں نے دو تین بار زینے کی ”ڈاکٹر صاحب کو آپ روک لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“

”آپ کچھ خیال نہ کیجئے!“ بیگم صاحبہ بولیں۔ ”اگر کار شام تک واپس آگئی تو میں طرف دیکھا اور باہر نکل گئیں۔“

انجشن سے فارغ ہو کر ڈاکٹر شوکت، کنور سیم اور ڈاکٹر تو صیف کے ہمراہ باہر آیا۔

”شام کو تو میں ہر صورت میں پیدل ہی آؤں گا۔ کیونکہ آپ یہ کے وقت میں کافی چاق“

”اچھا کنور صاحب اب ہم لوگ چلیں گے۔ چار بجے تک نہیں اور میرا استنشت آپ“

کے بیہاں آجائیں گے اور میں بھی ٹھیک چھ بجے بیہاں بیٹھنے جاؤں گا۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ ”چوبندر بنا چاہتا ہوں۔“ شوکت نے کہا اور قبیلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ راہ میں کنور سیم ملا۔

”مجھے افسوس ہے ڈاکٹر کہ اس وقت کار موجود نہیں۔ آپ بینیں رہئے آخر اس میں حرجنے تو میں قیام کیجئے نا.....!“ سیم نے کہا۔

”نہیں..... ڈاکٹر تو صیف کے بیہاں ٹھیک رہے گا اور پھر قبیلے میں مجھے کچھ کام بھی ہے۔ علا گیا ہے۔“

”ہم لوگ چھ بجے تک یقیناً آجائیں گے۔“

”اچھا تو چلے میں آپ کو چھوڑ آؤں۔“

”نہیں..... شکریہ..... راستہ میرا دیکھا ہوا ہے۔“

ڈاکٹر شوکت جیسے ہی پرانی کوٹھی کے قریب پہنچا اسے ایک عجیب قسم کا وحشیانہ قہقهہ سنائی

”مکرمت کیجئے..... میں اپنی گاڑی نکال کر لاتا ہوں۔“ کنور سیم نے کہا اور لے لے ڈال۔

”یلوویلوو!“ بوزھا پر فیر عران تھیجے لگتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

بھرتا ہوا کیراج کی طرف چلا گیا۔ جو پرانی کوٹھی کے قریب واقع تھا۔

”تھوڑی دیر بعد نواب صاحب کی بین آگئیں۔“

”میں خود بھی سوچ رہا ہوں۔ بظاہر کوئی زخم بھی نہیں نظر آیا۔“
”جنت حیرت ہے.....!“

”ذکر شوکت کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔ وہ اسکے بیجوں کا معانی کرنے لگا۔
”اوہ.....!“ اس کے منہ سے حیرت کی جیخ نکلی اور اس نے کتنے کے پنج میں چبھی ہوئی

”مجھے شوکت کہتے ہیں.....!“ شوکت نے بادل خواستہ ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ لیکن اگر امونی کی ایک سوئی کھیج لی اور حیرت سے اسے دیر تک دیکھتا رہا۔

”دیکھنے محترمہ غالباً یہ زہر میں سوئی ہی آپ کے کتنے کی موت کا سبب ہی ہے۔“

”سوئی.....!“ مجھے نے چونکر کہا۔ ”گرامونی کی سوئی..... کیا مطلب.....!“

”مطلوب تو میں بھی نہیں سمجھا لیکن یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ سوئی خطرناک حد تک
ذکر شوکت تحریر کھڑا تھا۔“ فتحا قریب کی جھاڑیوں سے ایک بڑا سا کتا اس پر جملا۔

”ذکر شوکت گھبرا کر کنی قدم چیچھے ہٹ گیا۔ کتنے جست لگائی اور ایک بھی انک جیخ کے نہاد زہر میں ہے۔ مجھے اعتمانی افسوس ہے کہا بہت عمدہ تھا۔“

”لیکن یہ سوئی یہاں کیسے آئی؟“ وہ پلکنس جھپکاتی ہوئی بولی۔

”کسی سے گرفتی ہوگی۔“

”عجیب بات ہے۔“

”ارے یہ میرے کتنے کو کیا ہوا..... نائیگر نائیگر.....!“ ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ شوکت نے وہ سوئی احتیاط سے تھرا میٹر رکھنے والی نالی میں رکھ لی اور بولا ”یہ ایک

شوکت چونکر پڑا۔ سامنے نواب صاحب کی بھائیجی نجمر کھڑی تھی۔
”لچک چیز ہے۔ میں اس کا کیماوی تجربہ کروں گا۔ آپ کے کتنے کی موت پر ایک بار پھر
انہار افسوس کرتا ہوں۔“

”میں نے اس کے غرانے کی آواز سنی تھی۔ کیا یہ آپ پر جھپٹا تھا لیکن اس کی سزا موت
نہ ہو سکتی تھی۔“ وہ تیز لمحے میں بولی۔

”یقین فرمائے محترمہ مجھے خود حیرت ہے کہ اسے یک بیک ہو کیا گیا..... آگر آپ کو“

”ہونے والی بات تھی..... افسوس تو ہوتا ہے مگر اب ہوئی کیا سکتا ہے۔ مگر ایک بات
میری کجھ میں نہیں آتی کہ سوئی یہاں آئی کیسے۔“

”میں خود بھی سوچ رہا ہوں۔“ ذکر شوکت نے کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ یہ سوئی اس بھی بوڑھے کی ہو۔ اس کے پاس عجیب و غریب چیزیں

ڈاکٹر شوکت رک گیا۔ اسے محosoں ہوا جیسے اسکے جسم کے سارے روئیں کھڑے ہوئے
ہوں۔ اتنی خوفناک شکل کا آدمی آج تک اس کی نظر وہ سے نہ گذر رہا۔

”مجھ سے ملنے..... میں پروفیسر عمران ہوں۔“ اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا رہا
ہوئے کہا۔ ”اور آپ.....!“

”مجھے شوکت کہتے ہیں.....!“ شوکت نے بادل خواستہ ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ لیکن اگر امونی

نے محosoں کیا کہ ہاتھ ملاتے وقت بوزھا کچھ سوت پڑ گیا تھا۔ بوزھے نے فوراً اسی اپنا ہاتھ کو
لیا اور قیقدہ لگاتا، اچھلا کو دتا پھر پرانی کوشی میں واپس چلا گیا۔

”ذکر شوکت تحریر کھڑا تھا۔“ فتحا قریب کی جھاڑیوں سے ایک بڑا سا کتا اس پر جملا۔

”ذکر شوکت گھبرا کر کنی قدم چیچھے ہٹ گیا۔ کتنے جست لگائی اور ایک بھی انک جیخ کے نہاد زہر میں ہے۔ مجھے اعتمانی افسوس ہے کہا بہت عمدہ تھا۔“

”لیکن پڑا۔ چند سینٹر تک وہ ترپا اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا۔“

”ذکر شوکت کو کچھ سوچنے کی بھنخنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اس کے بعد کچھ بھجھی میں نہ آ رہا تھا کہ وہ
کرے۔“

”مجھے خود حیرت ہے۔“ شوکت نے کہا۔

”اوہ.....!“ ذکر میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ میں اس کتنے کو بہت عزیز رکھتی تھی۔“ اس

نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

”یقین فرمائے محترمہ مجھے خود حیرت ہے کہ اسے یک بیک ہو کیا گیا..... آگر آپ کو“

”پرشہر ہے تو بھلا بتائیے میں نے اسے کیونکر مارا.....؟“

”مجھ کتنے کی لاش پر جھکی اسے پکار رکھتی تھی۔ نائیگر نائیگر.....!“

”بے سود ہے محترمہ یہ ٹھٹھا ہو چکا ہے۔“ شوکت کتنے کی لاش کو ہلاتے ہوئے بولا۔

”آخرا سے ہو کیا گیا۔“ مجھ نے خوفزدہ انداز میں پوچھا۔

ہیں..... منحوس کہیں کا۔"

"کیا آپ انہیں صاحب کے بارے میں تو نہیں کہہ رہی ہیں جو ابھی اس کوشی سے برا بات کرنا اس کے لئے نہیں بات نہ تھی۔ وہ قریب قریب دن بھر نہ سوں میں گمراہ رہتا تھا اور پھر تھے۔"

"جی ہاں..... وہی ہو گا.....!" نجمہ نے جواب دیا۔

"یہ کون صاحب ہیں۔ بہت سی عجیب و غریب آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" ڈاکٹر شوکر ڈاکٹر تو صیف کے گھر پہنچتے ہی وہ سب کچھ بھول گیا کیونکہ اب وہ آپریشن کی سیکم مرتب نے کہا۔ کر رہا تھا۔ وہ ایک زندگی بچانے جا رہا تھا۔۔۔ ایک ماہر فن کی طرح اس کا دل مطمئن تھا۔۔۔

"یہ ہمارا کرایہ دار ہے۔ پروفیسر عمران۔۔۔ لوگ کہتے ہیں کہ ماہر فلکیات ہے۔۔۔ مگر اسے اپنی کامیابی کا اسی طرح یقین تھا جس طرح اس کا کہ وہ گیارہ بجے کھانا کھائے گا۔" یقین نہیں آتا۔ وہ دیکھتے اس نے مینار پر ایک دور میں بھی لگا رکھی ہے۔" تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ڈاکٹر تو صیف بھی نواب صاحب کی کار پر آگیا۔

"پروفیسر عمران۔۔۔ ماہر فلکیات۔۔۔ یہ بہت مشہور آدمی ہیں۔ میں نے ان کی کئی کتابیں" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"اُنکی تو کوئی بات نہیں، البتہ کتنے کی موت سے ہر شخص حیرت زد ہے۔۔۔ لائیے دیکھوں پڑھی ہیں۔ اگر وقت ملا تو میں ان سے ضرور ملوں گا۔"

"کیا کچھ گامل کر۔۔۔ دیوانہ ہے۔ وہ ہوش ہی میں کب رہتا ہے۔ وہ جانور سے گز تو ہو سوئی۔" ڈاکٹر تو صیف نے سوئی لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

بدتر ہے۔" نجمہ نے کہا۔ "خبر ہٹائیے ان باتوں کو۔۔۔ ڈاکٹر صاحب آپریشن میں کوئی خطرہ تو نہیں؟" "یہ دیکھئے۔۔۔ بڑی عجیب بات ہے۔۔۔ معلوم نہیں سوئی کس زہر میں بھائی گئی ہے۔"

"جی نہیں آپ مطمئن رہئے۔۔۔ انشاء اللہ کوئی گڑ بڑھنے ہونے پائے گی۔" ڈاکٹر شوکن ڈاکٹر شوکت تھر مائیٹر کی ٹکلی سے سوئی نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

نے کہا۔ "اچھا باب میں چلوں۔ مجھے آپریشن کی تیاری کرنا ہے۔"

ڈاکٹر شوکت قبے کی طرف چل پڑا۔ ایک شخص کھائیوں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس

"معلوم نہیں کس زہر میں بھائی گئی ہے۔"

تعاقب کر رہا تھا۔

"تمہرے خیال میں پوتا شیم سایانا نیڈ یا اس قبیل کا کوئی اور زہر ہے، ڈاکٹر شوکت نے سوئی کو لے کر پھر تھر مائیٹر کی ٹکلی میں رکھتے ہوئے کہا۔"

"محض تو یہ سوئی خبیث پروفیسر کی معلوم ہوتی ہے۔" ڈاکٹر تو صیف نے کہا۔

"اس کی عجیب و غریب چیزیں اور حرکتیں درستک مشہور ہیں۔"

راستے بھر شوکت کا ذہن سوئی اور کتنے کی موت میں الجھا رہا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ظلٹکنے کی خصیت کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے تو میں یہ جانتا ہوں کہ وہ بھی اس کے دل میں کچھ کو کے لگا رہی تھی جو نجمہ سے گفتگو کرنے کے بعد پیدا ہو گئی تھی۔ اس

بال بال بچ

”بات دراصل یہ ہے ڈاکٹر صاحب کہ آپ پیش ذرا تازک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ

ایک مشہور ماہر فلکیات ہے۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”اس کی زندگی ابھی تک پر پڑہ راز میں ہے۔“ ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ ”لیکن اتنا میں آپ پیش سے قبل اتنی ورزش ہو جائے جس سے جسم میں جستی پیدا ہو سکے۔“

جاننا ہوں کہ اب سے دوسال پیشتر وہ ایک صحیح الدماغ آدمی تھا۔ اس کے بعد اچانک اس اسی ڈاکٹر شوکت میں آپ کی تعریف کے بغیر نہیں رہ سکا۔ درحقیقت ایک اچھے ڈاکٹر کو ایسا عادات و اطوار میں تبدیلیاں ہونی شروع ہو گئیں اور اب تو سمجھی کا یہ خیال ہے کہ اس کارما ہی ہوتا چاہئے۔“

ڈاکٹر توصیف کے چلے جانے کے بعد ڈاکٹر شوکت نے یہے بعد دیگرے وہ کتابیں خراب ہو گیا ہے۔“

”میں نے تو صاحب اتنا بھی انک آدمی آج تک نہیں دیکھا۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ پڑھنا شروع کیں جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ ایک کانڈر پر پیش سے کچھ ڈائے گرام بنائے اور دریہ تھوڑی دریسک خاموشی رعنی اس کے بعد ڈاکٹر توصیف بولا۔ ”ہاں تو آپ کا کیا پروگرام میں انہیں دیکھتا رہا۔ پرانے ریکارڈوں کے کچھ قائل دیکھے۔ انہی مشغولیات میں دن ختم ہو گیا۔

ترقبہ بائی پانچ بجے اس نے کتابیں اور فائل ایک طرف رکھ دیئے۔ اسے ٹھیک چھ بجے بھاں سے کھانے کے دوران آپ پیش اور دوسرے موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ اچانک ڈا جانہ روانہ ہوتا تھا۔ دبکر کا مہینہ تھا۔ شام کی کرنوں کی زردی پھیکی پھیکی سرخی میں تبدیل ہوتی ہوتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر توصیف کا نو کراٹھے کی سینٹروج اور کافی لے آیا۔ رات کا کھانا سیم کی درخواست شوکت کو کچھ یاد آگیا۔

”ڈاکٹر صاحب میں جلدی میں اپنے استئنت کو کچھ ضروری بہایات دینا بھول!“ کے مطابق اسے کوئی میں کھانا تھا۔ اس لئے اس نے صرف ایک سینٹروج کھائی اور ڈوکپ کافی ہوں.... اگر آپ کوئی ایسا انتظام کر سکیں کہ میرا رقمہ اس نکل پہنچا دیا جائے تو بہت اچھا ہے۔ کھڑی نے چھ بجاءے۔ اس نے کپڑے پہنے اور جھپڑ کا نہ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”چلنے اب دو کام ہو جائیں گے۔“ ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ ”میں دراصل شہر ہیجا۔ سڑک کے دونوں طرف گھنی جھاڑیاں اور درختوں کی ظفاریں تھیں جن کی وجہ سے سڑک خصوما کے لئے نواب صاحب کی کار لایا تھا۔ آپ رقدے دیجئے گا اور ہاں کیوں نہ آپ۔ اور زیادہ تاریک ہو گئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر شوکت آپ پیش کے خیال میں مگن بے خوف چلا جا رہا تھا۔ اس سے ترقی بائی پچاس گز پیچھے ایک دوسرا آدمی جھاڑیوں سے لگا ہوا جل رہا تھا۔ شاید اس نے ساتھیوں کو اپنے ساتھ لیتا آؤں۔“

”اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے۔“

”اس رنقے کے علاوہ کوئی اور کام.....؟“

”جی نہیں شکریہ۔ میرے خیال سے آپ ان لوگوں کو اسی طرف سے کوئی لیتے جائیں! جھاڑیوں کی اوٹ میں چلا گیا۔ جیسے ہی شوکت نے چلانا شروع کیا وہ پھر جھاڑیوں سے نکل کر

ایک طرح اس کا تعاقب کرنے لگا۔“

”سڑک زیادہ پلٹی ہوئی نہ تھی۔ وجہ یہ تھی یہ سڑک محنت کوئی کے لئے بلکی تھی۔ اگر نواب صاحب نے اپنی کوئی بستی کے باہر نہ بخواہی ہوتی تو پھر اس سڑک کا وجود بھی نہ ہوتا۔“

”بہتر ہے۔۔۔ چھ بجے آپ کے لئے کار بجھوادی جائے گی۔“

”نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ میں پیدل ہی آؤں گا۔“

”کیوں.....؟“

شوکت کے دزفی جوتوں کی آواز اس سمنان سرک پر اس طرح گونج رہی تھی جیسے وہ جہاڑاں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جہاڑاں میں دبک کر میں میں رسیں رسیں کرنے والے جھینگروں کو ڈانت رہی ہو..... شوکت چلتے چلتے پڑا اس کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اجنبی جلدی سے جہاڑاں کے پیچھے چھپ گیا۔

سرروں میں سیئی بجائنا لگا۔ اسے اپنے جوتوں کی آواز سیئی کی دھن پر تال دیتی معلوم ہو رہی تھی۔ کسی درخت پر ایک بڑے پرندے نے چونک کر اپنے پر پھر پھرائے اور اڑ کر درہ طرف دیکھنے لگا۔ آہستہ آہستہ کچھ دیر قبیل کے واقعات اس کے ذہن میں گونج اٹھے بے اختیار اس کا ہاتھ گردن کی طرف گیا۔ لیکن اب وہاں رسی کا پہندا نہ تھا۔ البتہ گردن بڑی بُری طرف چلا گیا۔ جہاڑاں کے پیچھے قریب ہی گیدڑوں نے چیخنا شروع کر دیا۔ جو شخص ڈالا شوکت کا پیچھا کر رہا تھا اس کا اب کہیں پتہ نہ تھا۔ کچھ آگے بڑھ کر بہت زیادہ گھنے درختوں، طرح دکھ رہی تھی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ کس طرح ٹھیک گیا۔ اب اسے فریدی مرحوم کے سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں پر دونوں طرف کے درختوں کی شخص آپس میں مل کر اس طرز الفاظ بُری طرح یاد آ رہے تھے اور ساتھ ہی سینتا دیوی کی خواب کی بڑی بڑی یاد آگئی گنجان ہو گئی تھیں کہ آسان نہیں دکھائی دیتا تھا۔ ڈاکٹر شوکت دینا، مانیہا سے بے خبر اپنی دُم تھی۔ ”راج روپ گُنر“ اس کے سارے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا اپیسہ چھوٹ پڑا۔ وہ سوچنے لگا وہ بھی میں چلا جا رہا تھا۔ اچانک اس کے منڈ سے ایک چیخ نکلی اور ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ اس کے لئے کتنا احتیح تھا کہ اس نے فریدی کے الفاظ بھلا دیئے اور خوفناک جگہ پر اندر ہری رات میں تھا چلا میں ایک موٹی رسی کا پہندا پڑا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ پہنندے کی گرفت نکل ہوتی گئی اور آیا۔ اس کی جان لینے کی یہ دوسرا کوشش تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس نیپالی کا نقشہ پھر ساتھ ہی ساتھ وہ اوپر اٹھنے لگا۔ گلے کی رگیں پھول رہی تھیں۔ آنکھیں طقوں سے الٹا پر لڑا گیا جس نے اسے ڈکھی دی تھی۔ پھر اچانک وہ زہر لی سوئی یاد آئی اور پروفیسر کا بھیانک چہرہ تھیں۔ اس نے چیخنا چاہا لیکن آواز نہ نکلی۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا دل کنپیوں اور جو اس نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور تمیک اسی جگہ کتابی اچھل کر گرا تھا۔ آنکھوں میں دھڑک رہا ہو۔ آہستہ آہستہ اسے تاریکی گھری ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ جھینگروں تو کیا پروفیسر لیکن آخر کیوں؟ یہ سب سوچنے سوچنے اسے اپنی موجودہ حالت کا اور گیدڑوں کا شور دوڑ خلا میں ڈوٹا جا رہا تھا۔ پھر بالکل خاموشی چھا گئی۔ وہ زمین سے دوٹ کا خیال آیا اور وہ کثیرے جہاڑا تھا، وہا کھڑا ہو گیا۔ چھتر قریب ہی پڑا تھا۔ اس نے جلدی سے چھڑا خانا بلندی پر جھوٹ رہا تھا۔ کوئی اسی درخت پر سے کوئی جہاڑا یوں میں غائب ہو گیا۔ پھر ایک آٹا کر کدھے پڑا اور تیزی سے کوئی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ گھری میں وقت اس کی طرف دوڑ کر آتا دکھائی دیا۔ اس کے قریب پہنچ کر اس نے ہاتھ ملتے ہوئے اصرار دیکھا۔ دوسرے لمحے میں وہ پھرتی سے درخت پر چڑھ رہا تھا۔ ایک شاخ سے دوسرا شاخ کو دوتا ہوا وہ اس شاخ پر پہنچ گیا جس سے رسی بندگی ہوتی تھی۔ اس نے رسی ڈھنی کر کے آہن کا وعدہ کیا تھا لیکن اب آٹھنچھ رہے تھے۔

”شوکت بہت ہی باصول آدمی معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے کیا بات ہے۔“ ڈاکٹر توفیق نے باغ میں شمعتے ہوئے کہا۔

نجس بار بار اپنی کلامی پر بندگی ہوئی گھری دیکھ رہی تھی۔ ”کیا بات ہو سکتی ہے۔“ کنور سلیم نے بجھوں کے بل کھڑے ہوتے ہوئے پیشانی پر

آہستہ ڈاکٹر شوکت کے پیر زمین پر لٹا دیئے پھر رسی کو اسی طرح باندھ کر پیچے اتر آیا۔ اب الہ نے جب سے چاٹو نکال کر رسی کاٹی اور شوکت کو ہاتھوں پر سنبھالے ہوئے سرک پر لٹا دیا۔ پہنچنا ڈھیلا ہوتے ہی بے ہوش ڈاکٹر گھری گھری سانسیں لے رہا تھا۔ پراسرار اجنبی نے سلالی جلا کر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ آنکھوں کے پوٹوں میں جنتش پیدا ہو چکی تھی۔

ہاتھ رکھ کر انہیمے میں گھوڑتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ دیر میں گھر سے روانہ ہوا۔ میں تو کہہ رہا تھا کہ کار بھجوادوں گار لیکن اس نے کہا کہ میں پیدل ہی آؤں گا۔ آس یہ کون آرہا ہے..... ہلو..... ڈاکٹر..... بھمی انتظار کرتے کرتے آنکھیں پھرا گئیں۔“

ڈاکٹر شوکت برآمدے میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ راستہ بھرا پنے چہرے سے پریشانی کے انتظار مٹانے کی کوشش کرتا آیا تھا۔

”مجھے افسوس ہے۔“ ڈاکٹر شوکت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اپنی حماقات کی وجہ سے چڑھے وقت ٹارچ لانا بھول گیا۔..... نتیجہ یہ ہوا کہ راستہ بھول گیا۔“

”لیکن آپ کے سر میں یہ اتنے سارے تنکے کھاں سے آگئے..... جی وہاں نہیں۔ پچھے کی طرف.....!“ مجھے نے مسکرا کر کہا۔

”نہیں نہیں..... بتائیے نا۔ آخربات کیا ہے؟“ کورسیم نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اے وہ تو ایک پاگل کتا تھا..... راہ میں اس نے مجھے دوڑایا۔ انہیمہ را کافی تھا..... میں ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ وہ تو کہنے ایک راہگیر ادھر آکلا اور نہ.....!“

”آج کل دسمبر میں پاگل کتا۔“ مجھے نے حیرت سے کہا۔ ”کے تو عموماً مگر میوں میں پاگل ہوتے ہیں۔“

”نہیں..... یہ ضروری نہیں۔“ کورسیم نے جواب دیا۔ ”اکثر سردیوں میں بھی بعض کتوں کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ خیر..... آپ خوش قسم تھے ڈاکٹر شوکت..... پاگل کتوں ازہر بہت خطرناک ہوتا ہے۔ آپ تو جانتے ہی ہوں گے۔“

”ہاں بھی ڈاکٹر..... وہ آپ کے آدمیوں نے بیمار کے کمرے میں ساری تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔“

”وہ لوگ اس وقت وہیں ہیں.....!“ ڈاکٹر صیف نے کہا۔

”آپ کے انتظار میں شاید ان لوگوں نے بھی ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔“ مجھے بولی۔

”میرا انتظار آپ لوگوں نے ناچ کیا۔ میں آپریشن سے قبل تھوڑا سا سوپ پیتا ہوں۔ کھانا کھائیں کے بعد دماغ کسی کام کا نہیں رہ جاتا.....!“

”جی ہاں! میں نے بھی اکثر کتابوں میں بھی پڑھا ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے کہ دنیا کے بڑے آدمی نے یہ ضرور کہا ہو گا۔“ مجھے نے شوخی سے کہا۔ ڈاکٹر شوکت نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ مجھے سے نگاہیں ملتے ہی وہ زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

”غیر صاحب..... وہ کچھ کی میں تو دن بھر میں پانچ سیر سے کم نہیں کھاتا۔“ کورسیم نے ہنس کر کہا۔ ”کھانا دیر سے غفتر ہے۔ ہر تدرست آدمی کا فرض ہے کہ اسے انتظار کی زحمت سے بچائے۔“

سب لوگ کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔

پرانی کوٹھی کے باہر

پرانی کوٹھی کے پائیں باغ میں پروفیسر عمران کسی سے ٹھنڈو کر رہا تھا۔ کبھی کبھی دنوں کی آوازیں بلند ہو کر خلاء میں ڈوب جاتیں۔

پروفیسر کہہ رہا تھا۔ ”لیکن میں نہیں جاؤں گا۔“

”تو اس میں گزرنے کی کیا بات ہے میری جان۔“ دوسری آواز سنائی دی۔ ”نہ جانے میں تمہارا ہی نقشان ہے؟“

”میرا نقشان.....!“ پروفیسر کی آواز آئی۔ ”یونان اور روم کے دیوتاؤں کی قسم ہرگز نہ جاؤں گا۔“

”تمہیں چلتا پڑے گا۔“ کسی نے کہا۔

”سنوا سے باقاعدہ کے بچے..... تم میں اتنی ہمت نہیں کہ مجھے میری مرضی کے خلاف کہن لے جاسکو۔“ پروفیسر چینا۔

”خیر نہ جاؤ لیکن تمہیں اس کے لئے بچھتا پڑے گا۔ دیکھنا ہے کہ تمہیں کل سے غیر کیسے ملا ہے۔“ دوسرے آدمی نے کہا اور باغ سے نکلے گا۔

”ٹھہر و..... ٹھہر و..... تو ایسے بات کرونا۔ تم نے پہلے ہی کیوں نہیں بتایا کہ تم بیر بھوٹی کے بچے ہو۔“ پروفیسر بھیں کہ بولا۔

”بیر بھوٹی..... ہاں بیر بھوٹی..... مگر اس کے لئے تمہیں میرے ساتھ مالی کے جھونپڑے تک چلانا ہوگا۔“

”اچھا تو آؤ پھر چلیں۔“ پروفیسر نے کہا اور دونوں مالی کے جھونپڑے کی طرف چل پڑے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد پروفیسر لنگڑا اتا ہوا مالی کے جھونپڑے سے باہر نکلا۔ وہ اکیلا تھا اور اس کے کانہ سے پر ایک وزنی گھٹڑی تھی۔ ایک جگہ رک کر اس نے ادھر ادھر دیکھا، پھر مالی کے جھونپڑے کی طرف گھونڈناں کر کر کہنے لگا۔

”اب تو نے مجھے سمجھا کیا ہے۔ میں تجھے کتے کا گوشت کھلادوں گا۔ چھپوندر کی اولاد ہوئے تھے۔“

ڈاکٹر شوکت کچھ دیر قلیل پیش آئے ہوئے حادثے کو قلعی بھلا چکا تھا۔ اب اس کا دھیان میں وہ ہوں جس نے سکندر عظیم کا مرغ اچایا تھا۔ چگاڑوں مجھے سلام کرنے آتے ہیں۔ میں اجھی طرح جانتا ہوں کہ تو اپنے دادا کا نظم ہے۔ چلا ہے وہاں سے کھیاں مارنے..... بڑا آیا کہیں کا تیس مارخاں۔ تیس مارخاں کی ایسی کی تیسی..... نہیں جانتا کہ میں بھوتوں کا سردار ہوں۔ آؤ ابے غرفوں اسے کھا جاؤ۔ آؤ اسے ارسلانوں اسے چبا جاؤ۔ چیلوں کی حرافہ نانی اشقلو نیا تو کہاں ہے۔ دیکھ میں ناج رہا ہوں۔ میں تیرا بھیجا ہوں..... آ جا پیاری.....!“ یہ کہہ کر پروفیسر نے وہیں پر ناچتا شروع کر دیا۔ پھر وہ سینہ پر ہاتھ مار کر کہنے لگا۔ ”میں اس آگ کا پیاری ہوں

جو مریخ میں جل رہی ہے۔ ہزار ہا سال سے میں اس کی پوچا کرتا آ رہا ہوں۔ میں پانچ ہزار سال سے انتظار کر رہا ہوں لیکن ستارہ کبھی نہ ٹوٹے گا۔ اے کہ میں نے تیرے لئے خرگوش پالے۔ اے کہ میں تجھے گلہر ہوں کے کباب کھلاتا ہوں..... میں تیلوں کے پروں سے سگریت بنا کر تجھے پلاتا ہوں۔ اے پیارے الہم تو کہاں ہے۔ میں تجھے اپنا کان کاٹ کر کھلادوں گا.....!“ وہ اور نہ جانے کیا بڑوں اتنا چھلتا کو دتا ہوا پرانی کوئی کے باعث میں غائب ہو گیا۔

طرح سکون واطیناں کے ساتھ اپنی تیاریوں میں مصروف ہے۔ ایسے موقعوں پر اتنا اطمینان از اس نے اچھے اچھی معمر اور تجربہ کار ڈاکٹروں کے چیزوں پر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ دل عذیل میں اس کی تعریض کر رہا تھا۔

باہر برآمدے میں فواب صاحب کی بہن اور بخوبی بیٹھی تھیں۔ دونوں پریشان نظر آرئی تھیں۔ کوئی سیم ٹہل ٹہل کر سگریٹ پی رہا تھا۔

”می کیا وہ کامیاب ہو جائے گا۔“ بخوبی نے بتایی سے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور ہوئے کہا۔“ کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن کتنی دریگے گی.....؟“

”پریشان مت ہوئی۔“ بیگم صاحبہ بولیں۔ ”میرا خیال ہے کہ کافی عرصہ لگے گا۔ مگر جلد از جلد طبعی المداد کی ضرورت پیش آئے گی۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ اس نوجوان ڈاکٹر کی کامیابی پر اس قدر یقین رکھتے ہیں۔ وہ کس قدر سنجیدہ اور مطمئن ہے۔“

”کافی کا کے ہوش ہے پھوپھی صاحب۔“ سیم کیا آج تم کافی نہ پوچھے۔“

”کافی کا کے ہوش ہے پھوپھی صاحب۔“ سیم نے سگریٹ کو برآمدے میں بچھے ہوا قالین پر گرا کر پیر سے رگڑتے ہوئے کہا۔ ”میں بخوبی سے زیادہ پریشان ہوں۔ مجھے تعجب ہے کہ آپ ایسے وقت میں بھی کافی نہیں بھولیں۔“

”تم ساری قالینوں کا ستیا ناس کر دو گے۔“ بیگم صاحبہ نے تاک بھوس سکوڑ کر کہا۔ ”اے سگریٹ کو دوسرا طرف نہیں پہنیں سکتے۔“

”جہنم میں گئی قالین.....!“ وہ ناخنگوار لمحے میں بولا۔ ”میرا دماغ اس وقت ٹھیک نہیں۔“

”عورت نہ ہو۔“ بیگم صاحبہ نے طزیہ لمحے میں کہا۔ ”ابھی کتنی دریگی بات ہے کہ میری خالقت کے باوجود بھی آپریشن کی حمایت کر رہے تھے۔ اپنی حالت کو سنبھالو۔ تمہیں تو لوگوں کو دلاسا دینا چاہئے۔“

”میں کوشش کرتا ہوں کہ خود کو سنبھالوں لیکن یہ ممکن نہیں۔ مجھے کرنی تیواری کے لفاظ آرہے ہیں جس نے کہا تھا کہ بچنے کی امید نہیں۔ آخر احتق لٹا کا کس امید پر آپریشن کر رہا۔“

”میرا مطلب یہ ہے کہ وہ خطرے کو جلد سے جلد قریب لانے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”دنیں کنور صاحب....!“ ڈاکٹر تو صیف نے بیمار کے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

”مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ وہ جلد سے جلد فواب صاحب کو خطرات سے دور کر لے گا۔“

”میں آپکا مطلب نہیں سمجھا۔“ سیم اسکی طرف گھوم کر بولا۔ ”کیا آپریشن شروع ہو گیا۔“

”دنیں.....ابھی وہ لوگ تیاری کر رہے ہیں اور میرا دہاں کوئی کام بھی نہیں۔ میں اس لئے یہاں چلا آیا کہ میں یہاں زیادہ کار آمد ثابت ہو سکوں گا۔“ ڈاکٹر تو صیف نے مسکراتے

لئے کہا۔

”آپ بہت اچھے ہیں ڈاکٹر.....میں تو کافی ضبط و تحمل والی ہیں لیکن شاید مجھے اور سیم کو جلد از جلد طبعی المداد کی ضرورت پیش آئے گی۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ اس نوجوان ڈاکٹر کی کامیابی پر اس قدر یقین رکھتے ہیں۔ وہ کس قدر سنجیدہ اور مطمئن ہے۔“

”اور ساتھ ہی ساتھ کافی خوبصورت بھی۔“ سیم نے کسی قدر تبلیغی سے کہا۔

”تم کیا بک رہے ہو سیم۔“ بیگم صاحبہ تیزی سے بولیں اور بخوبی نے شرم کر سر جھکالایا۔

”معاف کیجئے گا پھوپھی صاحبہ میں بہت پریشان ہوں۔“ سیم یہ کہد کر ٹہلٹا ہوا برآمدے کے دوسرے کنارے تک چلا گیا۔

”کنور صاحب میرے خیال سے بھلی کا انتظام بالکل ٹھیک ہو گا۔ شاید ڈائنا موکی دیکھ بھال آپ ہی کرتے ہیں۔“ ڈاکٹر تو صیف نے کہا۔

”می ہاں.....کیوں.....ڈائنا مو بالکل ٹھیک چل رہا ہے لیکن اسکے پوچھنے کا مطلب.....!“ سیم نے ڈاکٹر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

”مطلب صاف ہے۔“ ڈاکٹر تو صیف نے کہا۔ ”اگر خدا نخواستہ ڈائنا مو فیل ہو گیا تو انہرے میں آپریشن کس طرح ہو گا۔ ایک بڑے آپریشن کے لئے کافی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔“

”بظاہر تو ڈائنا مو فیل ہونے کا کوئی امکان نہیں لیکن اگر فیل ہی ہو گیا تو میں کیا کر سکوں گا۔ اُف یہ ایک خطرناک خیال ہے۔ اگر واقعی ایسا ہوا تو ڈاکٹر شوکت بدی مصیبت میں

پڑ جائے گا۔ اوہ نہیں نہیں..... میرے خدا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا....!" کورسیم کے چہرے پر سلیم پڑنے لگا لیکن اس نے لوہے کی موٹی سلاخ کونہ دیکھا جو پروفیسر اپنی آستین میں چھپنے کے آثار پیدا ہو گئے۔

چھپنے ہوئے تھا۔
”کھٹ.....!“ تھوڑی دور پڑنے کے بعد پروفیسر نے وہ سلاخ سلیم کے سر پر دے ماری۔ سلیم بغیر آواز نکالے چکرا کر دم سے زمین پر آ رہا۔ پروفیسر حیرت انگیز پھر تی کے ساتھ جھکا اور بے ہوش سلیم کو اٹھا کر اپنے کاندھ سے پر ڈال لیا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی ہلکے چکلے پچ کو اٹھایتا ہے۔ وہ تیزی سے پرانی کوئی کی طرف جا رہا تھا۔ یہ سب اتنی جلدی اور خاموشی سے ہوا کہ وہ فوکر جو ہال میں سلیم کا انتظار کر رہا تھا وہ بھی سوچتا رہا گیا کہ اب سلیم پروفیسر کو اس چلا آئے۔“ کوئی میں دھکیل کرو اپس آ رہا ہو گا۔

”مجھے حیرت ہے کہ وہ اس وقت یہاں کس لئے آیا ہے۔“ سلیم نے فوکر سے کہا۔ ”کیا تم نے اسے آپریشن کے متعلق نہیں بتایا.....؟“ اس حصے کو دیکھنے لگا جو چوتھے لگنے کی وجہ سے پھول گیا تھا۔ اس نے پر اطمینان انداز میں اس طرح سر ہلایا جیسے اسے یقین ہو کہ وہ ابھی کافی دیر تک بے ہوش رہے گا۔ پھر اس حیرت انگیز ”خیر چلو دیکھوں کیا بکتا ہے۔“ سلیم نے کہا۔ ”اس پاگل سے تو میں تھک آ گیا ہوں۔“ بوڑھے نے سلیم کو پیٹھ پر لاد کر بیٹار پر چڑھنا شروع کیا۔ بالائی کمرے میں اندر ہرا تھا۔ اس سلیم پیچے آیا۔۔۔ پروفیسر باہر کھڑا تھا۔ اس نے سردی سے پیچنے کے لئے سر پر مفلر پیش نے ٹوٹ کر سلیم کو ایک بڑے صوفی پر ڈالا اور موم میں جلا کر طاق پر رکھ دی۔ رکھا تھا اور چھتر کا کارہ اس کے کافوں کے اوپر تک چڑھا تھا۔ ان سب باتوں کے باوجودو“ بلکل روشنی میں چھتر کے کار کے سامنے کی وجہ سے اس کا چہرہ اور زیادہ خوفناک معلوم ہونے لگا تھا۔ اس نے سلیم کو صوفی سے باندھ دیا پھر وہ دور بین کے قریب والی کری پیٹھ گیا اور دور بین کے ذریعہ نواب صاحب کے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ نواب صاحب کے کمرے کی ”کیوں پروفیسر کیا بات ہے؟“ سلیم نے اس کے قریب پیچنے کر پوچھا۔

”ایک غیر معمولی چکدار ستارہ جنوب کی طرف نکلا ہے۔“ پروفیسر نے اشتیاق آمیز جگہ کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر اور زرسوں نے اپنے چہروں پر سفید نقاب لگائے تھے۔ میں کہا۔ ”اگر تم اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ چلو۔“ ”جہنم میں گئی معلومات.....!“ سلیم نے جھنجلا کر کہا۔ ”کیا اتنی سی بات کے لئے آپریشن کی میز کے گرد نکلے ہوئے تھے۔ آپریشن شروع ہونے والا تھا۔“ دوڑے آئے ہو۔“

”بات تو کچھ دوسرا ہے۔ میں تمہیں بہت ہی تجب خیز چیز کھانا چاہتا ہوں۔ ایک جیسا با جود بھی انہوں نے کھڑکیاں کیوں نہیں بن دیں۔“ ”نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔“ اس نے سلیم کا بازو پکڑ کر اسے پرانی کوئی کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔ ”نواب صاحب کی کوئی کے گرد و پیش عجیب طرح کی پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی۔“

اسنے میں ایک فوکر داخل ہوا۔

”کیوں کیا ہے.....!“ سلیم نے اس سے پوچھا۔

”پروفیسر صاحب بیچے کھڑے ہیں۔ آپ کو بیٹا رہے ہیں۔“ فوکرنے کہا۔

”پروفیسر..... مجھے..... اس وقت۔“ سلیم نے حیرت سے کہا۔

”جاوہ بھی..... نیچے جاؤ.....!“ بیگم صاحبہ بیڑا دی سے بولیں۔ ”کہیں وہ پاگل یہاں سے ہوا کہ وہ فوکر جو ہال میں سلیم کا انتظار کر رہا تھا وہ بھی سوچتا رہا گیا کہ اب سلیم پروفیسر کو اس

چلا آئے۔“

”مجھے حیرت ہے کہ وہ اس وقت یہاں کس لئے آیا ہے۔“ سلیم نے فوکر سے کہا۔

”کیا تم نے اسے آپریشن کے متعلق نہیں بتایا.....؟“

”حضور میں نے انہیں ہر طرح سمجھا۔۔۔ لیکن وہ سختے ہی نہیں۔“

”خیر چلو دیکھوں کیا بکتا ہے۔“ سلیم نے کہا۔ ”اس پاگل سے تو میں تھک آ گیا ہوں۔“

سلیم پیچے آیا۔۔۔ پروفیسر باہر کھڑا تھا۔ اس نے سردی سے پیچنے کے لئے سر پر مفلر پیش نے ٹوٹ کر سلیم کو ایک بڑے صوفی پر ڈالا اور موم میں جلا کر طاق پر رکھ دی۔

سردی کی وجہ سے سکرا جا رہا تھا۔

”کیوں پروفیسر کیا بات ہے؟“ سلیم نے اس کے قریب پیچنے کر پوچھا۔

”ایک غیر معمولی چکدار ستارہ جنوب کی طرف نکلا ہے۔“ پروفیسر نے اشتیاق آمیز جگہ کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر اور زرسوں نے اپنے چہروں پر سفید نقاب لگائے تھے۔

”بات تو کچھ دوسرا ہے۔ میں تمہیں بہت ہی تجب خیز چیز کھانا چاہتا ہوں۔ ایک جیسا با جود بھی انہوں نے کھڑکیاں کیوں نہیں بن دیں۔“

”نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔“ اس نے سلیم کا بازو پکڑ کر اسے پرانی کوئی کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

چھوٹے سے لے کر بڑے تک کو اچھی طرح معلوم تھا کہ بیمار کے کمرے میں کیا ہو رہا ہے؟ جانوروں کے بجائے آدمیوں کا شکار کرنے لگا۔ صاحبہ کا ختہ حکم تھا کہ کسی قسم کا شورنہ ہونے پائے لوگ اتنی خاموشی سے چل پھر رہے؛ جیسے وہ خواب میں چل رہے ہیں۔

ارے!

سلیم نے شدید کھراہٹ کے باوجود بھی لاپرواںی کا انداز پیدا کر کے قبھر لگانے کی کوشش کی۔ ”بہت اچھے پروفیر..... لیکن مذاق کا وقت اور موقع ہوتا ہے۔ چلو..... شاباش یہ رسیاں کھول دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں.....!“

”صبر..... صبر..... میرے اچھے لڑکے۔“ اس نے اس کی طرف جھک کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اب میری باری آئی ہاہاہا۔“

”تمہاری باری..... کیا مطلب.....!“ سلیم نے چونک کر کہا۔

”کیا تم نہیں جانتے۔“ پروفیر نے ہراساً نہ بنا کر کہا۔

”کہو کہو میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔“ سلیم نے بے پرواںی سے کہا۔

”میرا مقصد یہ تھا کہ نوجوان ڈاکٹر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔“ پروفیر نے پسکون لجھ میں کہا۔ ”اور اسے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم دوبارہ آزاد کر دیے گئے تو ایسا نہ ہو سکوں لجھ میں کہا۔“ اور اسے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ سکون وطمینان کے ساتھ ہو سکے گا۔ کیونکہ مجھے خوف ہے..... بہر حال میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ سکون وطمینان کے ساتھ وقت اتنے ہی بے بس ہو جتنے کہ میرے دوسرے شکار..... تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ میں اب نواب صاحب کی جان پھا سکے۔ اسی لئے میں تمہیں یہاں لایا ہوں۔ میرے بھوے سلیم کیا کہجے؟ میں..... کیا میں چالاک نہیں.....!“

”بہت چالاک ہو کیا کہنے.....!“ سلیم نے بھس کر کہا۔

”تم یہاں بالکل بے بس ہو۔ یہاں میں تمہاری خبر گیری بھی کروں گا اور بیمار کے کمرے کا منظر بھی دیکھ سکوں گا۔“ پروفیر نے دور میں کے شیشے میں آنکھ لگاتے ہوئے کہا۔ ”نہ تو میں احتشامیوں اور نہ میری دور میں..... محض مذاق ہے..... کیا سمجھے۔“

کوٹھی میں نوکر ایسا بیجوں کے مل چل رہی تھیں۔ مگر کے سارے کتے باغ کے آنکھ پروفیر دور میں پر جھکا ہوا اپنے گردوپیش سے بے خبر بیمار کے کمرے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنا خوتحا کر اس نے سلیم کے جسم کی حرکت کو بھی نہ محسوس کیا۔ سلیم آہستہ آہستہ ہوش میں آر تھا۔ ایک عجیب قسم کی سنسنائیٹ اس کے جسم میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے بازوؤں پر اڑ کے تاؤ کو بھی نہ محسوس کیا۔ دو تین بار سر جھکنے کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اسے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی نظر آ رہی تھی۔ پھر دور ایک ٹھیٹھا ہوا تارہ دکھائی دیتا رہا۔ تارے کے چاروں طرف ہلکی ہلکی روشنی پھیلتی گئی۔ مومنتی کی لوگوں کا تھی۔ پروفیر دور میں پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر یہ کیا..... وہ بندھا کیا ہے۔ رفتہ رفتہ کچھ دیر قبیل کے واقعات اسے یاد آ گئے۔

”پروفیر آخر یہ کیا حرکت ہے۔“ اس نے بھرائی ہوئی نحیف آواز میں قبھرہ لگا کر کہا۔ ”آخر مذاق کی کیا ضرورت تھی۔“

”اچھا تم جاگ گئے۔“ پروفیر نے سر اٹھا کر کہا۔ ”کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔ تم لا ہو سکے گا۔ کیونکہ مجھے خوف ہے..... بہر حال میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ سکون وطمینان کے ساتھ وقت اتنے ہی بے بس ہو جتنے کہ میرے دوسرے شکار..... تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ میں اب گھر یوں، خرگوشوں اور مینڈوں کے ساتھ ہی ساتھ آدمیوں کا بھی شکار کرنے لگا ہوں۔ کیا ہے نہ لچپ پ نہر.....!“

پہلے تو سلیم نہ سمجھ سکا۔ لیکن دوسرے لمحے میں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم کا سارا خون منجمد ہو گیا۔ وہ لرز گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بوڑھے نے اپنے دوسرے شکار دلا کا حوالہ کیوں دیا ہے۔ تو..... کیا..... تو..... کیا..... اب وہ اپنی خونی پیاس بھانے کے

”میں.....!“ پروفیر نے شرارت آئیز لجھے میں کہا۔ ”یہ میں آج ایک نئی اور دلچسپ بخ
ن رہا ہوں۔ میں نے قتل کب کیا تھا۔“

”کب کیا تھا.....!“ سیم نے کہا۔ ”اتی جلدی بھول گئے۔ کیا تم نے اپنے استثنیں
کو اپنے ہائے ہوئے غبارے میں بھاکر نہیں اڑایا تھا۔ جس کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔“

پروفیر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر عجیب قسم کی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ ”اور

ہاں اسی حادثے کے بعد سے میرا دماغ خراب ہو گیا اور تمہیں اس واقعہ کا علم ہو گیا تھا۔ لہذا تم

نے مجھے بیک میل کرنا شروع کر دیا۔ مجھ سے ناجائز کاموں میں مدد لیتے رہے۔ مجھ سے روپیہ

اشتھ رہے۔ لیکن برخوردار شاید تمہیں اس کا علم نہیں کہ میں حال ہی میں ایک سرکاری جاموس
سے مل چکا ہوں۔ تم خوفزدہ کیوں ہو رہے ہو۔ میں نے تمہارے متعلق اس سے کچھ نہیں کہا۔

میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمیم میرے غبارے کے ٹوٹنے سے مر انہیں۔ بلکہ وہ اس وقت بھی

درالس کے کسی گھنیا سے شراب خانے میں نشے سے چوراوند ہاپڑا ہو گا اور مجھے اس کا بھی علم ہے

کہ اس نے جو خطوط مجھے لکھتے تھے تم نے راستے ہی سے غائب کر دیے۔ بہت عرصہ ہوا تمہیں

اس کے زندہ ہونے کا ثبوت مل گیا تھا۔ لیکن تم مجھے پاگل سمجھ کر روپے اشتنے کے لئے اندر ہرے

ہی میں رکھتا چاہتے تھے۔ کوہمیاں سیم کی رہی۔ کیا اب میں تمہیں وہ باتیں بھی بتاؤں جو میں
تمہارے متعلق بھی جانتا ہوں۔“

کنور سیم کر رہا گیا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پروفیر کا پاگل پن کی نئے موڑ
پر پہنچا ہے جسے وہ اب تک ایک بے ضرر کچھ اسختا رہا وہ آج پھن اٹھائے اس پر جھپٹنے کی
کوشش کر رہا ہے۔

”خمر پروفیر چھوڑو ان جمات کی پاتوں کو۔“ سیم نے کوشش کر کے ہنسنے ہوئے کہا۔

”میری رسیاں کھوں دو.....آدمی بنو۔ تم میری عزیز ترین دوست ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ
تمہیں اس سے بھی بڑی دروبین خریدوں گا۔ اتنی بڑی کرچیج ایک شیشے کا گند معلوم ہو گی۔“

”تمہروں سیم تمہروں.....!“ پروفیر نے دروبین کے شیشے پر جھک کر کہا۔ ”میں ذرا بیمار کے

اچانک سیم میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اس کی بھنویں تن گئیں۔ کچھ در قبل
ہونت مسکرا رہے تھے بھیجن کر رہے گئے۔ آنکھوں کی شرارت آئیز شوخی ایک بہت عی خوفناک قسم کی
چمک میں تبدیل ہو گئی۔ وہ اب تک نہیں کہا اور کھلنڈ رانو جان رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس
کے چہرے پر سے ایک گہری نقاب ہٹ گئی ہو۔ وہ ایک خونخوار بھیزیریے کی طرح ہانپ رہا تھا
”ان رسیدوں کو کھوں دو تو سور کے بیچے۔“ وہ جیج کر بولا۔ ”ورنہ میں تمہارا سر پھوڑ دوں
گا۔“

”دھیر ج..... دھیر ج..... میرے پیارے بیچے۔“ پروفیر نے مژکر پر سکون لجھے میں کہا
”کل تک میں یقیناً تم سے خائف تھا۔ مجھے اس کا اعتراف ہے لیکن تم اس وقت میری گرفت
میں ہو..... قاتل..... سازشی..... تم بہت خطرناک ہوتے جا رہے ہو۔ ایسی صورت میں تمہارا
غمگرانی کی ضرورت ہے۔“

”تم دیوانے ہو..... قلطی دیوانے۔“ سیم نے تیزی سے کہا۔
”شاید ایسا ہی ہو.....!“ پروفیر نے لاپرواں سے کہا۔ ”لیکن میں اتنا دیوانہ بھی نہیں کہ
تمہاری سازشوں کو نہ سمجھ سکوں تم اب تک مجھے ایک بے جان گر کار آمد اوزار کی طرح استعمال
کرتے آئے ہو لیکن آج کی رات میری..... کیا سمجھے۔“

سیم کے جسم سے پسند پھوٹ پڑا۔ غصے کی جگہ خوف نے لے لی۔ وہ اب تک پروفیر کا
پاگل سمجھتا تھا کہ وہ جدھر اسے لے جانا چاہتا ہے وہ بغیر سمجھے ہو جانے لے لیکن پھر بھی۔“
ہمیشہ جھاتا رہا۔ اس نے آج تک اپنی اصلی سرگرمیوں کی بھلک بھلی پروفیر کے کان میں نہ پڑنے
دی تھی۔ پھر اسے ایکی سرگرمیوں کا علم کیوں کھکھر ہوا۔ وہ خوفزدہ ضرور تھا لیکن ناماہید نہیں۔ کیونکہ اسکا
زندگی کے دوسرے پہلو کا علم پروفیر کے علاوہ کسی اور کوئی تھا۔ پروفیر جو پاگل تھا۔“

”تم قتل کی بات کرتے ہو۔“ سیم نے سکون کے ساتھ کہا۔ ”خدا کی قسم اگر تم نے پردا
فوراً ہی نہ کھوں دی تو میں اپنی اس دھمکی کو پورا کر دکھاؤں گا۔ جو اکثر تمہیں دیتا رہا ہوں۔ میں
پولیس کو اطلاع دے دوں گا کہ تم قاتل ہو۔ اپنے استثنیٰ کے قاتل.....!“

کرے میں دیکھ لوں۔ ہوں تو ابھی آپریشن شروع نہیں ہوا۔ ایسے خطرناک آپریشنوں میں پاٹھیک ٹھیک۔ پروفیر نے سر ہلاایا۔ ”تمہاری جیجنی اقبال جم ہے۔“

تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نوجوان ڈاکٹرنواب صاحب کی جان بچانے میں ”کیا تم نے اس خبر باز نیپالی کو روپیہ دے کر اس قتل پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ اس احمق نے کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن سلیم یہ تو بڑی بُری بات ہے۔ اگر نواب صاحب دس میں برکار ہو کے میں ایک بے گناہ عورت کو قتل کر دیا۔“

زندہ رہے تو کیا ہوگا۔ تو تمہاری وراثت تم سک جلد نہ پہنچ سکے گی۔“ سلیم بے صبری سے بولا۔ ”لیکن تمہیں یہ سب کیسے اس سے کیا ہوتا ہے۔“ سلیم نے کہا۔ ”میں ہر حال ان کا وارث ہوں اور پھر مجھا معلوم ہوں۔ یہ حکم قیاس ہے۔ بالکل قیاس۔!“

کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیا میں کم دولت مند ہوں۔“ مجھے یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ کیونکہ دنیا میں تمہیں ایک بڑے چالاک ہو۔ مجھے یہ بھی

”خیر۔ خیر۔۔۔ تمہاری دولت کا حال تو میں اچھی طرح جانتا ہوں اسی لئے تو ایک معلوم ہے کہ اس دن تم نے ایک رپورٹ پر گولی چلانی تھی اور وہ رائق میرے ہاتھ میں دے کر بس بوڑھے سے روپے اشیختے رہے سنو میئے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہاری تنگدستی اب خود بھاگ گئے تھے۔ حکم اس لئے کہ مجھے پاگل تصور کرتے ہوئے اس واقعہ کو حکم اتفاقیہ کہا نواب صاحب کی موت کی خواہاں ہے اسی لئے میں نے تمہیں اس وقت تکلیف دی ہے نہ جائے۔ اور کبوتو یہ بھی بتاؤں گا کہ تم اس رپورٹ کو کیوں مارنا چاہتے ہو۔ تم اسے پہچان گئے امید ہے کہ تم ایک سعادت مند بچے کی طرح اس کا کچھ خیال نہ کرو گے کیا تم نے آج ڈاک تھے۔ تمہیں یقین ہو گیا تھا کہ اسے تمہاری حرکتوں کا علم ہو گیا ہے۔ اس وقت تو وہ نجی گیا تھا تو صیف کو اسی لئے شہر نہیں بچنے دیا کہ نوجوان ڈاکٹرنواب صاحب نے پر محروم ہوئا۔ کیوں ہے ناج۔“ لیکن آخر کار اسے تمہاری ہی گولیوں سے ہلاک ہونا پڑا۔۔۔ کیوں ہے ناج۔

”کیا فضول بکواس ہے۔“ سلیم نے دوسرا طرف منہ پھیزتے ہوئے کہا۔

”اُنس۔۔۔ پک۔۔۔ ٹر۔۔۔ فری۔۔۔ دی کی۔“ پروفیر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ”اور پھر تم ایک رہی لے کر درخت پر چڑھ گئے۔“ پروفیر بولتا رہا۔

”کیا تم سمجھتے ہو کہ میں کچھ نہیں جانتا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ڈاکٹر شوکت نقی کیسے گی ہوئے رک رک کہا۔“

لیکن میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔ تم مجھے اندریے کی چکاڑ سمجھتے ہو اور تمہارا خیال بھی درست۔ سلیم کے ہاتھ پر ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ یہ لخت ست پڑ گیا۔

۔۔۔ انہیں اچھے پرسورج کی طرح روشن رہتا ہے۔ میں اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں۔ کیا تمہاری دھمکیاں میرا بچھیں بھاڑکتیں۔ میں اب تمہارے گال پر اس طرح چانٹا نہیں جانتا۔“

”تم کچھ نہیں جانتے۔“ سلیم نے مردہ آواز میں کہا۔ ”یہ حکم تمہارا قیاس ہے۔“

”تم اسے قیاس کہ رہے ہو لیکن یہ سو نیصد بیج ہے۔ دیکھو سلیم ہم دونوں ایک دوسرا کر دیں گا لیکن تم یہ سوچتے ہو گے کہ پولیس میری باتوں کا اعتبار نہ کرے گی کیونکہ میں پاگل ابھی طرح جانتے ہیں۔ کیا میں یہ نہیں جانتا کہ ڈاکٹر شوکت کو قتل کر دینے کی ایک وجہ اور کہ ہوں۔“

”نہیں، نہیں پروفیر تم جیت گئے۔ تم مجھ سے زیادہ چالاک ہو۔“ سلیم نے آخری پانسہ ہے جس کا تعلق آپریشن سے نہیں۔“

”کیا۔۔۔!“ سلیم بے اختیار چونک کر چینا۔

”کیا۔۔۔!“ سلیم بے اختیار چونک کر چینا۔

لیکن وہ فراہی سنبھل گیا۔ اس کے چہرے کے انار چڑھاؤ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خود پر قابو نہ کی کوشش کر رہا ہے۔

”تم کون ہو..... میں تمہیں نہیں جانتا اور اس حرکت کا کیا مطلب۔“ سلیم نے گرج کر کہا۔ ”شور نہیں، شور نہیں۔“ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”تم سے زیادہ مجھے کون پیچان سکتا ہے۔ جب کہ تم میرے جنائزے میں بھی شریک تھے۔ اس کی تو میں تحریف کروں گا۔ سلیم! تم بہت حیاط ہو۔ اگر میں اپنے مکان سے ایک عدد جنائزہ نکلوانے کا انتظام نہ کرتا تو تمہیں میری موت کا ہرگز یقین نہ ہوتا۔ خبروں میں میری موت کی پیش کردیتم رات ہی کو شہر آگئے تھے۔ میرے لئے ہسپتال سے ایک مردہ حاصل کر لینا کوئی مشکل کام نہ تھا اور شاید تم نے دوسرے دن قبرستان تک میری لاش کا پیچھا کیا۔ میں سلیم کرتا ہوں کہ تم ایک اچھے سازشی ضرور ہو لیکن اچھے جاسوس نہیں۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ پانچ گولیاں کھانے کے بعد باہوش و حواس پندرہ میل کی مسافت طے کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اس رات تم نے سرجن حمید کے گھر کے بھی چکر کائے تھے لیکن شاید اس وقت تم وہاں موجود نہ تھے جب وہ نیپالی کے بھیں میں راج روپ نگر اس لئے آیا تھا کہ ڈائیٹریو توصیف کو اس بات کی اطلاع پولیس کو کرنے سے روک دے کہ میں اس سے مل چکا ہوں اور راج روپ نگر سے واپسی پر یہ حادثہ پیش آیا۔ میں نے ایک بار پورٹر کے بھیں میں مل کر سخت غلطی کی تھی۔ اس لئے کہ تم مجھے پیچانے تھے اور کہوں نہ پیچانے تھے جب کہ میرا کوئی بار پیچھا کر چکے تھے۔ اس رات بھی تم نے میرا پیچھا کیا تھا۔ جب میں ”نیپالی کے قتل“ کے بعد گھر واپس آ رہا تھا۔ پھر تم نے کبڑے کے بھیں میں سرجن حمید کو غلط راہ پر لگانے کی کوشش کی۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ تمہیں شبہ ہو گیا کہ میں تمہیں مشتبہ سمجھتا ہوں لہذا واپسی میں تم نے مجھ پر گولی چالائی اور رائل پروفیسر کے ہاتھ میں دے کر فرار ہو گئے۔ پروفیسر سے گفتگو کرتے وقت میں نے اچھی طرح اندازہ لگایا تھا کہ گولی چلانا تو درکار ہو اس رائل کے استعمال تک سے ناواقف تھے۔ تم نے مجھے قبے کی طرف مرتے دیکھا، اس موقع کو غیمت جان کر تم وہاں سے دو میل کے فاصلے پر جمازوں میں جا چکے اور تم

”تمہارا ذہن کسی وقت بھی چالبازیوں سے باز نہیں آتا۔ اچھا میں تم سے صلح کر لوں!“ اس شرط پر کہ تم اس میتار میں کسی راز کو راز نہ رکھو گے۔ اس کے بعد یہ یقین رکھو کہ تمہار سب راز مر تے دم تک میرے سینے میں دفن رہیں گے میں اسی لئے تم سے یہ سب اگلےوارہ کہ تم نے مجھے بہت دنوں تک میل کیا ہے۔ اچھا پہلے یہ بتاؤ کہ واقعی تم نے اس نیپالہ ڈاکٹر شوکت کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔“

”میرے خیال سے تم بھی اتنا ہی جانتے ہو جتنا میں ہاں میں نے اس کے روپ پر دیا تھا۔“

”پھر تمہی نے اسے قتل بھی کر دیا۔ اس لئے کہ کہیں وہ نام نہ بتا دے۔“

”ہاں لیکن ٹھہر دو!“

”انپکٹر فریدی پر قتل کی نیت سے تم نے یہ گولی یا گولیاں چالائی تھیں۔“

”ہاں لیکن تم تو اس طرح سوال کر رہے ہو ہیسے ہیسے!“

”تم نے ڈاکٹر شوکت کے گلے میں رہی کا پہندا بھی ڈالا تھا۔“ پروفیسر نے ہاتھ اٹا اسے بولنے سے روک دیا۔

”پھر تمہارا دماغ خراب ہو چلا۔“ سلیم نے کہا۔ ”ہاں میں نے پہندا تو ڈالا تھا۔“ پھر اس نے کہا۔ ”تم نے ابھی کہا ہے کہ ہم دو نوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ رہی کو کاٹ د۔ میں تم سے قطعی خوف زدہ نہیں۔ اس لئے کہ اب ہم دونوں دوست ہیں۔“

”تمہارے ہوائی قلعے بہت زیادہ مضبوط معلوم نہیں ہوتے۔“ پروفیسر نے کہا۔ لیکن بار اس کی آواز بدی ہوئی تھی۔ سلیم چوک پڑا۔ سکرا سکرا یا پروفیسر تن کر کھڑا ہو گیا۔ نے اپنے سر پر بندھا ہوا مغلکوں دیا۔ جھڑ کے کار لیچے گرا دیے اور موم ہتی طاق پر کراپنے چہرے کے قریب لاکر بولا۔

”لو بیچا دیکھ لو میں ہوں تمہارا باپ انپکٹر فریدی۔“

”اڑے!“ سلیم کے منہ سے بے اختیار لکھا اور اسے اپنے سر گھوٹا ہوا محسوس ہوا۔

ای ناگے پر گئے تھے جو سڑک پر کھڑا تھا۔ تم نے خود ہی مدد کے لئے تجھ کر مجھے اپنی طرز
متوجہ کیا۔ پھر تم نے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ اسی وقت میرے ذہن میں یہ نئی تدبیر آئی
کہنا۔ میں اس کے ظالمانہ رجھات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ لہذا جان بچانے کے لئے
جسکے نتیجے میں آج تم ایک جو ہے داں میں پھنسنے ہوئے چوہے کی طرح بے بُس نظر آ رہے ہو، اس کے علاوہ اور چارہ کیا تھا۔ وہ میری بھولے سراغ رسائی وادی.....!

انسپکٹر فریدی اتنا کہہ کر سگریٹ سلگانے کے لئے رک گیا۔

فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ سلیم کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔
”نہ جانے تم کون ہو اور کیا بک رہے ہو.....!“ سلیم نے جھینکا کہا۔ ”خبریت اسی تر
”خیر جو ہوا سو ہوا.....!“ فریدی اسے بے بُس سے دیکھ رہا تھا اور سلیم کے ہونتوں پر شراحت آمیز مسکراہٹ کھیل
ہوں کہ تمہارے افسروں سے تمہاری شکایت نہ کروں گا۔“
”ابھی یک تو اچھا ہی ہو رہا ہے.....!“ فریدی نے شانے ہلا کر کہا اور جھک کر دور پڑا۔
فریدی اسے بے بُس سے دیکھ رہا تھا اور سلیم کے ہونتوں پر شراحت آمیز مسکراہٹ کھیل
رہی تھی۔

”خیر خیر کوئی بات نہیں۔“ فریدی سنبھل کر بولا۔ ”لیکن آج تم نے ڈاکٹر شوکت کو قتل
کرنے کی جو کوششیں کی ہیں وہ خود میں نے دیکھی ہیں۔ ڈاکٹر شوکت کی کار میں نے بگاڑی
تھی۔ میں یہ پہلے سے جانتا تھا کہ اس وقت کوئی میں کوئی کار موجود نہیں تھی۔ میں دراصل اسے
پہلے لے جانا چاہتا تھا۔ شخص یہ دیکھنے کے لئے کہ حقیقت سازشی کون ہے۔ کیا تم کار کا بہانہ
کر کے وہاں سے نہیں مل گئے تھے۔ کیا تم نے پروفیسر کو زہر لیلی سوئی دے کر اسے شوکت
”تو تم نہیں کھو لو گے مجھے.....! دیکھو میں کہہ دیتا ہوں.....!“
”بس زیادہ شور پانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے ڈاکٹر شوکت کا کار نام دیکھنے دو.....!
”سے ہاتھ ملانے کے بہانے چھو دینے پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ جب تم نے اس کے گلے میں رسی کا
”دیکھو مشر.....!“ سلیم تیزی سے بولا۔ ”اول تو مجھے یقین نہیں کہ تم سرکاری جاؤں۔“
چند لاٹا تھا تب بھی میں تم سے تھوڑی ہی دور کے فاصلے پر موجود تھا اور میں نے ہی شوکت کو
اور اگر ہو بھی تو مجھے اس سے کیا سروکار۔ آخر تم نے مجھے کس قانون کے تحت یہاں باندھ رکھا
بچایا تھا۔“

”نہ جانے تم کون کی داستان امیر حمزہ بیان کر رہے ہو۔“ سلیم نے اکتا کر کہا۔ ”عقل مند
آدمی ذرا سوچ تو آخر میں ڈاکٹر شوکت کی جان کیوں لینا چاہوں گا۔ جب کہ وہ میرے لئے
قلقی اپنی ہے۔ تم کہو گے کہ میں نے ایسا شخص اس لئے کیا کہ جیا جان جانبرنہ ہو سکیں لیکن ایسا
کوچتا تھافت ہو گی۔ اگر ایسا ہوتا تو میں پہلے ہی ان کا خاتمه کر دیتا اور کسی کو خبر نہ ہوتی۔“
”کیا احقوں کی ہی باتیں کرتے ہو۔“ سلیم نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”کیا تم اسے سچ سمجھے ہو۔“
”جمحوٹ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں۔“ فریدی نے دور میں پر جھکتے ہوئے کہا۔
”تم اس کے لئے اپنی ہو سکتے ہو لیکن وہ تمہارے لئے نہیں۔ کیا باتوں کہ تم اس کی جان کیوں
ہوش کے ناخن لو مسٹر سراغ رسائی.....!“ سلیم بولا۔ ”کچھ دری قبل میں ایک پاگل آدا

لیا جائے ہو۔"

"یعنی آئے گا۔"

فریدی کے الفاظ کا اثر حیرت انگیز تھا۔ سلیم پھرست پڑا۔ اس کی آنکھوں سے خروز بہت اچھے برخوردار.....!" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بہت عقل مند ہو لیکن واضح انہمار ہو رہا تھا۔ اس کے ذہن میں خوف اور دلیری باہمی کوشش میں جلا تھے۔ آخر کام رہے کہ اب تم نے جواب اقبال جرم کیا ہے وہ پاکل پروفیسر کے سامنے نہیں بلکہ عجمہ سراج رسانی کے انپیٹ فریدی کے سامنے کیا ہے۔"

نے خوف پر قابو پالیا۔

"آختم کیا چاہتے ہو.....؟" اس نے فریدی سے کہا۔

"تم کو قانون کے حوالے کرنا۔"

"لیکن کس قانون کی رو سے۔"

"تم نے ابھی اپنے جرموں کا اعتراف کیا ہے۔"

"اچھا چلو یہی سکی۔" وہ فریدی کی گھبراہٹ سے لھف انزوں ہوتا ہوا بولا۔ "اپنے اخنا ہوں۔ دیکھو میٹا سلیم..... یہ ایک بہت زیادہ طاقت ورثاً سیکھری ہے اور ابھی حال ہی کی تہمارے پاس کیا بیوٹ ہے کہ میں نے اقبال جرم کیا ہے۔ عدالت میں تم کے گواہ کی چیز ایجاد ہے۔ ایک مختصر ریتی میزی اُسے چلانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ کیا سمجھے اس کے ذریعہ سے پیش کرو گے جب کہ یہاں میرے اور تہمارے سوا کوئی تیرانجمنی ہے۔ دیکھو سفر زندگی اور تہاری آوازیں عجمہ سراج رسانی کے دفتر تک پہنچ رہی ہوں گی اور ان کا باقاعدہ ریکارڈ چھانسا دینا آسان کام نہیں۔ تم اس طرح عدالت میں میرے خلاف مقدمہ چلا کر کاہر ڈیالا جا رہا ہے۔ میں ابھی طرح جانتا تھا کہ تم معمولی ذہانت کے مجرم نہیں ہو۔ اس لئے میں نہیں ہو سکتے۔"

"جب تو مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔" فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے بے بی سے کہا۔ "اکو کرہ گیا۔ اس کے چہرے پر سینے کی بوندیں تھیں۔ اسے اپنادل سر کے اس حصے میں دھڑکتا میں سرجنت حمید کو بھی یہاں لایا ہوتا۔"

سلیم نے زور دار قہقهہ لگایا اور بولا۔ "ابھی کچے ہو مسٹر جاسوس۔"

"اُف میرے خدا یا۔" فریدی نے بوکھلا کر کہتا شروع کیا۔ "لیکن تم نے ابھی میرے کا جتنا ہوا حصہ ری کے ایک بل سے لگا ہوا اسے آہستہ آہستہ جلا رہا تھا۔ سلیم نے اپنے دونوں سامنے اقبال جرم کیا ہے کہ..... تم..... قت..... قاتل ہو.....!"

عجمہ سیکھت کر رہی کے سامنے کرتے۔ رہی خلک تھی یا سلیم کی تقدیر یا ور۔ آگ اپنا کام کر رہی "ہکلا اونہیں پیارے۔" سلیم بے ساختہ ہستا ہوا بولا۔ "تو میں ایک بار پھر اقبال جنم تھی۔ فریدی بسترور دور میں پر جھکا ہوا تھا۔ دفعتاً سلیم صوفے سمیت دوسرا طرف پلٹ گیا۔ ہوں کہ میں نے ہی شوکت کو قتل کرنے یا کرانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ہی نیپالی کو گھاٹ فریدی کو چوک کر اس کی طرف جھپٹا۔ لیکن قبل اس کے کہ حیرت زدہ فریدی کچھ کر سکے سلیم رہی کیا تھا۔ میں نے تم پر بھی گولیاں بر سائی تھیں۔ لیکن پھر کیا؟ تم میرا کیا کر سکتے ہو۔ مٹا کر بولوں سے آزاد ہو چکا تھا۔"

خطاب یافتہ خاندان کا فرد ہوں۔ راج روپ گھر کا ہونے والا نواب۔۔۔ تہماری بکاؤں؟

فریدی اس پر پوٹ پڑا لیکن سلیم کو زیر کرنا آسان کام نہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں گھرے سب معاشرے طے کرنے لیکن اسے یہ نہ بتایا گیا کہ ذرا سدھیلے کا مقصد کیا ہے۔ سول ہوئے ہانپ رہے تھے۔ سلیم کوست پا کر فریدی کو جیب سے پستول نکالنے کا موقع مل گیا۔ ہپتال سے خفیہ طریقہ پر ایک لاش حاصل کی گئی۔ پھر اس پر انپکٹر فریدی کا میک اپ کیا گیا۔ سلیم نے اس پھرتوں کے ساتھ اس سے پستول چین لیا جیسے وہ اس کا خفتر تھا۔ اسی خفتر سے بھی وجہی کہ سلیم آسانی سے دھوکا کھا گیا۔ ان سب باقوں سے فرصت پانے کے بعد انپکٹر پستول چل گیا۔ فریدی نے جیخ ماری اور گرتے گرتے اس کا سر دور بیٹن سے ٹکڑا کیا۔ وہ بالکل فریدی نے بھیں بدل کر اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔

تیرے دن اچاک کرٹل تیواری کے تباولے کا حکم: گیا اور اسے صرف اتنی ہی مہلت مل بے حس و حرکت زمین پر اونڈھا پڑا تھا۔

سلیم کھڑا ہانپ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ فتحا وہ ٹانکر سکی کہ اس نے ڈاکٹر تو صیف کو ایک خط لکھ دیا انپکٹر فریدی کو اب تک سلیم پر محض شبہ ہی شہر تھا۔ کے سامنے کھڑا ہو کر بُری طرح کھانے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر کھائیوں کا دروازہ اس کی تحقیقات کا رخ زیادہ تر پروفیسر عی کی طرف رہا۔ اس سلسلے میں اسے اس بات کا علم ہوا ہو۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولنے لگا۔

”میں انپکٹر فریدی بول رہا ہوں۔ ابھی سلیم میری گرفت سے نکل گیا تھا۔ کافی جلد، ایک بالکل ہی نئی بات معلوم کی جس کی اطلاع سلیم کو بھی نہ تھی۔ وہ یہ کہ پروفیسر ناجائز طور پر کے بعد میں نے اس کے پیر میں گلوپی مار دی۔ اب وہ پھر میری قید میں ہے۔ میں اسے تھا کہیں حاصل کیا کرتا تھا۔ جس طریقہ سے کوئین اس تک پہنچا کر تھی وہ اختیالی دچپ پ تھا۔ اسے ایک ہفتے کے استعمال کے لئے کوئین ملا کرتی تھی۔ کوئین فروشوں کے گروہ کا ایک پولیس کے سپرد کرنے جا رہا ہوں۔ بقیہ رپورٹ کل آٹھ بجے صحیح۔“

اب سلیم نے ٹرانسیور کا تار بیٹری سے الگ کر دیا۔ اس کے پرے پرے ادھر ادھر آدمیوں کی آمدی ہے۔ اس کے پرے ادھر ادھر اس کے لئے لا کر پرانی کوٹھی کے باعثے میں چھپا دیا کرتا تھا۔ ابیں اس کے دام بھی رکھے ہوئے مل جاتے تھے۔ دو ایک بارے مالیوں نے نوکا بھی لیکن اس نے نہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ دوا کے لئے پیر بھوٹی خلاش کر رہا ہے۔ فریدی نے فی الحال اس گروہ کو پہنچانے کی کوشش نہ کی کیونکہ اس کے سامنے اس سے بھی زیادہ اہم معاملہ تھا۔ ڈاکٹر شوکت کے راج روپ گزر جانے سے ایک دن قبل ہی اس نے کوٹھی کے ایک مالی کو بھاری رقم دے کر ملا یا تھا۔ اس لئے کوٹھی کے افراد کے متعلق سب کچھ جان لینے میں کوئی خاص وقت نہ ہوئی۔ آپریشن والی رات کو سرجنت حید بھی وہاں آگیا۔ فریدی نے اسے پروفیسر کو بہلا پھسلا۔

انپکٹر فریدی نے اپنی موت کی خبر شائع کرانے میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔ کرمال کے جھوپڑے تک لانے کے لئے تعینات کر دیا۔ اس کے لئے پوری ایکم پہلے ہی راج روپ بگر کے جنگلوں میں دشمن سے مقابلہ کرتے وقت اچاک اس کے ڈین میں اکٹھا ہو چکا تھا جیسے وہ زخمی ہو گیا ہو۔ وہ ہپتال آگئا۔ اکٹھا سے لارات کی اور اسے کوئین دینے کا لائق دلا کر مالی کے جھوپڑے تک لا لیا۔ وہاں اسے دشمن میں کلکا تیز قسم کی خشی چیز دی گئی۔ جس کے اثر سے پروفیسر بہت جلد بے ہوش ہو گیا۔ چیف انپکٹر نے پولیس کمشتر سے مشورہ کر کے پولیس ہپتال کے اچارج کر لیا۔

خوفاک لمح

اس کے بعد انپکٹ فریدی نے اس کے کپڑے خود پہن لئے اور ٹرانسمیٹر کو گھٹری میں بانٹا۔ جھونپڑے سے نکل گیا۔ جھونپڑے سے باہر جس نے اچھل کو دیکھا تھی وہ انپکٹ فریدی کی عناصر جب فریدی کو گئے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا تو حمید کا دل گھبرا نے لگا۔ اس نے سوچا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آگیا ہو۔ ہر چند کفریدی نے اسے بے ہوش پروفیسر کو سوتا چھوڑا جب سے کیا چیز نکالی۔ ہیں..... یہ تکلی کیسی..... ارے لو غصب وہ تکلی کو ہوتوں میں دبایا کہیں جانے کی اجازت نہ دی تھی لیکن اس کا دل نہ مانا۔ وہ پروفیسر کو سوتا چھوڑ کر پرانی کوٹھار ہے..... قتل..... حمید اب ڈاکٹر شوکت اتنی خاموشی سے قتل ہو جائے گا کہ اس کے قریب کھڑی طرف روانہ ہو گیا۔ مینار میں وہ اس وقت داخل ہوا جب سلیم جاپکا تھا۔ ٹرانسمیٹر چور چور ہوا نہ کسی کی خبر نہ ہو گی۔ اُف کیا کیا جائے..... جتنی دیر میں ہم وہاں پہنچیں گے وہ اپنا کام فرش پر لکھ رہا ہوا پڑا تھا اور فریدی ابھی تک اسی طرح پڑا تھا۔ حمید بدقت تمام اپنی جنگ روک لے کر پکا ہو گا۔ کم بخت پستول بھی تو اپنے ساتھ لیتا گیا۔“

اس نے دوڑ کر فریدی کو اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ بے ہوش تھا..... ظاہر کہیں کوئی چوتھے معلم ”پستول میرے پاس ہے.....!“ حمید نے کہا۔“ لیکن بے کار..... اتنی دور سے پستول کس کام کا..... وہ چونکہ کراہ ہوتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کراہ کر اس نے کروٹ بدی۔ حمید اسے ہلانے لگا..... وہ چونکہ کراہ دہ زہر لی سوئی ہے۔ ابھی وہ ایک پھونک مارے گا اور سوئی تکلی سے نکل کر ڈاکٹر شوکت کے بیٹھا۔

”تم.....!“ اس نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ ”وہ مردود کہاں گیا.....؟“ ”کون.....؟“ ”وہی سلیم.....!“ فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ”افسوں ہاتھ آ کر نکل گیا۔“ پھر ایک دیپسی پر اس کے ہاتھ میں وہی چھوٹی سی ہوائی رانفل تھی جو اس نے پروفیسر کے ہاتھ میں نے جلدی جلدی سارے واقعات بتا دیے۔

”اس نے تو اپنی دانست میں ماری ڈالا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن جیسے ہی اس ”ہٹو..... ہٹو..... کھڑکی سے جلدی ہٹو۔ اس نے کھڑکی سے نشانہ لیا۔ پیار کے کمرے سے گوئی چلائی..... میں نے پھر ایک بار اسے دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ لیکن براہوا اس دوڑتی آئی ہوئی روشنی میں سلیم کا نشانہ صاف نظر آ رہا تھا۔ فریدی نے رانفل چلا دی۔ سلیم اچھل کر کر سب کیا دھرا خاک میں مل گیا۔ اگر میر اس سے نہ نکلا جاتا تو پھر میں نے پالا ماریا۔ ایک دھماکے کے ساتھ زمین پر آ رہا.....!“

”وہ مارا.....!“ اس نے رانفل پھینک کر زینے کی طرف دوڑتے ہوئے کہا۔ حمید بھی اس کے پیچے تھا۔ یہ لوگ اس وقت پیچے جب بیگم صاحبہ، نجمہ، ڈاکٹر تو صیف اور کئی ملازمین وہاں اکٹھے ہو چکے تھے۔ عورتوں کی جنگ و پکار سن کر ڈاکٹر شوکت بھی پیچے آ گیا تھا۔

”پاگل ہوئے ہو..... اب تم اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔ وہ معمولی ذہانت کا“ فریدی نے اس کے کانٹھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ ”کہو ڈاکٹر آپریشن کا کیا رہا.....؟“ ”خیس۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”دیکھوں تو آپریشن کا کیا رہا.....!“

”بھی کہ تم ان کا آپریشن کر کے انہیں پھر ٹھیک کر دو گے۔“ نجہ نے شوخی سے کہا۔
”انہیں تو نہیں..... لیکن شادی ہو جانے کے بعد تمہارا آپریشن کر کے تمہیں بندریا ضرور
دل گا۔“

”شادی..... بہت خوب..... غالباً تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تھم تم سے شادی کروں گی۔“
”تم کرو یا نہ کرو لیکن میں تو کر ہیں لوں گا۔“

”تو نجھے بندریا بنانے سے کیا فائدہ..... کیوں نہ تمہارے لئے ایک بندریا پکڑ والی
جائے۔ آپریشن کی زحمت سے فجح جاؤ گے۔“

”اچھا ٹھہر و بتاتا ہوں..... بلو بھائی فریدی۔ آؤ آؤ ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔“
فریدی اور حید کار سے اتر رہے تھے۔

”نواب صاحب کا کیا حال ہے۔“ فریدی نے شوکت سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔
”اجھے ہیں..... تمہیں یاد کر رہے تھے۔ آؤ چلو اندر چلیں۔“

نواب صاحب گاؤں بنکے سے نیک لگائے انگور کھارے تھے۔ فریدی کو دیکھ کر بولے۔
”آؤ آؤ میاں فریدی..... میں آج تمہیں یاد ہی کر رہا تھا۔ میں نے اس وقت تمہیں
دیکھا تا جب مجھے بولنے کی اجازت نہ تھی۔ آج کل تو میرے بیٹے کا حکم مجھ پر ہٹل رہا ہے۔“

نواب صاحب نے شوکت کی طرف پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔
”آپ کو اچھا دیکھ کر مجھے انتہائی سرست ہے۔“ فریدی نے صوفی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ٹھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد نواب صاحب نے کہا۔ ”فریدی میاں تمہیں
اک بات کا علم کیوں کر رہا تھا کہ شوکت میرا بیٹا ہے۔“

”میں داستان کا بقیہ حصہ آپ کی زبانی سننا چاہتا تھا۔“ فریدی نے کہا۔
”نہیں بھی..... پہلے تم بتاؤ۔“ نواب صاحب بولے۔

”میری کہانی زیادہ لمبی نہیں..... صرف دلفظوں میں ختم ہو جائے گی۔ جب میں پہلی بار
بلیم سے روپورٹ کے بھیس میں ملا تھا..... اس وقت میں نے آپ کے والد ماجد کی تصویر دیکھ کر
کیا مطلب.....!“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”تم.....!“ اس نے منہ چھاڑے ہوئے حیرت سے کہا۔

”ہاں ہاں میں بھوت نہیں۔ بتاؤ آپریشن کا کیا رہا۔“

”کامیاب.....!“ شوکت نے بوکھلا کر کہا۔ ”لیکن..... لیکن.....!“

”میں محض تمہارے لئے مرا تھا..... میرے دوست اور یہ دیکھو آج جس نے تمہارے
گلے میں بچانی کا پھنداڑا لالا تمہارے سامنے مردہ پڑا ہے۔“

اب سارے لوگ فریدی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”آپ لوگ براہ کرم لاش کے قریب سے ہٹ جائیے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور میر جائے۔ آپریشن کی زحمت سے فجح جاؤ گے۔“

ڈاکٹر شوکت کی کار پر تھانے چلے جاؤ۔“

”تم کون ہو.....!“ بیگم صاحبہ گرج کر بولیں۔

”محترمہ میں حکمہ سراغِ رسانی کا اسکرپٹ ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں سرکنس والے نیڑا
کے قاتل اور ڈاکٹر شوکت کی جان لینے کی کوشش کرنے والے کی لاش تھانے میں لے جانا چاہتا ہوں۔“

”نہ جانے تم کیا بک رہے ہو۔“ نجہ نے آنسو پوچھتے ہوئے تیری سے کہا۔

”جو کچھ میں بک رہا ہوں اس کی وضاحت قانون کرے گا۔“

انکشاف

ایک ہفتے کے بعد نجہ اور ڈاکٹر شوکت کوٹھی کے پائیں باعث میں چھل قدی کر رہے تھے۔

”اُف فوہ کس قدر شریر ہو تم نجہ.....!“ شوکت نے کہا۔ ”آخر بچارے مالبوں کو تگ
کرنے سے کیا فائدہ؟ یہ کیا ریاں جو تم نے بگاڑ دی ہیں۔ مالی اسکا غصہ کسی کے اوپر اتا رہا گے۔“

”میں نے اس لئے بگاڑی ہیں یہ کیا ریاں کہ میں تمہارا امتحان لینا چاہتی ہوں۔“

”کیا مطلب.....!“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

اندازہ لگالیا تھا کہ اس کوئی کوئی فرد ڈاکٹر شوکت کو کیوں قتل کرنا چاہتا ہے۔ شوکت کی ٹھکلہ اور ان کی آنکھوں میں آنسو چمک پڑے۔ بہونا ب صاحبِ مرحم کے ملتی ہے لیکن مجھے حیرت ہے کہ جس بات کا علم ڈاکٹر شوکت کو نہ تھا اس کا علم سیم کو کیونکر ہوا۔“

پڑی ہیں ان کا حال مجھے معلوم ہے۔ بخدا میں تمہیں شوکت سے کہنیں سمجھتا۔ تم بھی مجھے اتنے یعنی غریب ہو جتنے کے شوکت اور نجمر.....!

”بزرگانہ شفقت ہے آپ کی.....!“ فریدی نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔ ”ہاں بھی..... وہ بیچارے پروفیسر کا کیا ہوا۔ کیا وہ کسی طرح رہا نہیں ہو سکتا۔“ نواب صاحب بولے۔

”بناو قنیک کیں فروشوں کا گروہ گفارانہ ہو جائے۔ ضمانت بھی نہیں ہو سکتی۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن میں اسے چنانے کی حقیقت الامکان کوشش کروں گا۔“

”اچھا بھی اب تم لوگ جا کر چائے پیو۔ ارے ہاں ایک بات تو بھول ہی گیا۔ اگلے مینے شوکت اور نجمر کی شادی ہو رہی ہے۔“ نواب صاحب نے نجمر اور شوکت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ابھی سے کہہ دیتا ہوں فریدی میاں کہ تمہیں اور حمید صاحب کو شادی سے ایک ہفتہ قتل عیجمی لے کر یہاں آ جانا پڑے گا۔“

”غور ضرور.....!“ فریدی نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مبارک ہو.....!“

”خوبی دیر کے بعد چاروں ڈرائیکٹ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔“ ”بھی فریدی تم کب شادی کر رہے ہو؟“ ڈاکٹر شوکت نے چائے کا گھونٹ لے کر پیا۔ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”کس کی شادی.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اپنی بھی.....!“

”اوہ..... میری شادی.....!“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”سنومیاں شوکت اگر میری شادی ہوئی تو تمہاری شادی کی نوبت نہ آتی۔“

میرے قریب ہی رہتا تھا۔ فریدی کی میاں یہ ایک بہت بھی پروردہ داستان ہے۔ میں تمہیں شروڑ سے سناتا ہوں۔ شوکت کی ماں ہمارے خاندان کی نہ تھی۔ لیکن وہ کسی نچلے طبقے سے بھی تعلق رکھتی تھی۔ ان میں صرف اتنی خرابی تھی کہ ان کے والدین ہماری طرح دولت مندنہ تھے۔

دونوں ایک دوسرے کو بے حد چاہتے تھے لیکن والد صاحبِ مرحم کے ذریعے کھلمندلا شادی ز کر سکتے تھے۔ لہذا ہم نے چھپ کر شادی کر لی۔ ایک سال کے بعد شوکت پیدا ہوا لیکن اس کی صورت میں اسے چھپ کر شادی کر لی۔ اسی حالت میں وہ دوسرا بھائی پیدا کیا۔

زندہ رہیں۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو جاگیردارانہ ماحول سے الگ رکھ کر اعلیٰ تعلیم دلائیں۔ وہ ایک رحم دل خاتون تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ ان کا پیٹا ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر کے خدمت خلق کرے۔ یہ ان کا خیال تھا اور بالکل درست تھا۔ کہ جاگیردارانہ ماحول میں پہنچنے کے دل میں غریبوں کا درد قطعی نہیں ہو سکتا۔ جب وہ دم توڑ رہی تھی تو انہوں نے مجھ سے وعدہ لے لیا تھا کہ اس وقت تک میں شوکت پر یہ بات ظاہر نہ کروں گا جب تک وہ ان کی خواہش کے مطابق ایک ابجھ کردار کا مالک نہ ہو جائے گا۔ پھر انہوں نے شوکت کو سپتا دیوی کے پروردگر دیا۔ میں خفیہ طور پر سپتا دیوی کی مدد کیا کرتا تھا۔ خدا جنت نصیب کرے اسے بڑی خوبیوں کی مالک تھی۔ آخر کار اس نے شوکت کے لئے جان دے دی۔ شوکت کی ماں کے انتقال کے بعد میرا دل ٹوٹ گیا اور پھر میں نے دوسرا شادی نہیں کی اور دنیا یہی سمجھتی رہی کہ میں ساری زندگی کووار اسی رہا۔“

نواب صاحب نے پھر شوکت اور نجمر کی طرف پیار بھری نظر وہ سے دیکھ کر کہا۔ ”اب میری زندگی میں پھر سے بہار آگئی ہے..... اے خدا..... اے خدا.....!“ ان کی آواز گلوگیر ہو گئی

”وہ کیسے.....؟“

”سیدھی کی بات ہے۔ اگر میری شادی ہوگئی ہوتی تو میں بچوں کو دودھ پلاتا یا لارڈ فیر پیاں نہیں آیا تھا اچھا خاصا تھا وہ ان دونوں ایک تجربہ کر رہا تھا۔ اس نے چاند کا سفر رسانی کرتا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ کوئی شادی شدہ شخص کا میاب جاسوں ہوئی نہیں سکتا۔“ کرنے کے لئے ایک غبارہ بنایا تھا۔ تجربہ کے لئے اس نے پہلی بار اپنے استھنت نیم کو اس ”تب تو مجھے ابھی سے استغفار دینا پڑا ہے۔ میں شادی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔“ پر غبارے میں بٹھا کر اڑایا، شاید نیم غبارے کو اتنا نے کی تدبیر بھول گیا تھا یا یہ کہ اس کی مشین نے اتنی مخصوصیت سے کہا کہ سب ہنسنے لگے۔

”تو پھر کیا تم ساری زندگی کووارے ہی رہو گے۔“ شوکت نے کہا۔
”ارادہ تو تبکی ہے۔“ فریدی نے سگار سلاگتے ہوئے کہا۔
”بھی تم بڑی طرح سگار پیتے ہو۔ تمہارا پچھہ ڈالکل سیاہ ہو گیا۔“ اسی دوران اسے ایک بازاری لڑکی گاؤں والوں کی تیارداری اور دیکھ بھال کی بناء پر بیٹھ گیا۔ اسی دوران اسے ایک بازاری لڑکی

خدا۔ اس پریشانی میں وہ قریب قریب پاگل ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے شہر کی سکونت ترک

کر دی اور راج روب مگر میں آ گیا۔ نیم نے اسے خط لکھے جو اس کی پرانی قیام گاہ سے پھر تے پھراتے یہاں راج روب مگر پہنچے۔ وہ خطوط کسی طرح سیم کے ہاتھ لگ گئے اور اس طرح اسے حمید قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔ بقیہ لوگ صرف مسکرا کر رہے گئے۔ حالانکہ یہ کوئی ایسا پرنداق جملان و الاقات کا علم ہو گیا۔ اب اس نے پروفیسر پر اپنی واقعیت کی دھونس جما کر بلیک میل کرنا نہیں تھا۔ لیکن فریدی حمید کی عادت سے واقف تھا۔ وہ عورتوں کے پھوہر جلوں پر خوب مخلوق شروع کیا۔ مجھے ان سب باتوں کا علم اس وقت ہوا جب میں ایک رات چوروں کی طرح اس کلپنی میں داخل ہوا اور سیم کے کرے کی تلاشی لی۔ نیم کے لکھے ہوئے خطوط اچانک مل گئے۔

”ہاں بھی فریدی یہ بتاؤ کہ تم مرے کس طرح تھے۔ مجھے یہ آج تک معلوم نہ ہو سکا۔“ اس طرح میں معاملات کی تہہ تک پہنچ گیا اور اسی وقت میں اس نتیجہ پر بھی پہنچا کہ مجھ پر گوئی ڈاکٹر شوکت نے پوچھا۔

”یہ ایک لمبی داستان ہے لیکن میں مختصر آبتاوں گا۔ مجھے شروع ہی سے سیم پر شہر تھا لیکن مل کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ ہاں تو بات سیرتے مرنے کی تھی۔ جب میں سیم اور ڈاکٹر میں نے شروع ہی میں ایک بنیادی غلطی کی تھی۔ جس کی بناء پر مجھے مرنا پڑا۔ حالانکہ میں پہلے اُو میں سے مل کر واپس جا رہا تھا۔ سیم نے راستے میں دھوکا دے کر مجھے روکا اور جھاڑیوں کی سے جانتا تھا کہ نیپالی کا قاتل ہم لوگوں کا پیچھا کر رہا ہے اور وہ ہم لوگوں کو اچھی طرح پیچانا آز سے مجھ پر گولیاں چلانے لگا۔ میں نے بھی فائز کرنے شروع کر دیئے۔ اسی دوران میں ہے۔ اس سلسلے میں مجھ سے جو غلطی ہوئی وہ یہ تھی کہ میں سیم سے روپڑ کے بھیں میں ملا تھا۔“ اچانک مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور میں نے تہیہ کر لیا کہ مجھے کسی طرح یہ ثابت کرنا مجھے پچھان گیا اور اس نے واپسی پر مجھ پر ہوائی رائقل سے فائز کیا۔ لیکن ناکام رہا۔ اس نے چانپے کر اب میرا جو جو دنیا میں نہیں، ورنہ ہوشیار مجرم ہاتھ آنے سے رہا۔ لہذا میں نے رائقل پروفیسر کے ہاتھ میں تھا دی اور خود غائب ہو گیا۔ پروفیسر کے متعلق تو تم جانتے ہو کہ“ ایک تین ماہی اور بھاگ کر اپنی کار میں آیا اور شہر کی طرف جل پڑا۔ میں سیدھا ہسپتال پہنچا اور

دہاں کیا وہ میں موڑ سے اترتے وقت غش کھا کر گر پڑا۔ لوگوں نے مجھے اندر پہنچایا۔ میں میں بہکا چلا جا رہا ہوں۔ باقی حالات بتانے سے کیا فائدہ..... وہ تو تم جانتے ہی ہو گے۔ ڈاکٹر کو اپنی ساری ایسکم سے آگاہ کر دیا اور اپنے چیف کو بلوا بھیجا۔ اسے بھی میں نے سب سے بھر حال یہ تھی میرے مرنے کی داستان۔“

تینیا۔ پھر وہاں سے میرے جنائزے کا انتظام شروع ہوا۔ قسمت میرے ساتھ تھی اس دن افراد

سے ہسپتال میں ایک لاوارث مریض مر گیا تھا۔ میرے ہمکہ کے لوگ اسے اسٹرپپر پر ڈال

تو فریدی بھائی..... اب تو آپ کی ترقی ہو جائے گی۔ دعوت میں ہمیں نہ بھولئے گا۔“

اجھی طرح ڈھانک کر میرے گھر لے آئے۔ پڑوی اور دوسرے جانے والے اسے میری ال

بھی سمجھے۔ میری موت کی خبر اسی دن شام کے اخبارات میں شائع ہو گئی تھی۔ پھر میں نے

رات حید کو ایک نیپالی کے بھیں میں ڈاکٹر تو صیف کے پاس بھیجا اور اسے تاکید کروی کر

میری راج روپ گھر میں آمد کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہے۔ لہذا یہ بات چھپی ہی رہی

اس دن میں راج روپ گھر گیا تھا۔ اس طرح سلیم دھوکا کھا گیا۔ اسے اٹیمان ہو گیا کہ اس

ایک عدو یوی کا انتظام کرنا ہی پڑے گا جو میرے بس کاروگ نہیں۔“

شب کرنوالا اب اس دنیا سے چل با اور اب وہ نہایت آسانی کیسا تھا اپنا کام انجام دے سکے۔“

”نجہ شاید تم یہ نہیں جانتیں کہ ہمارے فریدی صاحب سراج رسانی کا شوق پورا کرنے

میں چاہتا تھا کہ تمہیں کسی طرح راج روپ گھر لے جاؤ۔ لہذا میں نے ڈاکٹر تو صیف کے لئے اس مجھے میں آئے ہیں۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ ”ورنه یہ خود کافی مالدار آدمی ہیں اور

سے دوبارہ کہلوا بھیجا کر ذرا جلد از جلد تمہیں راج روپ گھر لے جائے۔ جب تم وہاں پہنچائے کجھوں میں کہدا کی پناہ۔“

میں سائے کی طرح تمہارے پیچے لگا رہا۔ تمہاری کار میں نے ہی خراب کی تھی۔ مجھے یہ پہلی

علوم تھا کہ اس وقت کوئی میں کوئی کار موجود نہیں ہے لہذا میں نے یقین کر لیا کہ تم اس صورت

میں پیدل ہی جاؤ گے۔ مجھے یہ بھی یقین تھا کہ سلیم تمہیں نواب صاحب کے آپریشن سے پہلے

عن ختم کرنے کی کوشش کرے گا لہذا میں نے اسے موقع واردات ہی پر گرفتار کرنے کے

تمہیں لے جانا چاہتا تھا لیکن اس کم بخت نے وہ حریب استعمال کیا جس کا مجھے گمان نہ تھا۔ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”اچھا..... یہ میں آج ایک نئی خبر سن رہا ہوں کہ میں کنجوں ہوں۔ کیوں بھائی میں کنجوں

واقعی قسمت کے اچھے تھے کہ وہ سوئی پروفیسر کے ہاتھ سے گرفتار کر دیا گی اور مجھے

بھی نہ چلتا۔ اس کے بعد تم قبیلے میں چلے گئے اور میں ایک مالی کے خالی جھونپڑے میں پہنچا

پلان بناتا رہا۔ یہ تو مجھے تمہاری زبانی معلوم ہو گیا تھا کہ تم شام کو بھی پیدل ہی آؤ گے۔“

دوران مجھے پروفیسر کے بارے میں کچھ اور باقی میں بھی معلوم ہوئیں۔ مثلاً ایک توہینی کہ وہ کہا

کھانے کا عادی ہے اور غیر قانونی طریقہ پر اسے حاصل کرتا ہے لو بھلا دیکھو با توں ہی با۔“

مل نے آج تک اسے یہ کہتے نہیں سنا کہ آج میں بہت تھکا ہوا ہوں۔“

”اس کے بخلاف سرجنت حمید بالکل مرغی کا پچھہ معلوم ہوتا ہے۔“ مجھے فس کر بولو
”کیوں.....؟“

”ند جانے کیوں مجھے اس کی ناک دیکھ کر مرغی کے پچھے یاد آ جاتے ہیں۔“

”بہر حال آدمی خوش مزاج ہے۔ اچھا آؤ اب اندر چلیں۔۔۔ سردی تیز ہوتی جائز
ہے۔“

تمام شد

خوفناک جنگ

(مکمل ناول)

پیشہ

جاسوسی دنیا کا دوسرا نادل ”خوفناک جنگل“ ملاحظہ فرمائیے۔ جس کے اب تک
بیسوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

کہانی جنگل میں ایک عورت کی لاش سے شروع ہوتی ہے اور پھر محیر العقول
سننی خیز واقعات کے جھرمٹ میں آگے بڑھتی ہوئی اپنے مقتولی انجام کو پہنچتی ہے۔

یہ فریدی اور حمید کے ابتدائی دور کی کہانی ہے۔ جب انہیں موجودہ دور کی ہوئی
اور وسائل میرنہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ فریدی کی ذہانت اور اس کی ہمرا
”کیا ہے بھتی، کیا آفت آگئی۔“ وہ جھلاتے ہوئے بولے۔

”کیا بتاؤں صاحب عجیب مصیبت میں جان ہے۔ شاید پھر کوئی قتل ہو گا ہے۔“ سب
شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ وہ کس ہوشیاری اور نفیاتی طرز پر نہ کہا۔
سے مجرم پر ہاتھ ڈالتا ہے اسے دیکھ کر آپ حیران رہ جائیں گے۔

تقریبی ادب میں ابن صفائی کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔ ان

تحریوں میں قانون کی بالادستی مجرموں کی بیخ کرنی اور ہلکے ہلکے طنز و مزاح کی چا

آپ کو ہر جگہ ملے گی۔ یہ بات بلا کسی خوف تردید کی جاسکتی ہے کہ اردو میں اتنا ہوں گے۔ ”انپکٹر سدھیر نے شب خوابی کا الابادہ اتارتے ہوئے کہا۔

”میں نے اس سے سوالات نہیں کئے۔ سیدھا یہاں چلا آیا۔“ سب انپکٹر نے جواب دیا۔

”دُوسرے تین قدموں سے چلتے ہوئے دفتر پہنچے۔ انپکٹر سدھیر نے اطلاع لانے والے اجنبی
کو محور کر دیکھا۔ وہ ایک خوش پوش نوجوان تھا۔ اس کے چہرے پر گبراہٹ کے آثار نظر آ رہے

تھے۔ تالی کی گردھی ڈھلی ہو کر کار کے نیچے لٹک آئی تھی۔ بالوں پر جبی ہوئی گرد سے ظاہر ہو رہا تھا۔

اب ”خوفناک جنگل“ پڑھئے اور ابن صفائی کے فن کو داد دیجئے۔

جنگل میں فائر

کوہ بہت دور کا سفر کر کے آ رہا ہے۔ اس کی سانس انہی تک پھول رہی تھی۔

”کیوں صاحب..... کیا بات ہے؟“ سدھیر نے کڑے لبجھ میں پوچھا۔

”میں انہی ابھی..... دھرم پور کے جنگل میں ایک عورت کی لاش دیکھ کر آ رہا ہوں۔“

نے پیشانی سے پینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

”لیکن آپ اس وقت دھرم پور کے جنگل میں کیا کر رہے تھے۔“ سدھیر نے کہا۔

”میں دراصل جلال پور سے واپس آ رہا تھا۔“

”جالال پور سے.....؟ جلال پور یہاں سے تقریباً میں میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ ہاریک تھی۔“

”سواری پر آ رہے تھے؟“

”موڑ سائیکل پر..... جب میں جوزف روڈ سے پیٹر روڈ کی طرف مڑنے لگا تو تم سڑک کے کنارے ایک عورت کی لاش دیکھی۔ اس کا بلا اوز خون سے تر تھا۔ آف ہے۔“

خدا..... کتنا بھی انک مظہر تھا..... میں زندگی بھرنہ بھلا سکوں گا۔“

”تو آپ جلال پور میں رہتے ہیں۔“

”نجی نہیں..... میں سیہیں اسی شہر میں رہتا ہوں۔ ایک دوست سے ملے جلال پور گیا۔ یہ درخت یہاں نہیں تھا۔“ ابھی نے پریشان لبجھ میں کہا۔

”تو اتنی رات گئے وہاں سے واپسی کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔“

”جناب والا! میں یہ قتل خود کے آپ کو اطلاع دینے نہیں آیا۔“ ابھی نے فہمی کھینچا کر کہا۔

”میں نے ایک لاش دیکھی اور ایک شہری ہونے کی حیثیت سے اپنا فرض سمجھا کہ.....“

”والے درخت کا کاث ڈالنا آسان کام نہیں۔“

”کو اطلاع دے دو۔“

”ناراض ہونے کی ضرورت نہیں.....!“ سدھیر نے سجدگی سے کہا۔ ”میں بھی اپا ہوئے کہا۔

”میں ادا کر رہا ہوں..... آپ کا کیا نام ہے؟“

”مجھے بندھیر سنگھ کہتے ہیں۔“

”آپ کیا کام کرتے ہیں؟“

”اُنہیں خدا! میں نے یہاں آ کر سخت غلطی کی۔“ ابھی نے قدرے پر پیشانی کے

لپھ میں کہا۔ ”ارے صاحب میں آپ کے ساتھ تھی چلوں گا۔“

”چنان تو پڑے گا ہی..... خیر اچھا آپ بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتے ہیں، بھر کسی۔.....“

داروفہ بی ذرا جلدی سے تین کاشیبوں کو تیار کر لجئے اور اس وقت ڈیوٹی پر جو ڈرائیور ہوا سے

بھی بوا لجئے۔

”تو آپ اس وقت دھرم پور کے جنگل میں کیا کر رہے تھے۔“ سدھیر نے کہا۔

”میں دراصل جلال پور سے واپس آ رہا تھا۔“

”جالال پور سے.....؟ جلال پور یہاں سے تقریباً میں میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ ہاریک تھی۔“

”سواری پر آ رہے تھے؟“

”موڑ سائیکل پر..... جب میں جوزف روڈ سے پیٹر روڈ کی طرف مڑنے لگا تو تم سڑک کے موڑ سے تقریباً دو فرالاگ ادھر ہی ایک بڑا ساد درخت سڑک پر گرا ہوا نظر آیا۔“

”ارے یہ کیا.....؟“ ابھی چوک کر بولا۔

”لاری درخت کے پاس آ کر رک گئی۔“

”میں آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ انہی آدھ گھنٹے قبل جب میں ادھر سے گزرا ہوں تو

”نجی نہیں..... میں سیہیں اسی شہر میں رہتا ہوں۔ ایک دوست سے ملے جلال پور گیا۔ یہ درخت یہاں نہیں تھا۔“ ابھی نے پریشان لبجھ میں کہا۔

”سب لوگ لاری سے اتر آئے۔“

”آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ آپ کی بات پر کے یقین آئے گا۔ ظاہر ہے آج آندھی

”جھنچھلا کر کہا۔“

”میں نے ایک لاش دیکھی اور ایک شہری ہونے کی حیثیت سے اپنا فرض سمجھا کہ.....“

”والے درخت کا کاث ڈالنا آسان کام نہیں۔“

”کو اطلاع دے دو۔“

”ناراض ہونے کی ضرورت نہیں.....!“ سدھیر نے سجدگی سے کہا۔ ”میں بھی اپا ہوئے کہا۔

”خیر یہ بعد میں سوچا جائے گا۔“ کو تو ای اچارچ تیز لبجھ میں بولا۔ ”آپ وہ جگہ یہاں

سے کتنی دور ہے؟“

”زیادہ سے زیادہ دوڑھائی فرالاگ.....!“ ابھی نے جواب دیا۔

لا ری وہیں چھوڑ کر یہ پارٹی نارچ کی روشنی میں آگے بڑھی۔ تاریک سڑک پولیس والے دھائیں.....!“ اچاک فائر کی آواز نے سب کو بوكھلا دیا۔ کوتولی انچارج کا ہاتھ پستول کے بھاری بھر کم جتوں کی آواز سے گونج رہی تھی۔

”اُف میرے خدا.....!“ اجنبی نے چلتے چلتے رک کر کہا۔

”کیوں کیا بات ہے۔“ کوتولی انچارج بولا۔

”کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤ۔“ اجنبی نے بے چینی میں اپنی تاک گرگتے ہوئے کہا بھی فائر ہونے شروع ہو گئے تھے۔ وغٹا ایک چین سائی دی..... پھر دوسرا اور ایک سپاہی لڑکھڑا کر گر پڑا۔ پھر اٹھ کر بھاگا۔ یہ لوگ ید قت تمام لاری تک پہنچ گئے۔ جس وقت ڈرائیور لاری بیک کر رہا تھا قریب ہی سے دوبارہ فائر ہونے شروع ہو گئے۔

لاری تیز رفتاری سے شہر کی طرف جا رہی تھی۔ فائر اب تک سائی دے رہے تھے۔ ایک سپاہی کے بازو پر گولی لگی تھی۔ وہ سیٹ پر پڑا کر ادھ رہا تھا۔

”سرکار یہاں بھوٹ پریت بھی بکثرت رہتے ہیں۔“ ایک کاشیل منہائی ہوئی آؤ۔ ”لیکن..... وہ..... وہ کہاں گیا۔“ سب اسکر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”جہنم میں.....!“ کوتولی انچارج نے تلخ لبجے میں کہا۔ ”مجھ سے زیادہ احتق شاید روئے میں بولا۔

”بکرمت!“ کوتولی انچارج چین کر بولا۔ ”اسکا عصر اپنی انتہائی مزدیں طے کر رہا تھا۔ زمین پر نہ ملے۔ آخر میں اچھی طرح اطمینان کے بغیر اس کے ساتھ چلا کیوں آیا۔ کم جنت کا پتہ گی تو معلوم نہ ہو سکا۔ ہم لوگوں کی جان لینے کی ایک بہتری سازش تھی۔“

”اُبھی کہاں..... اب پھنسیں گے آپ مشکل میں۔“ کوتولی انچارج نے تلخ لبجے ”مگر صاحب..... وہ کسی طرح بھی جھوٹا نہیں معلوم ہوتا تھا۔“ سب اسکر نے کہا۔

”بائیس سال سے اس حکمے میں جھک نہیں مارتا رہا داروغہ جی۔“ کوتولی انچارج نے تلخ لبجے میں کہا۔ ”ابھی آپ کا تجربہ ہی کتنا ہے۔ میں ایک میل سے مجرم کی یوسوگہ لیتا ہوں۔“

”عجیب لاش تھی کہیں زمین پر خون کا دھبہ تک دکھائی نہیں دیتا۔“ کوتولی انچارج۔ وہ شروع ہی سے مخلوک تھا۔ آخر وہی ہوا جس کا کھکھا تھا۔ مگر یہ کسی بہت بڑے اور منظم گروہ کا جھک کر نارچ کی روشنی میں زمین کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں تم کھا کر.....!“

”لبست بچارہ کرن سنگھہ بڑی طرح زخمی ہو گیا۔“ کوتولی انچارج نے کہا۔ ”اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں پر نندھنٹ صاحب کو اپنی اس حماقت کا کیا جواب دوں گا۔“

کام معلوم ہوتا ہے۔

”بس بس..... رہنے دو۔ خواہ مخواہ وقت برپا د کریا۔“ کوتولی انچارج نے اس کیا فکر گئے۔

”میں کہتا ہوں سرکار بھوت.....!“

تموزی دیر بعد وہ سب چپ ہو گے۔ البتہ کرن شکھ کی کرایہں اب تک جاری تھی غمیت ہی تھا کہ گولی ہڈی کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر بازو کے گوشت کو چھیدتی ہوئی تھی۔

سوچنے سوچنے دھناؤں کی آنکھیں چک اٹھیں۔
”انپکڑ صاحب.....!“ اس نے فریدی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم لوگ بھی کتنے بدھو ہیں۔“

”کیا مطلب ہے؟“ فریدی نے اسے گھوڑتے ہوئے کہا۔
”مطلوب کیا؟ وہی مثل ہے..... پچ بغل میں، ڈھنڈورا شہر میں۔ ارے لا حول ولا.....“
کہنے کا مطلب یہ کہ ملزم کا سراغ مل گیا۔ حمید نے چکلی بجاتے ہوئے کہا۔
”کیا تمہیں مجھ پر شبہ ہے؟“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”خیر وہ تو پرانی چیز ہے۔ میری پیٹھے ٹھوکنے..... کہنے تو تباوں۔“

”مجھے افسوس ہے کہ اس وقت ٹھوکنے کی کوئی چیز میرے ہاتھ میں نہیں خیرم بتاؤ۔“
”موز سائکل..... ملزم نے اپنی موز سائکل رات تینیں چھوڑی تھی تا۔“ حمید نے کہا۔
”بہت دری میں پہنچے..... مجھے منی کو خیال آیا تھا لیکن اس کی موز سائکل قطعی ایسی نہیں
ہو سکتی جو اس کا پتہ نشان بتا دے۔ فریدی نے سگار لگاتے ہوئے کہا۔“
”پھر بھی دیکھ لینے میں کیا ہرج ہے؟“ حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔
”دہنوں کو تو ای انجارج کے ہمراہ وہاں پہنچ جہاں رات ملزم نے اپنی موز سائکل چھوڑی تھی۔ موز سائکل ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔“

”دیکھو..... میں نہ کہتا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”نمبر کی پلیٹ نکال لی گئی ہے۔“
”لیکن کمپنی کا نمبر تو ضرور ہو گا۔“ حمید نے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اور یہ بھی ریت
دیا گیا ہے۔“ فریدی نے قہقہہ لگایا۔ حمید بھی کھیانہ ہو کر ہنسنے لگا۔
”ہم لوگ زے گھامڑ نہیں ہیں..... فریدی صاحب!“ کوتوالی انجارج نے ہنس کر کہا۔
”پہلے ہی دیکھ کر طمیتان کر چکے ہیں۔“
”لیکن شہر ہے.....!“ فریدی نے زمین پر کچھ دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ نے ایک بات
نہ دیکھی ہو گی۔“

”کیوں نہ ہم لوگ پھرو ہیں چلیں، اس طرح بھاگ لکھنا تو محکم نہیں۔“ سب انپکڑا
”پاگل ہوئے ہو۔“ انجارج بولا۔ ”ہمارے پاس دو پستولوں کے علاوہ اور ہے عما
اوھر نہ جانے کتنے ہوں۔ میرا خیال ہے کہ پندرہ میں سے کم نہ ہوں گے۔“
”عجیب حماقت ہوئی۔“ سب انپکڑ آہستہ سے بولا۔

سرٹک پر جوتا

دوسرے دن صبح چھ بجے دھرم پورہ کا جھلک سلیخ پولیس کے جوتوں کی آوازوں سے رہا تھا۔ قرب و جوار کے دیہاتوں سے تقریباً تین سو آدمی شہبے میں گرفتار کئے گئے جن پر ان میں بے تحاشہ لاثھیاں اور جوتے برس رہے تھے۔ ان میں سے کئی تو تاثی شدت سے پا کر انہیں عش آگیا۔ لیکن نتیجہ صفر..... کوئی خاص سراغ نہ مل سکا۔ آخر چار پانچ گھنٹوں کی میں جانشناختی کے بعد معاملہ محکمہ سراغ رسانی کے سپرد کر دیا گیا۔

راج روپ مگر کیس کے شہرت یافتہ انپکڑ فریدی اور سرجنت حمید کو تو ای پیچھے ہے۔ واقعات کا علم انہیں پہلے ہی سے تھا لیکن انہوں نے کوتوالی انجارج وغیرہ کے بیانات سنے اور ایک چکر دھرم پور کے جنگلوں کا بھی لگا آئے۔ دن بھر کی دوڑ و ھوب کے بعد بھ کوتوالی واپس آئے تو کئی چہرے طنزیہ انداز میں ان پر مسکرا رہے تھے۔ فریدی تو اس میں واقعات کو ہنس کر ٹال دیتا تھا۔ سرجنت حمید نے تاک بھوں چڑھائی۔ اسے امید تھی کہ جلد ہی کوئی سراغ لگا کر اس نفت سے پیچھا چھڑائے گا۔ خود اس کا ذہن بُری طرح الجھا جا ہے۔

"کیا.....؟"

"یہی کہ کمپنی کا نمبر تھیں کوتوالی میں اسی جگہ آج یعنی کسی وقت صاف کیا گیا ہے۔"

"جی.....!" کوتوالی انجارج نے جرأت سے دیدے پھاڑتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں..... یہ دیکھئے۔ کیا آپ زمین پر لو ہے کی ریت نہیں دیکھ رہے ہیں۔"

"اونہ..... بڑی غلطت ہوئی۔" کوتوالی انجارج نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"انہیں بار بکیوں کے لئے تو ہم خاکساروں کو تکلیف دی جاتی ہے۔" سرجنت حیدر تن کریئنے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس سے کیا..... ملزم بہر حال ابھی تک پرده راز ہی میں ہے۔" کوتوالی انجارج نے جنم جھلا کر کہا۔

"جی نہیں بس یہ سمجھئے کہ اب وہ ہماری جیب میں رکھا ہوا ہے۔" حیدر نے مسکرا کر کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔ نہ گھوڑا دور نہ میدان۔" کوتوالی انجارج نے جانے کے لئے مرتے ہوئے کہا۔

سرجنٹ حیدر فاسٹ ریٹ کی دھن میں سیٹی بجانے لگا۔

فریدی کا ذہن مختلف قسم کی گھیاں سمجھانے میں مصروف تھا۔ آخر کار وہ کوتوالی انجارج کا مخاطب کر کے بولا۔

"داروغہ جی..... ماب یہ بات تو اچھی طرح واضح ہوئی کہ ملزم یا ملزموں کا نشانہ آپ ہی تھے۔"

"کیوں..... میں ہی تھا۔" کوتوالی چونک کر بولا۔

آپ کے بیان کے مطابق رات پانچ سب اسپکٹر اور چالیس سپاہی ڈیوٹی پر تھے۔ ان میں سے آپ کسی کو بھی منتخب کر سکتے تھے۔ اس لئے ان میں سے کسی ایک کو مارڈالنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور ظاہر ہے کہ دھرم پور کوتوالی ہی کے حلقوں میں ہے اس لئے قتل وغیرہ کے ساتھ میں موقع واردات پر آپ ہی کا پہنچنا لیکن ہو سکتا ہے۔"

"اوہ..... اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا۔" کوتوالی انجارج نے بے چینی سے کہا۔

"اب آپ یہ بتائیے کہ آپ کا شہر کس پر ہے۔"

"بھلا میں کیسے بتاؤں..... شہر کا ہر بد معاش میرا دشمن ہو سکتا ہے۔" کوتوالی انجارج نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"بہر حال آپ ہمیں کوئی مد نہیں دے سکتے۔" حیدر نے فس کر کہا۔

"حیدر صاحب میں آپ سے استدعا کروں گا.....!"

"حیدر تم چپ رہو۔" اسپکٹر فریدی نے حیدر کو گھوڑتے ہوئے کہا۔ "ہاں داروغہ جی کیا پیٹر روڈ کے چورا ہے کے قریب کوئی بستی بھی ہے؟"

"ہاں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، پھر پور لیکن اسکا ناصلہ وہاں سے تقریباً چار فرلانگ ہو گا۔" "میرا خیال ہے کہ میں اس وقت وہاں جا کر تفتیش کروں۔" اسپکٹر فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ کو وہاں اس وقت صرف عورتیں اور بچے ملیں گے۔ وہاں کے سارے مردوں تو یہیں حوالات میں ہیں۔"

"تب تو اور بھی اچھا ہے۔" حیدر نے اپنا نچلا ہونٹ چاٹتے ہوئے کہا۔ فریدی نے اسے پھر گھوڑ کر دیکھا اور وہ یک بیک بنیادہ ہو گیا۔ لیکن یہ سجادگی اتنی مفعکہ خیز تھی کہ جھلایا ہوا کوتوالی انجارج بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ حیدر کی بے وقت کی ظرفیانہ حرکتیں فریدی کو اکثر بُری کھل جاتی تھیں۔ اس کی اسی عادت کی بنا پر فریدی عموماً کہا کرتا تھا کہ وہ زندگی بھر ایک اچھا جاسوس نہیں بن سکتا۔

فریدی کو اس کی اس وقت کی بے ٹکنی باتوں پر سخت غصہ آرہا تھا۔ لیکن چند لمحوں کے بعد ان کا ذہن پھر اصل مقصد کی طرف آگیا۔

پھر پور کی طرف روانہ ہوتے وقت فریدی نے اس سب اسپکٹر کو بھی ساتھ لے لیا جو رات والے حادثے میں کوتوالی انجارج کے ساتھ تھا۔ آہستہ آہستہ تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔

اسپکٹر فریدی کی کار سڑک چھوڑ کر کچھ راستے پر چلی جا رہی تھی۔

"اسپکٹر فریدی صاحب! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ سب اسپکٹر بولا۔" خود آپ

بھی ہوتے تو اس کی حالت دیکھتے ہوئے اس کے بیان کی صداقت میں شہادت کرتے۔ ”یہ سب کچھ درست ہے۔“ فریدی نے بجاہا ہوا سگار سلاکتے ہوئے کہا۔ ”لیکن میں ابھی ہے۔ کوتولی میں رکھی ہوئی موڑ سائیکل کا نمبر کوئی ریت کر چلا جائے اور آپ لوگوں کو خبر کا صحیح پتہ نشان دریافت کے بغیر ہرگز اس کے ساتھ نہ جاتا۔ جیسے تو اس بات پر ہے کہ میرا بھی نہ ہو۔“

صاحب نے روائی لکھنے کی بھی زحمت گواراند کی۔“ سب انپکٹر نے کہا۔

”نہیں صاحب..... روائی تو لکھی گئی تھی۔“ سب انپکٹر نے جلدی سے کہا۔ ”اور اسی بناء پر میرا خیال ہے کہ کوتولی کا کوئی فرد سدھیر صاحب کی جان کا ذمہ ہے یا ”دارونگی میں کوئی پچ تو ہوں نہیں۔ کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھ سکتا کہ روائی کا حداثہ کپڑا کے دشمنوں سے ملا ہے۔ کوئی باہر کا آدمی اتنی ہمت نہیں کر سکتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”آپ بعد لکھی گئی ہے۔“ فریدی نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”خیر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ ہی نہیں..... آپ کا حکم یوں بھی ہم لوگوں کے حقوق ”یہی تو دیکھنا ہے۔“

کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔ لیکن یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ روائی کا حداثہ کے بعد کم کار پچھن پور میں داخل ہو رہی تھی۔ وہاں تقریباً دو گھنٹے تک چھان میں کرنے کے بعد گئی ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ روز نامچے میں اس نمبر کا کوئی کمرہ ہے ہی نہیں اور سرناہ بھی کوئی سراغ نہیں سکا۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگوں نے فائزوں کی آوازیں ہوئیں کا ایک ایک چپے پولیس کا دیکھا ہوا ہے اس جیسے بدنام ہوئیں کا نقشہ تو میرے خیال سے نہیں۔ لیکن یہ ان کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ وہاں آئے دن شکاریوں کی بندوقیں چلا معمولی سے معمولی کاشیل کے ذہن میں بھی ہو گا کیونکہ پولیس متعدد بار اس پر چھاپ مار گئی تھیں۔

ہے۔ اصل واقعہ مجھ سے سننے۔ آپ لوگ بغیر پوچھ چکے ملزم کے ساتھ چل پڑے تھے۔ وہ اپنی میں سب انپکٹر نے فریدی سے کہا۔

میں سدھیر صاحب کو اس غلطی کا احساس ہوا۔ وہ اپنی پر جب وہ روائی لکھنے بیٹھنے تو گھبراہٹ میں ”انپکٹر صاحب کیا تاہو۔..... واقعی ہم لوگوں نے سخت غلطی کی کہ ملزم کا پتہ معلوم کئے کمرے کا نمبر لکھ گئے۔ میں نے کیس ہاتھ میں لینے کے بعد سب سے پہلے روائی ہی دیکھ لیا۔ لیکن نیماں کے ساتھ چلے گئے اور یہ بھی صحیح ہے کہ روائی کا حداثہ سے بعد لکھی گئی تھی۔“

”لیکن مجھے امید ہے کہ آپ لوگ یہ بات اپنے ہی تک رکھیں گے۔“ اس وقت سدھیر صاحب بھی موجود تھے۔ غالباً اسی وقت انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

”مگر یہ کیسے ممکن ہے۔“ حمید جلدی سے بولا۔ اس کے بعد ابھی تھوڑی دیر قبیل ملزم کے حلیہ کے لئے مجھے دوبارہ روائی دیکھنی پڑی۔ آپ کہ:

سن کر حیرت ہو گی کہ کمرے کا پہلا نمبر بلیڈ سے کھڑج کر اس کی جگہ دوسرا نمبر لکھ دیا گیا۔ فریدی خاموش تھا۔ اس کی نگاہیں باہر اندر سیرے میں بھکر رہی تھیں۔ انگلیوں میں دبا جس کی سیاہی کا غذ کھردا ہو جانے کی وجہ سے پھیل گئی تھی۔“ فریدی خاموش ہو گیا اور سرنشی ہوا سگار بھکھ چکا تھا۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ کے باوجود بھی کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ یہ حمید ہنسنے لگا۔

”صاحب یہ بات میری سمجھ میں تو آئی نہیں۔ واقعی آپ لوگ ہم لوگوں کے بارے میں ”اگر میں نے اس کی کوئی خاص ضرورت نہ سمجھی تو اسے راز ہی رکھوں گا۔“ فریدی نے بہت بُرے خیالات رکھتے ہیں۔“ سب انپکٹر نے جھینپٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ آہنگ سے کہا اور سگار سلاکانے لگ گیا۔

”شکریہ.....!“ سب انپکٹر نے اطمینان کا سانس لیا۔
پھر خاموشی چھا گئی۔

کار کی برتقی روشنی تاریکی کا سیندھر چرتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ یہ لکھ
کے باہمیں کنارے کی جھاڑیوں سے تین چار گیدڑ نکل کر سڑک پار کرتے ہوئے دیکھیں کہ
کی جھاڑیوں میں گھس گئے۔ انہیں سے ایک کے منہ میں دبی ہوئی کوئی چیز سڑک پر گر پڑی
تیزی میں اسے روندی ہوئی آگے نکلی جا رہی تھی کہ دھننا فریدی چینا۔ ”حید... روکو...“
کار ایک جھٹکے سے رک گئی۔

”کیا بات ہے۔“ انپکٹر جرت زدہ لجھے میں بولا۔

”آئے..... آئے حید ذرا بھچے تاریچ دینا۔“ فریدی نے کار سے اترتے ہوئے کہا
تاریچ کی روشنی سڑک پر پڑے ہوئے جوتے کے گرد دائرہ پناہ رہی تھی۔

فریدی نے جوتے کو اٹھا کر تاریچ کی روشنی میں دیکھنا شروع کیا۔

”جوتا تو نیا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ یہاں کیسے آیا۔“ حید نے کہا۔

”یہ انہیں گیدڑوں میں سے ایک کے منہ میں دبا ہوا تھا۔“ فریدی جوتے پر نہ
جائے آئتے سے بولا۔ اس کے ذہن میں خیالات کا تاریخانہ کر رہا گیا تھا۔ اس خیال
سے وققے میں یکے بعد دیگرے نہ جانے کتنے خیالات آئے تھے۔ تاریچ کی روشنی
جھاڑیوں سے الجھتا ہوا وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ حید اور سب انپکٹر بھی اس کے پیچے پیچے
رہے تھے۔ انہیں اس کے اس روایہ پر سخت جیرت تھی، لیکن وہ خاموش تھے۔

”دھننا فریدی رک گیا۔ جھاڑیاں ہٹا کر وہ دوسرا طرف پکھ دیکھ رہا تھا۔ سب انہیں
حید بھی رک گئے۔ تھوڑی دری بعد فریدی مڑ کر بولا۔“ داروغہ جی آپ بھتوں پر یقین رکھ
یا نہیں؟“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ سب انپکٹر نے کہا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس
طاری ہو گئی۔

”مطلوب یہ کہ اگر آپ اس وقت اس جنگل میں کسی جگہ ایک آدمی کی ناگزین کے
اندر سے نکلی ہوئی دیکھ لیں تو آپ کا کیا حال ہو۔“
”غالباً باریوں نفس عضری سے پرواز کر جائے۔“ حید نہ کر بولا۔
”اچھا تو پہلے تم ہی آؤ.....!“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔
حید آگے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اسے پیچے
وکھل دیا ہو۔ وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔
”غضف..... ضرور..... بچھو..... ت.....!“ حید ہٹلانے لگا۔

”بس رخصت ہو گئی ساری شرارت.....!“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”آئے داروغہ جی
آپ بھی دیکھئے۔“

”جی..... جی..... میں.....!“ داروغہ جی حید کی حالت دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمت نہ
کر سکے۔

”بھتی کمال کر دیا آپ لوگوں نے۔ آئے میرے ساتھ۔“ فریدی کہتا ہوا جھاڑیوں میں
گھس گیا۔ حید اور سب انپکٹر کو بھی طوعاً و کرہاً ساتھ دینا ہی پڑا۔ ایک جگہ تھوڑی کھدی ہوئی
زمیں سے ایک انسانی پیر بابر تکلا ہوا تھا۔ چلنون کا پائیچا کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور سنگے پاؤں
میں لبی لبی خراشیں تھیں۔

”کیا سمجھے۔“ فریدی اپنے دونوں خوفزدہ ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔
دونوں خاموشی سے اس کا منہ ٹکتے رہے۔

”یہ جوتا اسی پیر کا ہے۔ گیدڑوں نے یہاں کی زمین کھودی ہے۔ وہ لاش کی ایک ناگ
ٹکال پائے تھے کہ موڑ کے شور کی وجہ سے انہیں بھاگنا پڑا۔ غالباً وہ اس کی ناگ کھنچ کر بابر
ٹکالے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی جدوچہد میں اس کا جوتا اتر گیا اور ایک گیدڑ لے بھاگا۔“

”اڑے بھتی..... یوں کھڑے میری صورت کیوں دیکھ رہے ہو۔“

”جوتا یئے وہ کیا جائے۔“ سب انپکٹر اپنے خلک ہوتوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

”آؤ مٹی ہٹا کر اسے نکالیں۔“ فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”محیدم نارج دکھاڑ“ نبڑی اور سینی کا نمبر..... دونوں پہلے ہی غائب ہو چکے تھے۔ فریدی سخت الجھن میں پڑ گیا تھا۔

فریدی اور سب انپکٹر نے مٹی ہٹانی شروع کی۔ ایک گھنٹے کی محنت کے بعد وہ لازمی ”کیوں بھی حید کیا خیال ہے۔“ فریدی نے سرجنت حید سے کہا۔

نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

کہ یہ آدمی مجرموں کا ساتھی نہیں تھا۔“

”تمہارے اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا ذہن کسی خاص لائے پر کام کر رہا ہے۔“

”ارے.....!“ سب انپکٹر چونکہ کر پچھے ہٹ گیا۔

”کیا بات ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”یہ وہی ہے، خدا کی قسم وہی ہے۔“ سب انپکٹر بے اختیار چیز اٹھا۔ ”وہی جو ہمیں کہا فریدی نے کہا۔

”یہاں لایا تھا۔“ کیا یہ ممکن نہیں کہ کوتوالی انجارج کے نفع نکلنے پر مجرموں نے اپنے ساتھی کو اس لئے رات یہاں لایا تھا۔

”بہر حال.....!“ فریدی نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ ”بعض اوقات میرے ہمراو موت کے لئے اٹھاتا ہوا کہ کہیں وہ پولیس کے ہتھے چڑھ کر سارا راز بتانے دے۔“ سرجنت قلعے بھی سچے ہو جاتے ہیں۔ مجھے شروع ہی سے اس کی امید تھی۔“

”بڑا عجیب واقعہ ہے۔ میری تو تسلی چکر کھاری ہے۔“ سب انپکٹر پریشانی کے لمحے میں سہوا بھی گولی لگ جانے کا بولا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک تینوں مختلف زاویوں سے لاش کے متعلق اطہار خیال کرتے رہے۔ امکان ہے۔ ہاں یہ بھی درست ہو سکتا ہے لیکن یہ کیونکہ مان لیا جائے کہ مجرموں کا ساتھی ہی تھا۔ ”خراب یہاں اس طرح کھڑے رہنا نیک نہیں ہے۔ آئے اسے اٹھا کر کار بک لے۔“ مغل اس لئے کہ ایسی صورت میں اسے دفن کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر انہیں اس بات کا اندر یہ ہوتا تو وہ اس کی وجہ سے پہچان لئے جائیں گے تو وہ اسے کبھی کوتوالی نہ بھیجتے اور اگر انہیں پڑیں۔“ فریدی نے سگار ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

الا کاغذ نہیں تھا تو پھر لاش کے دفن کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ دیکھو ایک لاش کا دفن کرنا آسان کام نہیں۔ اس کے تمام انتظامات مکمل ہونے کے باوجود بھی اس کے لئے کم از کم ایک گھنٹہ چاہئے۔ اگر وہ ان کا ساتھی تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود بھی اسی جان دینا چاہئے تھے۔ یا بالکل ہی حق تھے کیونکہ انہیں اس کا بھی خیال نہ آیا کہ اتنی دیر میں اگر پولیس

الا کسی قریب کے گاؤں میں سے کچھ آدمی لے کر واپس آگئے تو کیا ہو گا۔ اس کی لاش دفن اس نے اکٹھاف پر دوسرا دن سارے شہر میں بچل مچ گئی۔ اب معاملہ حد درجہ بھیجا کر دینا ان کے لئے یقیناً بچاؤ کی صورت رکھتا تھا۔ جبھی انہوں نے اتنا برا اخطرہ مول لیا۔ جیسا ہو گیا تھا۔ وہ شخص جسے لوگ مجرم سمجھ رہے تھے خود کسی کا شکار ثابت ہوا۔ لاش ابھی تک کوتوالی کا تمہارا خیال ہے کہ یہ حرکت کسی منتظم گروہ کی ہے۔ تو یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ ایسا گروہ اپنے کسی اور نو عمر آدمی تھا۔ لباس کی عمدگی سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کوئی متول آدمی ہے۔ لیکن اس کے دہمہ کو کسی نئے آدمی کو پہانتا ہے تاکہ اگر وہ پکڑ لیا جائے تو کسی قسم کا کوئی راز ظاہر نہ ہو سکے۔“

پُر اسرار ضلع دار

”چلے میں نے مان لیا۔“ حید نے کہا۔ ”لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر [اکار آخ کار انہی کی بدولت میری گرفتاری بھی عمل میں آجائے گی۔“

خاص طور سے اسی آدمی کو قتل کرنا تھا تو آخر اس قدر ہنگامہ برپا کرنے کی کیا ضرورت؟ ”مگر صاحب! نہ جانے کیوں میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ شخص مجرموں کا ساتھی ہے۔“ حید کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے پولیس کو باقاعدہ چلتھ کر کے ایک آدمی کو قتل کیا۔ اس طرز کہا۔

نے باقاعدہ اپنے گلے ایک مصیبت ڈال لی۔ اگر اسے مارنا ہی مقصود تھا تو یوں ہوا۔ ”بھتی یہ ہے جاسوئی کا معاملہ۔ عشق کا مسئلہ تو ہے نہیں کہ دل کے فرمان پر عمل کیا کر دیتے۔“

”تمہاری ذہانت کا میں عرصہ سے قائل ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کیا یہ ممکن ہے ہوئے کہا۔

اس طرح انہوں نے پولیس کو غلط راستے پر نکلنے کی کوشش کی ہو۔ فرض کرو کہ میں تمہیں ”خوب چلے!“ اگر میں اسے مان بھی لوں گا تو درخت والا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ آدھے چاہتا ہوں۔ اگر میں نے تمہیں قتل کر کے دفن کر بھی دیا تمہاری گشادگی یقیناً کچھ دوں بنی میں اجتنب تاوار درخت کو کاٹ گرانا قطعی ناممکن ہے۔“

لوگوں کو تمہارے متعلق سوچنے پر مجبور کر دے گی اور میرے قتل کر دینے کی وجہا کرایا۔ ”تو میں کب کہتا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ درخت کے کاشنے کا کام صحیح سے شروع کر دیا کچھ لوگ جانتے ہیں تو یہ قتل میرے لئے یقیناً بڑی مصیبت کا باعث ہو جائے گا۔ لیکن اب اور اس کا اتنا حصہ کاٹ کر چھوڑ دیا گیا ہو کہ یقینہ حصہ تھوڑی دیر کی محنت سے کاٹ کر میں ذرا سی بھی ذہانت ہے تو میں تمہیں چھپا کر قتل کرنے کی بجائے کھلم کھلا قتل کر دوں! اگفت کرایا جائے۔ تم نے شاید غور نہیں کیا۔۔۔ اسی لائن کے کئی اور درخت بھی کاٹے گئے ہیں۔ اس کا طریقہ سنو۔ فرض کرو تم دو بیجے رات کو دھرم پور کے جنگلوں سے گزر رہے ہو اور جنباً یا کام ڈشکٹ بورڈ کی طرف سے ہو رہا ہے۔ حالانکہ مجھے اس میں شبہ ہے۔ بظاہر سمجھ کر یقیناً پولیس کو اس کی اطلاع دینے جاؤ گے اور یہ بھی سمجھ رکھو کہ تمہاری قبر بھی میں پڑک بورڈ کے علاوہ کوئی اور ان درختوں کو قانوناً کٹو بھی نہیں سکتا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تیار کر رکھوں گا۔ جیسے ہی تم پولیس کو ساتھ لے کر آؤ گے تم لوگوں پر گولیوں کی بوجھا لگا۔ اس کاری ادارہ اپنی ذمہ داری پر اتنے بڑے درخت کو ایسی خطرناک حالت میں چھوڑ جائے ہو جائے گی اور دوسروں کو بچاتے ہوئے صرف تم نشانہ بنائے جاؤ گے۔ گولیوں کی اندھا اور مکھنے کی محنت سے گرایا جائے۔ کیونکہ اتنا بھاری بھر کم درخت ایسی حالت میں تیز ہوا کا بوچھاڑ سے گھبرا کر دوسروں لے لوگ بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس کے بعد میں تمہاری لاٹ جو گونا بھی نہیں برداشت کر سکتا۔“

سے کھدے ہوئے گڑھے میں دفن کر دوں گا۔ واپسی میں جب پولیس والے تمہیں ہا۔ ”وقتی مانتا ہوں۔“ حید نے حرمت سے فریدی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”واللہ آپ کو تو پائیں گے تو تمہارے متعلق ان کا شہر یقین میں تبدیل ہو جائے گا اور وہ تمہیں مجرم سمجھ کر کاٹ لیڈیارڈ میں ہوتا چاہئے تھا۔ یہ تو میں کہوں گا کہ ماہروں کی کوئی قدر نہیں۔ اب اسی کو تلاش شروع کر دیں گے۔ اس طرح ایک طرف تو میں تمہیں قتل بھی کر دوں گا اور تمہیں یہ لمحہ کر آپ آج تک چف اپسکٹر نہ ہو سکے۔“

بھی بخداوں گا اور خود مطمئن ہو کر مزے کروں گا۔ کیا سمجھے.....! اور پھر اگر میں زیادہ ذہنا۔ ”تو میں چف اپسکٹر ہونا کب چاہتا ہوں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”چف اپسکٹر ہونے تو پولیس کے شہے کو مزید تقویت دینے کے لئے تمہاری موڑ سائیکل کے نمبر بھی ٹیکس کا لیڈیارڈ میں ہوتا چاہئے تھا۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کر میں اس لائن میں گا۔ وہ بھی بیچ کو تو ای سے..... لیکن افسوس صد افسوس کہ میں ان کم بخت گیدڑوں کا کچھ..... میسا کرنے نہیں آیا اور نہ مجھے عہدوں ہی کا لाभ ہے۔ میرے پاس اتنا سار ماہی موجود ہے کہ

وہاں کے مزدوروں میں سے صرف دو اس وقت موجود تھے۔ فریدی انہیں الگ لے گیا۔
”تم لوگوں نے ایک خطرناک غلطی کی ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”دُوڑوں کے چہرے فتنے ہو گئے اور وہ ایک دوسرے کی طرف منی خیز نظرؤں سے دیکھنے لگے۔“
”تم نے وہ درخت سڑک کی طرف کیوں گرا دیا تھا.....؟“

”صاحب! سڑک کی طرف تو تم لوگوں نے کوئی درخت نہیں گرا دیا۔“ انہیں سے ایک بولا۔
”یاد کرو وہ پیپل کا درخت جو چورا ہے سے کچھ دور ہٹ کر تھا۔“

”نہیں صاحب! ہم ایسی غلطی نہیں کر سکتے۔“

”خیر اگر تم نے گرایا نہیں تھا تو اسے ایسی حالت میں چھوڑ دیا تھا کہ درخت تیز ہوا چلنے پر
فرود گر جائے۔“

”نہیں تو..... گر صاحب۔“

”صف صاف بتاؤ۔“ فریدی تیز لہجہ میں بولا۔

”مجھ سے سننے صاحب.....!“ دوسرا بولا۔ ”اب تو غلطی ہو گئی ہے۔ جو کچھ بھی پڑے
گی بھتی ہی ہو گی۔“

”ہاں ہاں ڈر نہیں..... ہمیں غریبوں کا خاص طور پر خیال رہتا ہے۔ گرچاہی شرط ہے۔“

فریدی اس کا شانہ تھکتے ہوئے بولا۔

”خدا آپ کو خوش رکھے..... ہم لوگ بالکل بے قصور ہیں۔ ہماری غلطی بس.....!“
”ہاں ہاں کہو۔“

”صاحب ہوا یہ کہ ہم چار آدمی اس درخت کو کاٹ رہے تھے۔ شام ہو گئی تھی اور درخت
اتاکٹ گیا تھا کہ اس کی ڈالوں سے رسی پھنسا کر اسے آسانی سے دوسری طرف گرا دیا جاسکتا
تھا۔ ہم لوگ ستانے لگ گئے تھے اور ارادہ تھا کہ اب اسے دوسری طرف گرا دیں کہ اچانک کسی
کے پیچنے کی آواز آئی۔ ہم لوگ چوک پڑے۔ ایک آدمی ہمیں اپنی طرف دوڑتا ہوا لکھائی دیا۔
وہ ”ہائے مارڈا لالا..... ہائے لوت لیا۔“ کہتا ہوا ہمارے قریب گر پڑا۔ ہم لوگوں کے پوچھنے پر
حادثہ کافی مشہور ہو چکا تھا۔ اسلئے وہ بیکی سمجھے کہ یہ لوگ منی تفتیش کے سلسلے میں آئے ہیں۔

بیکارہ کر بھی فارغ البالی کی زندگی برکر سکتا ہوں۔ اگر ہندوستان میں پرائیوریت پر
کے لئے قانون کوئی جگہ ہوتی تو مجھے اتنی دردرسی مول لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔
حیثیت سے اپنی کھوچی طبیعت کو تسلیم دے لیتا۔“

”آپ کہیں گے میں چاپلوی کر رہا ہوں۔“ حید نے کہا۔ ”لیکن میں کہہ بغیر نہیں
کہ آپ جیسا آدمی آج تک میری نظرؤں سے نہیں گزرا۔ بعض اوقات تو میں یہاں
ہوں کہ شاید آپ لوہے کے بنے ہیں۔“

”اور بہت سے لوگ مجھے لوہے کا چتا بھی سمجھتے ہیں۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔
”لیکن یہ آج تک میری سمجھ میں نہ آیا کہ آخراً آپ عورتوں سے کیوں دور بھائی
شادی کیوں نہیں کرتے.....؟“

”پھر وہی عورت.....!“ فریدی نے حید کو گھوڑتے ہوئے کہا۔ ”آخڑہار
عورت کیوں سوار ہے۔ کہیں سے بات شروع ہو، آپ کی تاں ہمیشہ عورت ہی پر ٹوٹی
کیا حماقت ہے۔“

”آپ اسے حماقت کہتے ہیں۔“ حید نے سنجیدگی سے کہا۔
”اچھا بکومت..... ابھی بہت کام کرنا ہے۔ چلو ڈسٹرکٹ یورڈ کے دفتر پڑیں۔“
ڈسٹرکٹ یورڈ کے دفتر میں ان دوں کی آمد سے بھونچال سا آگیا۔ معمولی سے
سے لے کر چیزیں میک خود کو چور محسوس کرنے لگے۔ لوکل سیلکوئر نہست کے کسی بھی
دفتر میں کسی جا سوں کی غیر متوقع آمد ہاں کے کارکنوں کے لئے بڑی منی خیز ہوتی۔
کے سارے گزشتہ جرام اور دھاندی بازیاں ان کی آنکھوں کے سامنے نانپنگی ہیں۔“

غیر شوری طور پر ہھکریوں کے جوڑے کا انتظام کرنے لگتا ہے۔ لیکن یہاں فریدی کی
نوعیت ہی کچھ اور تھی۔ دفتر کے عملے کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ان مزدوروں سے ملا چاہے
وہم پور کے جنگلوں میں درخت کاٹ رہے تھے تو انکی جان میں جان آئی۔ ہرم پور کے
حادثہ کافی مشہور ہو چکا تھا۔ اسلئے وہ بیکی سمجھے کہ یہ لوگ منی تفتیش کے سلسلے میں آئے ہیں۔

بیر ۱

اس نے بتایا کہ وہ کوٹ آف وارڈ کا ضلع دار ہے۔ گاؤں سے روپیہ وصول کر کے لارہاڑا، ”اچھا اس کا حلیہ تو بتاؤ۔“

اپنے دوآدمیوں نے اسے مار پیٹ کر روپیہ چھین لیا۔ اس کے بیان کے مطابق حادثہ تھا، ”ملیے کیا بناوں سرکار..... اچھا خاصاً لمبا تر نہ آدی تھا۔ بڑی بڑی چشمی ہوئی سیاہ ہی اسی وقت ہوا تھا۔ اس لئے ہم چاروں غل چاتے ہوئے اس کے بتائے ہوئے رائے پیش کیں۔ آنکھوں پر نیلا چشمہ لگائے تھا۔ رنگ گورا تھا۔ انگریزی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ دوڑنے لگے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ تھا۔ ایک جگہ وہ رُک گیا اور ایک جہازی سے ایک تھلیاں بات پر پھوپھو کی طرح ٹھٹھا مار کر ہنستا تھا۔ مگر صاحب اس کے دانت بڑے چکلیے تھے۔ کر ہمیں دکھائی اور کہا کہ اسی تھلی میں روپے ہیں۔ شاید گھبراہٹ میں یہ ان بدمعاشوں کے اس کے دانت بالکل بھیڑیے کے دانتوں کی طرح معلوم ہو رہے تھے۔ میں مکھ آدمی ضرور ہاتھ سے گر گئی۔ اس نے وہ تھلی زمین پر الٹ دی اور بیٹھ کر روپے گئے تھا۔ واقعی اس تھلی میں ان دانتوں کی وجہ سے اس کی بھی بڑی خوفناک معلوم ہوتی تھی۔“

سینکڑوں روپے تھے۔ اس نے ہم لوگوں سے کہا کہ ہم اس کے ساتھ شہر چلیں کیونکہ وہ پہلے ”تم اسے دیکھ کر پہچان لو گے۔“ میں رپورٹ کرنا چاہتا ہے اور اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں راہ میں وہ بدمعاش پھرناہ مل جائیں۔ ”برابر سرکار.....!“

لوگوں نے انکار کیا لیکن اس نے ہمیں سورپے دینے کا وعدہ کر کے راضی کر لیا۔ ہم لوٹ آئے۔ ”اچھا یکھو..... ابھی تم نے جو کچھ مجھے بتایا ہے اس کا تذکرہ کسی اور سے نہ کرنا ورنہ پھر اور کہاڑے وغیرہ سنjal کر شہر کی طرف چل پڑے۔ سورپوں کے لائق نے ہمیں یہ بھال ہمیں نہ چاہکوں گا۔ اپنے ان دونوں ساتھیوں کو سمجھا دیتا کہ اس کے متعلق کسی سے کوئی سوچنے دیا کہ درخت کو خطرناک حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ شہر پہنچ کر اس نے کہا کہ اب نہ کریں۔“

پولیس میں رپورٹ کرنا بیکار ہے۔ کیونکہ روپے تو مل گئے ہیں پھر وہ ہمیں ایک شراب خانہ میں لے گیا۔ ہم لوگ کبھی کبھی دلی شراب پی لیتے ہیں وہاں انگریزی شراب دیکھ کر ہاں اس کے بعد فریدی اور حمید وہاں سے روانہ ہو گئے۔

منہ میں پانی بھرا آیا۔ ہم میں ایک ایسا بھی تھا جو شراب نہیں پیتا تھا، لیکن اور دوسرا کھانے پیا۔ ”کہو بھی اب کیا خیال ہے۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

کی عمدہ جیزیں دیکھ کر وہ بھی پینے پر راضی ہو گیا۔ ہمیں کچھ اچھی طرح یاد ہیں کہ ہم نے کتنی لہا۔ ”بھلا آپ سے غلطی ہو سکتی ہے۔“ حمید بولا۔ ”لیکن اب کیا کرنا چاہئے۔“

بہر حال جب ہمیں ہوش آیا تو ہم نے خود کو ایک ویران قبرستان میں پایا۔ غالباً اس وقت ران کے تین نگ رہے ہوں گے۔ یہ ہے سرکار ہماری رام کہانی۔ اب آپ جو سزا چاہیں دیں۔“ سکاریٹ سے سگار نکلتے ہوئے کہا۔

”بہر حال.....!“ فریدی لمی سانس لیکر بولا۔ ”میں کوشش تو کروں گا کہ تم لوگوں پر کلا۔“ ”مگر یہ عورت کی لاش والا معاملہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا.....!“ حمید نے سرکھجاتے آنچ نہ آنے پائے۔ اچھا یہ تو بتائیے کہ تم نے اس ضلع دار کو اس سے پہلے بھی کبھی دیکھا تھا۔“ لہٹے کہا۔

”جی نہیں..... ہم نے اس سے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا۔“

”اگر تم اسے دیکھو تو پہچان لو گے۔“

”اچھی طرح سرکار..... اچھی طرح۔“ دونوں یک وقت بولے۔

”یہ کوئی مشکل کام نہیں..... ایک عورت کی لاش تم نہیں آسانی سے تیار کر سکتے ہو۔ وہ لاش یقیناً نقلی ہو گی۔“

”موز رائیکل کے نمبر والا معاملہ بھی عجیب ہے۔ خیر لائسنس کا نیال لیتا تو مشکل کام نہیں۔“

کچنی کا نمبر ریتے کے لئے کافی وقت درکار ہوتا ہے اور جیرت تو اس پر ہے کہ کسی نے
کی آواز بھی نہ سنی۔“

فریدی کچھ سوچتے سوچتے چونک پڑا۔

”حمدی! میں دراصل اسی لئے تمہیں اپنے ساتھ رکھتا ہوں، تمہارے اس سوال نے
یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔ لوسنو کیا تمہیں یاد نہیں کہ پر شنڈنٹ صاحب کی کار بگزگی تھی اور
باد بار انجن اشارٹ کر رہا تھا۔ اس انجن کے سور میں بھلا ریتی کی آواز کیسے سنی جائے
لتقریباً دو گھنٹے کے بعد کار بن سکی تھی۔ اب میں قدم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ موڑ سائکل کا
کوئی عڑھانہیں دکھائی دیا۔“

دوران میں ریتا گیا تھا لیکن ریتنے والا کون ہو سکتا ہے۔ کسی باہری آدمی کی ہست نہیں پڑا
فریدی اور حمید تیزی سے جہازیوں کی طرف بڑھے۔ واقعی وہاں گڑھے کا نام و نشان تک
”تو پھر آپ کاشک کس پر ہے۔“

”ایسی فی الحال یہ بتانا ذرا مشکل ہے۔“ فریدی نے سگار منہ سے نکالتے ہوئے
”لیجھ..... یہ دوسرا ری۔“ فریدی ہاتھ ملتے ہوئے مضطربانہ انداز میں بولا۔ پھر وہ
”کیوں نہ ہم لوگ دھرم پور کے جنگل کا ایک چکر اور لگا آئیں۔ مجھ سے ایک زبردست
دلوں کا نیبلوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ذرا اپنے انچارج کو تو بلاو۔“ دلوں چلے گئے۔
ہوئی ہے۔ مجھے اس گڑھے کا جس سے لاش برآمد ہوئی تھی بغور جائزہ لیتا چاہئے تھا۔“
” مجرم حماقت پر حماقت کرتے چلے جا رہے ہیں۔“ بھلا اس کی کیا
تھا کہ کوئی کام کی بات معلوم ہو جاتی۔“

”می نہیں..... وہ ہماری حماقتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ کل رات ہم میں سے کسی
ایک کو اس وقت تک یہاں موجود رہنا چاہئے تھا جب تک کہ سلح پولیس یہاں نہ پہنچ جاتی۔“
فریدی نے کہا۔ ”جانتے ہو کہ گڑھا پاٹ دینے کا کیا مطلب ہے؟“
”جیدے سر ہالا یا۔“

” مجرم کسی ایسے نشان کو مٹا گئے جس سے سراغ لگ جانے کا اندر یہ تھا۔“
”جب تو بہت برا ہوا۔“ حمید نے کہا۔
”خوزی دیر کے بعد پولیس کا انچارج آ گیا۔“
”کیوں صاحب! آپ کو کیا بدایت دی گئی تھی۔“ فریدی نے اسے گھوڑتے ہوئے پوچھا۔
” جتاب والا ہم رات سے اس گڑھے کو علاش کر رہے ہیں۔“

شرابی گیدڑ

لاش برآمد ہونے کے بعد ہی سے دھرم پور کے جنگل میں سلح پولیس کے ایک دو
اپنے خیمے گاؤڑ دیئے تھے جس وقت اسکے فریدی اور سرجنٹ حمید وہاں پہنچ تو انہوں نے
جنگل میں گشت کرتے ہوئے پایا۔ ایک نے انہیں ٹوکا بھی لیکن دوسرا شاید ان دونوں کو کہا
اس نے انہیں سلام کیا۔

”کیوں بھی کوئی خاص بات.....!“ فریدی نے پوچھا۔

”چیز ہی ایسی ہے کہ دھوکا کھانے کے امکانات پیدا ہوجاتے ہیں۔“ فریدی نے بڑی ایک لکھنی جیز نہ تھی جس سے زمین کھودی جاسکتی۔ آخر کار یہ طے پایا کہ پھر من پور سے کچھ طرف مرتے ہوئے کہا۔ ”سرسری طور پر دیکھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے مدد برائے جائیں۔ کوئی گڑھا تھا نہیں۔ اس جگہ سوکھی گھاس اس خوش اسلوبی سے بچھائی گئی ہے کہ اچھے دھوکا کھا جائیں۔“

”بعض اوقات معمولی باعثیں بھی دیر میں سوچتی ہیں۔“ انجارج نے کھیانی ٹھیک ہنتے

”اس گھاس کو پھیلاتے وقت وہ یہ بھول گئے تھے کہ اس طرح ان کی انگلوں دی کہا۔ نشانات قطعی محفوظ ہو جائیں گے۔“ حمید نے کہا۔

کاشیبلوں نے اپنی ٹکنیکوں سے زمین کھودنی شروع کر دی۔ ٹھوڑی دیر بعد ایک کاشیبل

”حمد صاحب اتنی جلدی خوش فہیموں میں بٹانے ہوں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ٹکنیکوں نے کسی چیز سے نکلا کر چھتا کا پیدا کیا۔ مرتبہ بہت ہی چالاک آدمیوں سے سابقہ پڑا ہے۔ ارے میاں ایسے موقعوں پر سزا سے بڑا بھی دستانے استعمال کرتا ہے۔“

”بہر حال مجرم کی یہ دوسرا حماقت اس کے سراغ کے لئے کافی ہوگی۔ اگر کافی نہ ہوگی تو کوئی نہ کوئی بات ضرور ہی معلوم ہو جائے گی۔“ حمید نے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

”سب سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ لاش کا پتہ لگ جانے کے بعد گڑھے کو پانچ کھنچنے ہوئے کہا۔“ ارے یہ کیا.....!“ سب نے بیک وقت کہا۔

فریدی نے تھیلے کامنہ جوڑی سے بندھا ہوا تھا کھول کر اسے زمین پر الٹ دیا۔ ”یا ظہر ممکن ہے کہ گڑھے میں کوئی ایسی چیز رہ گئی ہو جس سے مجرم کا سراغ مل جائے یا مقتول شخصیت پر روشنی پڑنے کا اندر یہ رہا ہو۔“

”لیکن ایسی صورت میں بھی گڑھے کو پانچ کی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ کام پڑھ کے پنچ جانے کے بعد ناممکن سا ہو جاتا ہے۔ غالباً ہم لوگوں کے چلے جانے کے بعد ہماری حرکت کی گئی۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ مجرم ہماری گمراہی کر رہے ہیں۔“

”جی ہاں! ہم لوگوں کے آنے سے پہلے ہی یہ سب کچھ کیا گیا۔ ورنہ ہم لوگ تو.....!“ ”جی ہاں..... ورنہ آپ لوگ تو کافی مستدر ہے۔“ فریدی نے انجارج کی بات کا ہوئے طنزیہ لمحے میں کہا۔ ”اچھا اب اسے دوبارہ کھونے کا انتظام کرنا چاہئے۔“

انچارج نے تین چار کاشیبلوں کو بلا کر گڑھا کھونے کے لئے کہا لیکن ان لوگوں

کعبہ کس نہ سے جاؤ گے غالب شرم تم کو مگر نہیں آتی فریدی پر ہنسی کا دورہ پڑا۔ بقیہ لوگ حیرت سے کبھی اسے دیکھتے اور کبھی گیدڑ کی لاش کو۔ فریدی پر ہنسی جارہا تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی ہنسی اتنی بھیاک معلوم ہونے لگی کہ کئی ضعیف لاٹھا کا شیبل دہاں سے پہنچنے سے کھک کرنے۔ ان میں بہترینوں کا یہ خیال تھا بلکہ قرب و جوار میں مشہور بھی تھا کہ جنگل کا مخصوص حصہ بھوتوں کا اڈہ ہے۔ فریدی پر ایک طرح کی نش آور

کیفیت طاری تھی جسکے تحت وہ بنتے ہی جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے قبیلے مشتمل ہوئے۔

اور آخرا کاروہ پکڑا کر گرپڑا۔ حمید اور انچارج دوڑ کراس کے قریب پہنچے۔ وہ بیہوش ہو چکا کار دوبارہ واپس جا رہی تھی۔

”ارے یہ معاملہ کیا ہے؟“ انچارج نے گھبراہٹ میں کہا۔
”کہو، بھی کچھ اس کا مطلب سمجھ میں آیا۔“ فریدی نے کہا۔

”نہ جانے کیا بات ہے۔ میں خود چکر میں ہوں۔“ حمید نے فریدی کو چھوڑتے ہوئے کہا۔ ”لیکن فریدی کے چہرے پر ہوش کے کوئی آثار پیدا نہ ہوئے۔“

”اب کیا کیا جائے۔“ حمید نے انچارج کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میرا خیال ہے کہ یہ جگہ ضرور بھوتوں سے بھری پڑی ہے۔“

”پھر وہی حماقت کی بات۔“

”میں نے پہلے ہی عرض کر دیا تھا۔“

”تمہارا قصور نہیں ہر شخص یہی سمجھے گا۔ مجرم نے اپنے جنم پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ

”میں نے پہلے ہی عرض کر دیا تھا۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”اپنی اس حرکت سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ حقیقتاً اس قتل میں بھوتوں کا ہاتھ ہے۔“

”لغو.....!“ حمید نے منہ بنتا ہوئے کہا۔ ”اچھا انچارج صاحب آپ دو آدمی میرا ساتھ کر دیجئے۔ میں انہیں اسی حالت میں شہر لے جاؤں گا۔“

”اسی چیز نے تو مجھے اس نتیجے پر بخینچے میں مددی ہے۔ تمہیں یاد ہو گا کہ جب سنگین نے

حمدید نے گیدڑ کی لاش اور بقیہ دو چیزیں وہیں پڑی رہنے دیں اور بیہوش فریدی کا کانہ بوٹی سے کٹا کر چھنا کا پیدا کیا تھا اس وقت سب سے پہلے میں ہی اسے دیکھنے کے لئے جھنا

ڈال کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ خود کارڈ رائیو کر رہا تھا۔ راستے میں ہی فریدی کو ہوش آگئا۔ جیسے ہی میں جھکا، ایک تیز قسم کی نوٹ نے میرا دماغ پر اگنڈہ کر دیا۔ لیکن اس وقت میں نے

وہ بچھلی سیٹ پر لیٹے ہی لیٹے بولا۔ ”حمدید ہم کہاں جا رہے ہیں۔“

”اوہ..... آپ ہوش میں آگئے۔“ حمید نے جلدی سے کار روکتے ہوئے مڑ کر کہا۔ لاش برآمد ہوئی میں نے اس کی بیوت کذاں دیکھ کر ہنسنا شروع کر دیا۔ مجھے سخت حیرت تھی کہ

اٹھ کر بیٹھ گیا اور طویل انکرانی لیتے ہوئے بولا۔

بالکل پہلے محسوس کرنے لگا۔ انتہائی کوشش کے باوجود بھی میری بھی نرک سکی۔ اور اس کے

بعد جو کچھ ہوا وہ تم جانتے ہی ہو۔ ہاں تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان بتوکوں میں کسی قسم کی گیس

”وہ تو میں وہیں چھوڑ آیا۔“

”ارے.....!“ فریدی سیٹ پر اچلتے ہوئے بولا۔ ”بُرے احقیقی ہوتم۔ چلو فوراً کاروہ تھی جس کے اثر سے میری یہ حالات ہوئی۔ مجھے ابھی طرح یاد ہے کہ دوسری بتوکل کے منہ پر

”بُرے ابھیاں کپ بلات تھا..... وہ گیدڑ اور بولٹیں کہاں۔“

”””

ایک مضبوط کارک لگا ہوا تھا۔ خدا کرے ان احقوں نے اسے کھولانہ ہو۔ ورنہ ایک اہم چیز ضائع ہو جائے گی۔

”اف میرے خدا۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”اور اب مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ بد معاشوں کا اڈہ تینیں کہیں قریب ہیں۔ جلدی اتنا مکمل پلان بنالیتا آسان کام نہیں۔ بھی ذرا کارک رفتار اور تیز کرو۔ کہیں ان کوئی اس بوقت کو کھولنے ڈالے۔“

حمد نے کارک رفتار اور تیز کر دی۔

لیکن وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ان دونوں کی روائی کے بعد ہی ایک کاشیل نے اٹھا لی اور اس کا کارک نکال کر سو گھنے لگا۔ اچاک اس پر بھی نہیں کا دورہ پڑا اور تھوڑی بھی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ فریدی اور حمید اس وقت وہاں پہنچے جب دوسرے کاشیل اس میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ سب سری طرح خوفزدہ تھے۔ ان دونوں کو رہا انہوں نے بیک وقت جلدی سارا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ کئی نے تو یہاں تک کہ ”چاہے نوکری رہے چاہے جائے..... وہ اب کسی قیمت پر وہاں نہ ٹھہریں گے۔“ ”تم لوگ ڈر نہیں۔“ فریدی نے انہیں دلاسر دیتے ہوئے کہا۔ ”اگر یہ بوقت کبھی اس حال کو نہ پہنچتا۔ اب تم میں سے کوئی بے ہوش نہ ہوگا۔ لیکن اس کا افسوس ہے نے اپنی یقوتی سے میرا بہت نقصان کر دیا۔“

”میں کچھ سمجھا نہیں۔“ انچارج نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

”ان بوقتوں میں کوئی نش آور اور ہنسانے والی گیس بند تھی۔“ فریدی نے سنجیدگی۔

”ہنسانے والی گیس.....“ انچارج نے کہا۔ ”رانے والی گیس تو میں نے دیکھی۔“ ”ہنسانے والی گیس کا آج تک نام بھی نہیں سن۔“

”اگر رلانے والی گیس بن سکتی ہے تو ہنسانے والی گیس بنانے میں کیا دشواری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مجرم کے علاوہ اور کسی نے اب تک اس طرف دھیان نہ دیا۔“

”مگر صاحب آپ کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔“ انچارج نے کہا۔

”افسوں تو اس بات کا ہے کہ وہ چیز ضائع ہی ہو گئی ورنہ میں سمجھا دیتا۔“

گیدڑ کی لاش اب تک اسی حال میں پڑی ہوئی تھی۔ فریدی نے آئشی شیشہ نکال کر بتوڑ کا جائزہ لینا شروع کیا۔

”افسوں کا اس کاشیل کی انگلیوں کے نشانات کے علاوہ کوئی اور تاثان اس بوقت پر نہیں اور یہ ٹوٹی ہوئی بوقت کے مکرے۔۔۔ ان پر بھی کچھ نہیں۔۔۔!“

”مگر وہ شعر۔۔۔!“ حمید جلدی سے بولا۔ ”کم از کم مجرم کی تحریر تو ہمارے ہاتھ آگئی۔“

”بہت اچھے۔“ فریدی اس کی طرف ترقی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”مگر حیرت

ہے کہ مجرم اتنی اختیاط برترتے کے باوجود بھی یہاں کیسے چوک گیا۔ ذرا اپک کروہ کاغذ کھولنا۔“

گیدڑ کی لاش سے وہ کاغذ کھول کر جب حمید پلانا تو اس کامنہ بُری طرح لٹکا ہوا تھا۔

”اس پر تو میں نے دھیان نہیں دیا۔“ اس نے کہا۔

”کیا۔۔۔؟“

”یہ شعر کسی کتاب سے کاٹ کر اس کاغذ پر چپکا دیا گیا ہے۔“

”یہی تو میں نے کہا کہ اتنے چالاک آدمی نے بھلا ایسی حماقت کیے کی۔“ فریدی نے کہا۔ ”حید صاحب اس مرتبہ اچھا خاصہ معہ ہاتھ آیا ہے۔“

عجیب و غریب چڑیا

فریدی رومال بچھا کر زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ سگار کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نیم خوابی کی سی حالت میں گیدڑ کی لاش پر جمی ہوئی تھیں۔ کاشیل آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ حید گڑھے کی بقیہ مٹی نکال کر ایک طرف ڈھیر کر رہا تھا۔ اسے اب بھی امید

تحی کے جلد ہی کوئی چیز مل جائیگی۔ جس سے سراغ لگانے میں آسانی ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ تمہاری پیشانی سے پیسہ پوچھتے لگا۔ فریدی کی نگاہیں اب قرب و جوار کی زمین کا طواف کرتی تھیں۔ بالکل ایسا ہی لگتا ہے ناجیسے کسی اوت کو گوریا کے پنج عطا کردیے گئے ہوں اور دوسری بات دیکھو، یہاں چار نشانوں کا درمیانی فاصلہ چار پار انگل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس جگہ چیزاں کے وہ قدم پورے ہوئے۔ پہنچ یہ کہ اتنی وزن دار چیزاں نے چھوٹے پیر رکھتی ہے کہ وہ چار انگل سے زیادہ نہیں پھیل سکتے۔ یہ چار انشان یہاں ختم ہو گئے۔ اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ نٹ کے فاصلے پر پھر دیے یعنی چار نشانوں۔ نٹ ہیں لہذا دوسری مسحکہ خیز بات یہ ہوئی کہ یہ چیزانہ وہ قدم چلنے کے بعد ڈیڑھ فٹ کی جست نیچتی ہے آگے بڑھتے آؤ۔ یہ دیکھو کہیں بھی اس کے معمول میں فرق نہیں آیا۔ وہ قدم چلنے کے بعد اس کے لئے ڈیڑھ فٹ اچھلا ضروری ہے۔ کوئی بھی ایسی چیزیا خاب میں بھی دیکھی تھی۔ اس پیاوے کی رسمی۔

”فریدی صاحب میں پھر کہتا ہوں کہ یہ بھوت.....!“

”لاحل ولاقوة.....!“ فریدی حمید کی بات کاشتے ہوئے بولا۔ ”پھر وہی چغپن کی باقی۔“

”تو پھر اور کیا کیا جائے۔“

”ابھی کچھ کیا ہی کیوں جائے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور دوسری بات یہ دیکھو یہ چیزاں طرف سے آئی، گڑھے تک گئی اور پھر اسی طرف واپس چلی گئی۔“

”واثقی بڑی عجیب بات ہے۔“ فریدی نے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور دلچسپ بھی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”ایسی عجیب و غریب چیزاں کا شکار دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کیا تم اپنا پسول ساتھ لائے ہو۔“

”پسول تو ہے میرے پاس.....مگر.....مگر.....!“

”مگر بہاؤ نہیں..... میری موجودگی میں یہاں کے بھوتوں تھرا رکھنیں بکاڑ سکتے۔ آؤ کمرے ساتھ چلو۔“ فریدی نے اس کے کانڈھے پر باختر رکھتے ہوئے کہا۔

”کیا ان لوگوں کو ساتھ لے چلے گا۔“ حمید نے کانٹیلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”عجیب ڈرپوک آدمی ہو..... اتنے آدمی دیکھ کر اگر چیزاں اڑ گئی تو..... تمہیں تو کوئی

”حمدید..... حمید یہاں آؤ۔ تمہیں ایک دلچسپ چیز دکھاؤ۔“

حمدید اپنے کمی جھاڑتا ہوا اس کی طرف پاکا۔

”یہ دیکھو.....“ فریدی نے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”کیا.....! مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔“

”ارے بھائی۔“ فریدی نے زمین پر بیٹھتے ہوئے کہی چیز کی طرف اشارہ کیا۔

”جی ہاں یہ کسی چیزاں کے بیچوں کے نشان ہیں۔“

”تو کیا یہ عجیب بات نہیں۔“

”عجیب بات۔“ حمید قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ ”مجھے تو اس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں آتی۔ بھلا کسی چیزاں کے بیچوں کے نشانات میں کیا عجیب بات ہو سکتی ہے۔“

”بھائی مان گیا۔“ فریدی ہنسنے ہوئے بولا۔

”کیا.....؟“

”یہی کتم زندگی بھرا ایک کامیاب جا سوں نہیں ہو سکتے۔“

”چلنے میں اسے مانے لیتا ہوں۔ لیکن آخر یہ تو بتائیے کہ ان نشانات میں عجیب بات کون سی ہے۔“

”زمین دیکھ رہے ہو کتنی سخت ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ابھی تک بارش گی نہیں ہوئی۔ ایسی صورت میں کسی معمولی چیزاں کے پنج اتنے گھرے نشانات نہیں بنائے گئے۔ تو ہم اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا وزن ڈھائی تین من سے کسی طرح کم نہ ہوگا اور اتنے وزن کا

کہانیاں سنانے والی دادی اماں ہوتا چاہے تھا۔ مرد بنو خوردار.....!

”چلے صاحب۔“ حمید مردہ سی آواز میں بولا۔

”ہمیا تم بِر امان گئے۔ اے بھائی راستہ کئنے کے لئے بھی تو کچھ ہونا چاہے۔ معلوم نہیں

بھی اور کتنی دور چلتا ہوگا۔“

دونوں ان عجیب و غریب نشانات کو دیکھ کر آگے بڑھنے لگے۔ آگے چل کر پھر جو ”میرا خیال ہے کہ کیوں نہ اس کیس کو معمولی تقسیم کے بعد ٹالی ہی دیا جائے۔ میں آپ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جہاڑیوں کے درمیان ایک بل کھاتی ہوئی پگڈی عذری دور تک چل گئی کوئی حقیقتی دلایا ہوں کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”دیکھو میاں حمید یہ چڑیا ہم لوگوں کی طرح عتمد معلوم ہوتی ہے کہ جہاڑیوں میں گئے“ فریدی نے حمید کی بیٹھنے کوئے کہا۔ بجائے پگڈیوں ہی پر چلتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ کافی پڑھی لکھی بھی ہو۔ کیا خیال، ”لیکن حمید صاحب یہ پہلا کیس ہے جس میں مجھے صحیح معنوں میں لطف آ رہا ہے۔“

”میں کیا بتاؤں۔۔۔ آپ رو حانیت وغیرہ کے تو قائل ہی نہیں۔ خیر بھی نہ کہی جائے۔۔۔ یہ دونوں اب چڑیا کے بچوں کے نشانات پر چلتے ہوئے تقریباً ایک میل تک آئے تھے۔“

ہوتا ہی پڑے گا۔ ممکن ہے کہ اسی کیس کے سلسلے میں آپ کو اپنے خیالات تبدیل کرنے پڑے۔ یہاں آ کروہ پگڈی عذری ایک کچھ سڑک سے مل گئی تھی۔ سڑک کے اس پار پھر گھنیری جہاڑیوں کا ”بھی تھیں اس مجھے میں آنے کے لئے کس نے کہا تھا۔ تمہارے لئے تو کسی خانہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ یہاں وہ نشانات بھی مت گئے تھے۔ سڑک کے دوسری طرف بھی سجادہ نشینی ہی بہتر ہے۔ میں تمہیں تمہارے ساتھیوں میں سب سے زیادہ ذہین سمجھتا تھا۔ نشانات دستے۔ فریدی کچھ درستک کھڑا سوچتا رہا پھر چلکی بجا کر بولا۔

”تو حمید صاحب وہ چڑیا یہاں تک پیدل آئی۔ اس کے بعد پھر موڑ پر بیٹھ کر شمال کی نکلنے زے گاڑی۔ لا حول ولا قوۃ۔“

”آپ جو چاہیں کہیں مگر مجھے پورا القین ہے کہ یہ سب کسی انسان کا کام نہیں۔“ طرف روانہ ہو گئی۔

”اچھا چلو وہ بہوت ہی سکی۔ لیکن واضح رہے کہ میں اپنے علاقے میں ایسے نہیں۔“ حمید بے ساختہ ہنٹنے لگا۔

”اس وقت مجھے اپنا بچپن یاد آ رہا ہے۔“ حمید بھی روکتے ہوئے بولا۔

”تم شاید مذاق سمجھ رہے ہو۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”یہ دیکھو موڑ کے پیوں کے کیوں۔۔۔ کیا بھوت تمہارے کوئی رشتہ دار ہیں۔ اگر ایسا ہے تو میں اپنے الفاظ نہیں۔۔۔ نشانات جنوب کے طرف کیں نظر نہ آتے۔ کوئی موڑ یہاں تک لے آیا۔ اس کے بعد پھر جنوب کی طرف سے شمال کی طرف گھمایا گیا۔۔۔ یہیں سے چڑیا کے بچوں کے نشانات بھی لیتا ہوں۔“

”عائب ہیں۔۔۔ بہت ممکن ہے کہ چڑیا موڑ کی آوازن کراڑ گئی ہو۔“

”پھر وہی بچپنے کی باتیں۔۔۔ اے میاں اگر وہ ڈھائی تین من کی چڑیا اڑ سکتی ہوتی تو اسی ”پول کیوں آتی۔“

”سکر رہی بے پور کی۔“ حمید قہرہ لگا کر بولا

”خدا کا شکر ہے کہ تم نہیں تو۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”اچھا آؤ۔۔۔ اب اس موڑ

”آپ تو سمجھتے نہیں۔“ حمید بِر امان کر بولا۔

”کیا نہیں سمجھتا۔۔۔؟“

”خیر ہو گا۔۔۔ ہٹائیے۔۔۔ مجھے کیا۔“

”آخڑ کچھ کہو بھی تو۔“

”اب زیادہ حق تھیں بننا چاہتا۔“

کے پیچے چلیں۔“

پائیں باغ کے چالک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ دونوں باغ میں داخل ہو گئے۔“

اپاںک ایک بڑا کتابخانہ والا ان کی طرف چھپنا۔

”جیک..... جیک.....!“ ایک نسوانی آواز آئی اور کتاب دھلاتا ہوا لوٹ گیا۔

”آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہے ہیں؟“ عورت قریب آ کر تیز لمحے میں بولی۔ یہ ایک قول صورت جوان عورت تھی۔ لباس کا رکھ رکھا اور انداز گفتگو ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس گھر کی مالکہ ہے۔ اس نے پیازی رنگ کی جارجٹ کی ساڑھی پین رکھی۔ بال پشت پر تکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی کشش تھی۔ سرجنت حمید ایک خوبصورت اور جوان عورت کو اپنے قریب دیکھ کر کچھ بولکھلا ساگی۔ لیکن فریدی کے انداز میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی۔ وہ نہایت پرکون لمحے میں بولا۔ ”محترمہ! ہم لوگ ملکہ سراج منی سے تعلق رکھتے ہیں۔“

”خیر خدا کاشکر ہے کہ آپ لوگ چوکے تو۔“ اس نے طنزی انداز میں کہا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ فریدی نے متھر ہو کر کہا۔

”بہت خوب..... تو گویا آپ لوگ اس باغ میں بغرض تفریخ تشریف لائے ہیں۔“

”میں نہیں..... ہم لوگ تو.....!“

”خیر چھوڑیے ان باتوں کو۔ کچھ سراج ملا..... میں بہت پریشان ہوں۔“ وہ بولی۔

فریدی اور حمید حیرت سے ایک دوسرے کامنہ ملنے لگے۔

”محترمہ! بندیاں کچھ نہیں سمجھ سکا۔“ فریدی نے کہا۔

”تو..... آپ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔“ وہ غصہ سے بولی۔

”دیکھئے صاف صاف بات کیجئے۔ ہم لوگ ایک قتل کی تفتیش کر رہے ہیں۔“ فریدی نے بے ساختہ کہا۔

”قتل.....!“ وہ چوک کر ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئی بولی۔ ”کس کا قتل.....!“

”ایک گھنام آدمی کا۔“

”دیکھئے صاحب بیکار وقت ضائع نہ کیجئے۔ آپ کو ایک عورت سے مذاق کرنے کی اچھی

”تو گویا وہ سانپ نکل جانے کے بعد لکیر پیٹنے کی مثل صادق آیا چاہتی ہے۔“ زمین پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”اب تو چلانہیں جاتا۔ پہلے آپ یہ تو بتائیے کہ آپ کس پلان پر کر رہے ہیں۔ تب یہ جمل سکون گا۔“

”بچے مت بنو..... چلو اٹھو..... گرمی کے مارے برا حال ہو رہا ہے۔ غنیمت ہیں اسی آج لوئیں چل رہی ہے۔“

”تو کیوں نہ ہم لوگ اپنی کاریہاں لے آئیں..... اور پھر.....!“

”اچھا بکومت ہمیں پیدل ہی چلنا ہے۔“ فریدی نے تلخ لمحے میں کہا۔

”تو میں کب کہتا ہوں کہ پیدل نہ چلوں گا۔“ حمید نے ایسے مقصودانہ لمحے میں اسی فریدی کو بے ساختہ بھی آگئی۔

دونوں پھر موڑ کے پہیوں کے نشانات دیکھتے ہوئے شمال کی طرف روانہ ہو گئے۔

چل کر جھاڑیوں کے سلسلے کم ہو گئے تھے۔ تقریباً چار فرلانگ چلنے کے بعد ایک چھوٹا سا گاؤں کو دکھائی دیا۔ کچی سڑک اس گاؤں کے باہر سے ہوتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ دونوں رہے۔ ایک پختہ اور نیوضخ کی عمارت دور سے ہی دکھائی دئے رہی تھی۔

”یہ غالباً اس گاؤں کے زمیندار کا مکان معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

دونوں عمارت کے قریب پیغام چکے تھے۔ یہ تئے طرز کی ایک بڑی عمارت تھی جس کے چار دیواری میں گھرا ہوا پائیں باغ تھا۔

”دیکھئے یہ موڑ کے پہیوں کے نشانات میدان حشر میں لے جاتے ہیں یا.....!“

”ٹھہرو.....!“ فریدی حمید کی بات کا شاہراہ ہواز میں پر جھک گیا۔

حمد بہ اسمنہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”یہ دیکھو..... شاید وہ چڑیا ہیں پر موڑ سے اتری ہے۔“ فریدی نے چڑیا کے پہلو نشانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو کہیں کہیں نظر آ رہے تھے، فریدی نشانات کو

فریدی کو اپنی حماقت پر افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے چیزیا کا راز اتنی جلدی کیوں اگل دیا۔

عزمیوں کی دوپہر میں اتنی سافت پیدل طے کر کے ذہنی توازن برقرار رکھنا آسان کام نہیں۔

”انپکڑائے کے فریدی“، عورت نے آہستہ سے کہا۔ ”فریدی صاحب! معاف بکجئے! بہر حال اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ فوراً سنبل کر بولा۔

میں بہت پریشان ہوں۔ پرسوں رات سے میری سیکھی بولا غائب ہے۔ وہ دو ماہ کے لئے بہار۔ ”محترمہ بات دراصل یہ ہے کہ ہم لوگ آپ ہی کے معاملے کی تحقیقات کر رہے ہیں۔

آئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کے والدین کو کیا جواب دوں گی۔ میں نے پہلی بھی بھی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بہاں سے تم میں کے فالٹے پر کسی گڑھ سے ایک لاش

میں روپورٹ درج کرائی تھی۔ اس وقت سمجھی کہ شاید آپ لوگ اسی کے متعلق کوئی اطلاع دبپر آمد ہوئی ہے۔ لیکن وہ کسی ٹرد کی ہے آپ پریشان نہ ہوں۔“

”آپ کی تو کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ ابھی تو آپ چیزاں.....!“

”محترمہ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔ ہم تو اس وقت ایک عجیب و غریب چیزیا کا پیچھا کر رہے ہیں۔“ آپ کی بات کاٹتا ہوا بولा۔ ”ہم سرانگ رسانوں کے کام

”ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔“ وہ اس کی بات کاٹتا ہوا بولے۔ ”ہم آپ کی سیکھی کے متعلق کوئی اطلاع نہیں۔“ کرنے کے طریقے عوام کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ بہر حال اگر تکلیف نہ ہو تو پہلے ہمیں تھوڑا سا

”مجھے سخت تشویش ہے..... اگر شام کو بہاں کی پولیس نے کوئی خبر نہ دی تو میں یقیناً پالن پالیے۔ اس کے بعد ہم لوگ کسی قاعدے کی بات کے قابل ہو سکیں گے۔ آپ دیکھتی

معاملے کو آگے بڑھا دوں گی۔“

”اگر آپ مجھے اس چیزا کی تلاش میں مدد دے سکتے تو شکر گزار ہوں گا۔ آپ اطہاناں“ ”ضرور..... ضرور..... اندر تشریف لے چلتے۔“ وہ براہمے کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔

رکھئے۔ میں آپ کی سیکھی کا پتہ لگانے کی کوشش کروں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔“

”براہمے میں پہنچ کر دنوں نے اپنے کوت اتار کر کر سیوں پر ڈال دیے اور رومال نے“ ”بھلامیں کیا بتا سکتی ہوں۔ اس باغ میں دن بھر بے شمار پرندے آتے ہوں گے۔“ چڑال کا پسند پوچھتے آرام کر سیوں پر گر گئے۔

”بہاں بھی کافی تیش ہے۔“ عورت بولی۔ ”میرے خیال سے اندر ٹھیک رہے گا۔“ مسکرا کر بولی۔

”نہیں یہ پرندہ اپنی نویعت کا ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

لاش کی شناخت

”یہی کہ اس کا وزن دوڑھائی من سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔“ حمید نے جلدی سے کہا۔

”آپ تو ظلم ہو شربا کی باتیں کر رہے ہیں۔“ وہ بے ساختہ پس پڑی۔

”یہ سرجنت حمید ہیں۔“ فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”بہت دلپخت“ ذرا لٹک روم میں پہنچ وہ کرسوفوں پر بیٹھ گئے۔ عورت نے ملازم کو بلا کر پانی لانے کو کہا۔

”آدمی ہیں۔ آپ ان کی باتوں کا کچھ خیال نہ سمجھے گا۔“

”اوہ کوئی بات نہیں۔“ عورت مسکرا کر بولی۔

”میں تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ ننگے پر بغیر سامان لئے یہاں سے چل جائے۔“

”ننگے پر..... کیا مطلب۔“

”جی ہاں..... سارے سینٹل اس کے کمرے میں موجود ہیں اور وہ سارا سامان بھی جو وہ

اپنے ساتھ لائی تھی۔“

”حیرت کی بات ہے۔“ فریدی حمید کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”اچھا یہ بتائیے اس

”وران میں ان کے پاس باہر سے کچھ خطوط بھی آئے تھے۔“

”جی ہاں..... یہ زیادہ تر ان کے والدین یا مغتیر کے ہوتے تھے۔“

”ہوں.....!“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”کیا آپ کو ان خطوط کے دیکھنے کا بھی

اتفاق ہوا۔“

”جی نہیں۔“

”ان کے مغتیر کا کیا نام ہے؟“

”رندھر سنگھ۔“

”رندھر سنگھ.....!“ فریدی تقریباً اچھلتے ہوئے بولا۔ ”کیا آپ نے اسے دیکھا بھی ہے۔“

”کیا بار.....!“

”کیا وہ بھی یہاں آیا تھا۔“

”نہیں میں اس سے کان پور میں مل چکی ہوں۔“

”تب آپ کو میرے ساتھ کو تو اسی تک چلنے کی زحمت کرنی پڑے گی۔“

”کیوں.....!“ عورت متھر ہو کر بولی۔

”آن جس شخص کی لاش دھرم پور کے جنگل میں ملی ہے اس نے بھی اپنا نام رندھر سنگھ

نکھلایا تھا۔“

”اُسے..... تو گویا..... تو گویا۔“ عورت کا پتے لگی۔

”مگر ان کی کوئی بات نہیں۔“ فریدی اٹھتے ہوئے بولا۔ ”جلدی کیجیے۔“

شوکت دیکھ کر متھر ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ملازم شستے کے جگ میں مختلا پانی الیار

”میرے خیال سے کچھ کھا بھی کیجیے۔“ عورت بولی۔

”جی نہیں شکریے۔“ فریدی نے پانی کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”دونوں نے جی بھر کر پانی پیا۔ کچھ دیز نک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔“

”واقعی بولا دیوی کا اس طرح غالب ہو جانا حیرت انگیز ہے۔“ فریدی بولا۔

”حمدید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ حضرت پڑیا۔

”دیوی تک کیوں کر جا پچھے۔“

”کیا بتاؤں اسپکڑ صاحب کر مجھے کتنی پریشانی ہے۔“

”قدرتی بات ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔

”اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے والدین کو کیا جواب دوں گی۔“

”کیا آپ نے انہیں اس کی کوئی اطلاع دی۔“

”اب تک تو نہیں..... سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کیا لکھوں۔“

”تو کیا وہ کہیں دور رہے ہیں؟“ فریدی نے کہا۔

”جی ہاں..... کان پور میں..... اس کے والدین وہاں روئی کے بہت بڑے تاجر۔“

”شاید آپ نے نام سنा ہو گا۔ سیٹھ کرم چند۔“

”اوہ اچھا..... تو وہ یہاں اپنے شوہر سے لا کر آئی تھیں۔“ فریدی بولا۔

”نہیں صاحب..... ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی۔ وہ میری کلاس فیلور چکی ہیں۔“

”تبدیلی آپ وہو کے لئے یہاں آئی تھی۔ تقریباً ایک ماہ کی بات ہے۔“

”اور ابھی ایک ماہ اور رہنے کا ارادہ تھا۔“

”جی ہاں۔“

”کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی وجہ سے آپ کو اطلاع دیے بغیر کانپور چلی گئی ہوں۔“

دھنٹا روازے پر کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی اور ایک ادھیر عمر کا مضبوط آڑا

میں داخل ہو کر کھڑا ہو گیا۔ وہ خلاء میں تاک رہا تھا۔

اس نے چالوں قمیش پہن رکھی تھی۔ بڑے سے لمبڑے چہرے پر اس کی دیران آنکھیں بہت ہی خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔ دہانہ کافی پچھلا ہوا تھا اور دونوں گھنے بالوں کی لکریں تھیں چہرہ اک طرح صاف تھا جیسے اس نے ابھی ابھی شیوکی ہوئے کے ساتھ ساتھ اس کی پھولی ہوئی تاک کے نتھے پھول پچک رہے تھے۔

بازوؤں کی ابھری مچھلیاں آسمیں کے اوپر سے صاف ظاہر ہو رہی تھیں۔

”یہاں کون ہے۔“ وہ گرج کر بولا۔

عورت گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

”جی یہ ٹھکرے سرانی کے انپکٹر فریدی صاحب ہیں۔ بمالا دلے کیس کی تحقیقانہ تین سال ہوئے ان کا انتقال ہو گیا۔“ سلسلے میں آئے ہیں۔“ وہ بولی۔

”اچھا.....!“ وہ چھڑی سے زمین ٹوٹ لئے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر ایک مر پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”کہنے انپکٹر صاحب کچھ پڑھ جاؤ۔“

”ابھی تک تو کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ مجھے اپنے ساتھ کو تو ایسے جانا چاہتے ہیں۔“ عورت بولی۔

”کیوں.....!“ اس نے تیز آواز میں کہا۔

”یہاں کہیں کوئی قتل ہو گیا ہے۔“

”تو پھر اس قتل سے تمہیں کیا سروکار۔“ بوڑھے کے لمحے میں حیرت تھی۔

”میرا خیال ہے کہ متول بمالا دیوی کا مگتیر ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”چلے یہکہ نہ شد دو شد۔“ وہ جھنجلہ کر بولا۔ ”ابھی بمالا ہی نے تاک میں دم کر کر انہی طرح کا پینے لگی۔ وہ بچھ بھلا کے مغتیر ہی کی لاش تھی۔ اس نے اکشاف پر کو تو ایسی میں

اب ان کے مغتیر بھی اللہ کو پیارے ہو گئے..... لا حول ولا قوة..... جاؤ بھی جاؤ..... لیکن ہل جل جائیں گے۔ رندھر سنگھ اور بمالا کے والدین کو سرکاری طور پر تاریخے گئے، عورت بڑی طرح لوٹ آئی۔ خبردار! اب تمہاری کوئی منحوس سیلی اس گھر میں قدم نہ رکھنے پائے۔“

وہ تینوں اٹھ کر باہر آئے۔ عورت نے ڈرائیور سے کار لانے کو کہا اور تینوں شہر کی طرف

روانہ ہوئے۔

”میرا! ایک بات پوچھ سکتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ کون صاحب تھے؟“
”خٹا کر دلیر سنگھ..... میر، مرحوم شوہر کے بڑے بھائی۔“
”تو کیا یہ نامیا ہیں۔“

”جی ہاں..... دو برس ہوئے ان کی آنکھوں کی روشنی ختم ہو گئی۔“

”اگر کچھ ہرجنہ ہو تو اپنے خاندان کے متعلق بھی بتا دیجئے۔“ فریدی نے کہا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“ عورت فریدی کو گھوڑتے ہوئے بولی۔

”میں اپنی اطلاع کے لئے آپ کے خاندانی حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

”اوہ..... کیا آپ نے مشہور سائنسدان پر کاش بابلو کا نام نہیں سن۔ وہ میرے شوہر تھے۔“

”تمن سال ہوئے ان کا انتقال ہو گیا۔“

”پر کاش بابا!“ فریدی نے آہستہ سے دھر لیا۔ ”وہی تو نہیں جو جھیل میں ڈوب گئے تھے۔“

”جی ہاں وہی، ان کے بعد سے ان کے بڑے بھائی خٹا کر دلیر سنگھ میرے نگران ہیں۔“

انہیں نے مجھے پاہی کے گھر نہیں جانے دیا۔ میرے پتا ایک روشن خیال آدمی ہیں۔ وہ میری

”مری شادی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔“ مگر میں یہ سب کچھ کیوں کہہ رہی

ہوں۔ آپ کو میرے خاندانی حالات سے کیا سروکار.....؟“

”اگر اس سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔“

”کوئی بات نہیں..... یہ تذکرہ میرنے لئے بہت ہی اندوہ تاک ہوتا ہے۔“

کو تو ایسی پہنچ کر انپکٹر فریدی اسے لاش والے کرے میں لے گیا۔ لاش کو دیکھ کر عورت

”لیکن میں دم کر کر انہی طرح کا پینے لگی۔ وہ بچھ بھلا کے مغتیر ہی کی لاش تھی۔ اس نے اکشاف پر کو تو ایسی میں

خائف تھی۔ آفیروں کی گفتگو سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ شاید اسے حرast میں لے لیا جائے۔

”فریدی صاحب! میں تو بڑی پریشانی میں پھنس گئی۔“ عورت پریشانی کے بعد اس عجیب و غریب چیز کی ناگزینی کاٹ لایا ہوں۔“

”لگھرا یے نہیں! چلنے میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آؤں۔“

حمدیہ تھے اس کامنہ دیکھ رہا تھا۔
فریدی حمید کو تو ای میں چھوڑ کر خود اس عورت کے ساتھ چلا گیا۔

”میری ہنر کر دنوں نے کھانا کھایا اور ایک ایک سارے لگا کر آرام کرسیوں پر گر گئے۔

”زیدی دوستی لے بے لہش لینے کے بعد بولا۔“ بھائی وہ عورت“

”کافی خوبصورت ہے۔“ حمید نے اس کی بات کاٹ کر جملہ پورا کر دیا۔

”پھر وہی حادثت کی باتیں۔“

”اُن خرآپ اس موضوع سے کیوں بھاگتے ہیں۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

دوسری لاش

فریدی جب اس عورت کو پہنچا کر واپس آیا تو کوتوالی میں سرجنت حمید کو اپنا خفتر پر اسے رُدی طرح گھوڑ گھوڑ کر دیکھ رہا تھا۔

”کیوں بھی اس طرح یوں گھوڑ رہے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”میں آپ کے ہونڈ پر لپ اسنک کے دھبے تلاش کر رہا تھا۔“ حمید نے سادگی سے مسکرا کر کہا۔

”بڑے گندے خیالات ہیں تمہارے۔“ فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔

”جی نہیں میں انہائی پاک و صاف خیالات کا آدمی ہوں۔ جبھی تو میں یہاں پہنچنے کے ساتھ اسی مکان میں رہتی ہے۔ وہ اندر ہٹا کر دیکھنے بھی چھوڑ دیا گیا تھا۔“

”اوہ! تو یہ کہوتم ابھی خاصے گدھے ہو۔ اگر تم میرے ساتھ ہوتے تو میں کبھی ایتھے جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ باقی نہ معلوم کر سکتا۔“

”تھی ہاں ایسے موقعوں پر بھی ہوتا ہے۔“ حمید بدستور اسی طرح منہ چلاتے ہوئے۔ میں آئیں۔ بولا کے کمرے کی ٹھانی لی وہاں کوئی خاص چیز نہیں مل سکی۔ اس کے دوران قیام

”بھائی خدا کے لئے اب تم جلدی سے شادی کر ڈالو ورنہ اپنے ساتھ مجھے بھی لے۔“ میں اس کے پاس جو خطوط آئے تھے انہیں بھی دیکھا لیکن کوئی کام کی بات نہ معلوم ہو سکی۔ گے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”نہیں صاحب! آپ اطمینان رکھئے۔ میں اکیلا ہی ڈوبوں گا۔“

”چا آدمی ہے۔ اس نے کسی بات کا بھی جواب شرافت اور سخیگی سے نہ دیا۔ میرا خیال ہے کہ اچھا بس چھپر پن ختم کرو۔ مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ ابھی تک رات کا کھانا یا لوگ کافی دولت مند ہیں اور آدمی کا ذریعہ ان کی جائیداد ہے۔ ان کا حلقة احباب زیادہ وسیع نہیں کھایا۔ چلواب گھر چلیں۔ وہیں باقی ہوں گی۔ چلو تمہیں ایک دلچسپ خبر سناؤں گا۔“

نہیں ہے۔ دو تین آدمی اکثر ان کے بیہاں آ کر نگہدا کرتے ہیں اور بس..... ان میں ڈاکٹر ہے۔ ایک تاجر اور ایک وکیل۔ یہ سب یہیں شہر میں رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک بات کا کیا بیوٹ ہے کہ واقعی وہ عورت جتوں کے استعمال کرنے والے سے ناواقف ہے۔

زیادہ ملکوک چال چلن کا آدمی ہے۔ وہ ہے ڈاکٹر ٹیش لیکن یہ میرا زادی خیال ہے۔ تو اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ویسے وہ میری بیلک لست پر ہے اور شاید میرے اور اس کے کارنا مول سے واقف بھی نہ ہو۔

”ابھی تک تو ان باتوں میں مجھے کوئی کام کی بات نظر نہیں آئی۔“ حمید نے کہا۔“ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی نظروں میں چڑیا کے بیجوں کی اتنی اہمیت دیکھ کر اس نے بھی مناسب سمجھا کہ جوتے آپ کے حوالے کر کے آپ کا شہر اس مکان کے رہنے والوں کی طرف

سے دور کر دے۔ کیونکہ چڑیا کے بیجوں کے نشانات اس کے کپاؤٹ میں بھی پائے گئے تھے۔“

”بہرحال اس سے اس کی بے گناہی تو ثابت ہی ہو گئی۔ رہ گئے اس گھر کے درمیے

لوگ یادہاں آنے جانے والے، تو ان کے علاوہ اور کون ان جتوں کو پہن سکتا ہے۔“

”کچھ بھی ہو..... معاملہ بہت الجھا ہوا ہے۔ میرے خیال سے تو اس گھر بھر کے لوگوں کو

”ملکوک تو میں بھی تھا۔ لیکن اب یہ خیال بدل دیتا پڑا کیونکہ اس چڑیا کی طلاق میں حرast میں لے لیتا چاہئے۔“

”لیکن میں اسے درست نہیں سمجھتا۔ میں نے سروج کو سمجھا دیا ہے کہ وہ ان جتوں کے

بارے میں کسی سے تذکرہ نہ کرے۔ حتیٰ کہ دبیر سکھ کو بھی یہ بات نہ معلوم ہونے پائے۔ ان

لوگوں پر شہر ظاہر کرنے سے قاتل بہت زیادہ محتاط ہو جائے گا۔“

”غیر بہرحال اب آپ نے کیا سوچا ہے۔“ حمید نے جمالی لیتے ہوئے کہا۔

”میں گیارہ بجے کی گاڑی سے کان پور جا رہا ہوں۔“

”کیوں..... وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ بکلا اور رندھیر کے والدین کو تارے

دیئے گئے ہیں۔“

”مجھے ان کے والدین سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں تو یہ جانتا چاہتا ہوں کہ رندھیر یہاں

آیا کیوں تھا۔ بہرحال میں کل رات تک یہاں واپس آ جاؤں گا۔ سروج کے مکان کی نگرانی کے

حقائق ہدایات دے چکا ہوں اور تم خاص طور پر سروج پر نظر رکھنا۔“

”عجب معاملہ ہے۔“ حمید اکتا کر بولا۔ ”کبھی آپ یہ کہتے ہیں کہ میرا شہر اس پر نہیں

ہے اور کبھی اس کی نگرانی کا حکم صادر فرماتے ہیں۔“

”کوئی رہا خیال تو ابھی تک نہیں قائم کر سکا۔“

”لیکن مجھے تو وہ ملکوک نظر آتی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ملکوک تو میں بھی تھا۔ لیکن اب یہ خیال بدل دیتا پڑا کیونکہ اس چڑیا کی طلاق میں حرast میں لے لیتا چاہئے۔“

”ہاں..... وہ چڑیا کی ناگوں کا قصہ کیا ہے۔“

”قصہ کچھ نہیں۔ جو خیال میں نے پہلے قائم کیا تھا وہ کچھ نہ کیا۔ میں نے دوران گنگہ

سرروج سے چڑیا کے بیجوں کا تذکرہ کیا۔ سارے واقعات سن کر وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر ابھی چوک پڑی۔ میں نے اسے وہ نشانات دکھائے بھی۔ اس کا چیڑہ اتر گیا۔ وہ مجھے اپنے شوہر

عجائب گھر میں لے گئی اور کہنے لگی مجھے تعجب ہے کہ انہیں کس نے استعمال کیا۔ اس جو تھے میں لوہے کے بنے ہوئے چڑیا کے پنج بجلے ہوئے تھے اس نے مجھے بتایا کہ اس

شوہر نے یہ جوتے کی سیاح سے خریدے تھے اور انہیں اپنے عجائب میں اضافہ کیا کر رکھ دیا تھا۔ وہ سخت پریشان تھی۔ بار بار سہی کہتی تھی کہ آخر ان جتوں کو کس نے اش

کیا۔ میں ان جتوں کو اپنے ہمراہ لیتا آیا ہوں اور اسی وقت انہیں فنگر پنٹ ڈیپارٹمنٹ

حوالے کر آیا ہوں۔ اگر مجرم نے موزے بیجن رکھے ہوں گے تو اس میں اس کے چور دلہ

انگلوں کے نشانات ہونے ضروری ہیں۔“ فریدی خاموش ہو گیا۔

”اگر اتنا ہی سمجھتے ہوتے تو میری جگہ پر ہوتے۔“ فریدی نے برا سامنہ بنا کر ”بہر حال جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کرنا اور ہاں گرفتاری سے میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ اکابر باقاعدہ عشق شروع کر دیں آپ کو تو بس موقع ملتا چاہئے۔“

”مطمئن رہئے۔ میں پرائی ہو یہیں کوپنی ہی سمجھتا ہوں۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔ ”بہتر ہے کہ آپ انہیں پرائی ہی رہئے دیں۔ خیر مذاق چھوڑو۔ ہاں اس بات کا مالم خیال رکھنا کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ مکان کی گرفتاری ہو رہی ہے۔“

”گرفتاری کے لئے میں نے انور، کمار اور حیدر کو مقرر کیا ہے اور تم ان کے اچارن ہو دار سے جو اطلاعات ملیں ان کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنا اور ہاں ڈاکٹر سٹیشن کی ڈپسٹری کے پاس الیکٹریشن بیٹھا ہے۔ اس سے تمہیں ڈاکٹر سٹیشن کے متعلق اطلاعات ملیں گی۔ انہیں بھی محفوظ رکھنا۔“

”فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کے سارے کام جان دھوان فضائیں مرغولے بنارہا تھا۔ ٹھوڑا دریک وہ چپ رہا پھر آہستہ سے بولا۔“ ابھی تک فنگر پر نٹ ڈپارٹمنٹ سے کوئی خبر نہیں آئی۔ ایک کمرے میں پولیس کے آدمی معین ہوں گے۔“

”تو پھر اب آپ کے جانے کی کیا ضرورت ہے۔“ حمید نے کہا۔

”بھی ہر ایک کے کام کرنے کا طریقہ الگ ہوتا ہے۔ اچھا اب میں ذرا اپنا سامان ایسا ملکن ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”اس کے فرشتوں کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آئی۔“ ”ست کروں۔“ فریدی نے یہ کہہ کر سڑنے کا رادہ ہی کیا تھا کہ ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

کہ آپ کا ہاتھ ان جوتوں تک پہنچ سکے۔“

”بہر حال ابھی تھوڑی دیر میں معلوم ہو جائے گا۔“

پھر خاموشی چھا گئی۔

”تھوڑی دیر بعد برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ایک آدمی اندر داخل ہوا۔“ فریدی کے ہاتھ میں کاغذ دے کر خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

”لو دیکھو پورٹ آگئی۔“ فریدی نے کاغذ حمید کی طرف پر حالتے ہوئے کہا۔ ”کیم میں اس جگہ پر پہنچا جہاں سے رندھر کی لاش برآمد ہوئی تھی تو مجھے بہت سخت بدبو محسوں ہوئی۔ اندر میرا بچل چکا تھا۔ میں نے نارچ کی روشنی میں ایک عورت کی لاش دیکھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا سب کے میر کچھ نہ کچھ ضرور توجیہتے ہیں۔ خیر دیکھا جائے گا۔“

”تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر آنے والے کی طرف دیکھ کر بولا۔“ اب تم جاسکتے ہو۔“ ”اچھا بھی اب میں روائی کی تیاری کروں۔ دیکھو بہت زیادہ محاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ذرا بھی چیز کے نہیں کہ کام بگڑا۔“

”آپطمیان رکھئے۔ اب میں پوری پوری احتیاط کروں گا۔“ حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اُس وقت تو بے یہیں لاش کی شاخت کے وقت سے لے کر گیارہ بجے تک کے وقفے میں ایک کے علاوہ اور کوئی ٹرین کا پورہ نہ جائے گی۔“

”میں آپکا مطلب سمجھ گیا لیکن دوسرا کوئی کار سے بھی جا سکتا ہے۔“ حمید نے مڑ کر کہا۔ ”بہت ممکن ہے کہ ایسا ہو بھی گیا ہو لیکن بے سود۔ رندھر سکھ کے مکان کے قریب پرندہ بھی پرندہ مار سکتے گا۔ میں نے اس کا انتظام پہلے ہی کر لیا ہے۔ لاش کی شاخت کے بعد ہی میں نے کانپور کے تجھے سراغ رسانی کو بذریعہ تار مطلع کر دیا تھا۔ اس وقت رندھر سکھ کے مکان کے ایک کمرے میں پولیس کے آدمی معین ہوں گے۔“

”تو پھر اب آپ کے جانے کی کیا ضرورت ہے۔“ حمید نے کہا۔

”بھی ہر ایک کے کام کرنے کا طریقہ الگ ہوتا ہے۔ اچھا اب میں ذرا اپنا سامان ایسا ملکن ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”اس کے فرشتوں کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آئی۔“ ”ست کروں۔“ فریدی نے یہ کہہ کر سڑنے کا رادہ ہی کیا تھا کہ ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

”وحید.....!“ فریدی نے چوک کر کہا۔ ”کیا بات ہے۔“

”وحید کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ رک کر دم لینے لگا۔ پھر رک رک کر بولا۔“ ایک لاش..... اور.....!“

”کیا مطلب.....؟“ حمید جلدی سے بولا۔

”میں اسکے صاحب کی ہدایات کے مطابق اس مکان کی گرفتاری کے لئے جا رہا تھا۔ جب ”لو دیکھو پورٹ آگئی۔“ فریدی نے کاغذ حمید کی طرف پر حالتے ہوئے کہا۔ ”کیم میں اس جگہ پر پہنچا جہاں سے رندھر کی لاش برآمد ہوئی تھی تو مجھے بہت سخت بدبو محسوں ہوئی۔ کے نشانات نہیں مل سکے۔ حالانکہ نشانات ہونے چاہئیں تھے۔ کیونکہ آج کل گرمیوں میں عموماً جیگاہ کنیں سے کھو دکھا کیلی گئی ہو۔“

”تو پھر تم نے کیا کیا۔“ فریدی نے جلدی سے کہا۔
”میں قریب کے دیہات سے چار پانچ آدمیوں کا انتظام کر کے لاش کو توالی اٹھوا کر لایا ہوں۔ سیاہ عینک لگا کر پڑھنا کسی ہوشمند آدمی کے لئے ناممکن ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ یا تو یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ حید مر اجانا نہیں رک سکتا۔ یہ لاش دراصل میرے روکر پاگل ہے یا پھر، بھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ سکھنے اس کی طرف کروٹ بدلی اور سکرانے لگا۔ لئے ہی نکال گئی ہے۔ اچھا بتاؤ یہ لاش کس کی ہو سکتی ہے۔“

”بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔“ حید نے کہا۔

”یہ اسی عورت کی لاش ہے۔ جس کا تذکرہ رندھیر نے کو توالی انچارج سے کیا تھا میں کی لاش۔“

”ارے.....!“ حید نے چونک کر پیچھے بٹتے ہوئے کہا۔ ”لیکن آپ وثوق کے ساتھ طرح کہہ سکتے ہیں۔“

”اُبھی تمہیں یقین آجائے گا۔ تم سیدھے سروج کے یہاں پلے جاؤ اور اسے کو توالی آؤ۔ دلیر سنگھ اگر اسے تھانہ آنے دے تو اسے بھی لیتے آتا اور ہاں دیکھو سب احتیاط سے کرنا۔ ممکن ہے کہ واپسی میں مجھ سے ملاقات نہ ہو سکے۔ اس لئے ”گلہ ناڑ“ فریدی یہ کہتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔

وچپ سفر

”آداب عرض۔“ فریدی نے لیٹئے ہی لیٹئے کہا اور پھر کسی خیال میں ڈوب کر سگار کے شش لینے لگا جیسے کوئی بات بھی نہ ہو۔

سکھ شاید اب جس میں پڑ گیا تھا کہ لکھئے کیا کہے۔ لاش کی حالت بالکل اس پنج حصی ہو رہی تھی جس کی شرارت سے اچانک کوئی کار اسٹارٹ ہو جائے اور وہ بوکھلا کر یہ سوچ رہا ہو کہ اب میشن کس طرح بند کی جائے۔ وہ کھٹکی گھٹکی آواز میں کھافنے لگا۔ فریدی کا انداز ایسا تھا جیسے اس کے علاوہ اس کپارٹمنٹ میں کوئی اور نہ ہو۔

”فریدی صاحب کہئے کیسا یہ چنان۔“ وہ دوبارہ چھپنی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

”اوی!“ فریدی چونک کر بولا۔ ”لیکن میری شرافت کی بھی داد دیجئے کہ میں نے آپ کو پچان کر بھی خواہ مخواہ دخل در معقولات کی ضرورت نہیں سمجھی۔“

دہلی ایک پریس پوری رفتار سے چھتی چلتگھاڑتی بھاگ رہی تھی۔ ایک پکڑ فریدی ایک معمراً دہلی کے بھیں میں فرست کلاس میں سفر کر رہا تھا۔ گری کی وجہ سے اسے نیند نہیں آرہی تھی اور اگر شام اس وقت نیند آتی بھی تو نہ سوتا کیونکہ سامنے والی رتھ پر لیٹا ہوا سکھ اسکی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہ دو تین اسٹیشن کے بعد سوار ہوا تھا اور اس وقت کوئی اخبار پڑھ رہا تھا۔ سب سے زیاد پچھلی چیز یہ تھی کہ اس نے اس وقت بھی سیاہ عینک پہن رکھی تھی۔ فریدی سوچنے لگا کہ اگر اتنا

ہل رو اور کار رعب ہر ایک پر نہیں پڑا کرتا۔ میں سن چودہ کی جگہ میں ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں۔ یہ بالشت بھر کار رو اور لا حول ولا قوہ مجھے مجرم سردار خال کہتے ہیں۔ سردار جی۔“ سکھ کار رو اور والا ہاتھ بڑی طرح کانپ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا ہاتھ جھک گیا۔ اس کا چہہ پینے سے تر تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ چپ رہا پھر کھنکار کر کہنے لگا۔

”معاف کیجئے گا۔“ مجرم صاحب مجھے دھوکا ہوا ہے۔ اب آپ سے کیا پردا۔ آپ بھی سرکاری آدمی ہیں۔ میں دراصل ہی آئی ڈی کا انپکٹر ہوں۔ آج کئی دن سے میں بہت بڑے بد معاش کے چکر میں ہوں۔ مجھے دراصل بڑا دھوکا ہوا ہے۔ کیا کیا جائے کہ آنکھیں اس کم بخت کی آنکھوں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں جتنا بھر صاحب۔“

”کوئی بات نہیں۔“ فریدی نے بنس کر کہا۔ ”اکثر دھوکا ہوئی جاتا ہے۔ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں آپ؟“

”کان پور!“

”چلے نہ فرمے میں کئے گا۔ میں بھی کانپور جا رہا ہوں۔“
”بڑی خوشی ہوئی۔“

”آپ آج کل کہاں تعینات ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔
”لہ آباد میں!“

”جب تو آپ بڑے مرے میں ہوں گے۔“ فریدی نے بنس کر کہا۔
”کیوں مرے میں کیوں؟“ سکھ نے حیرت سے کہا۔

”خوب امر و دکھاتے ہوں گے۔“ فریدی نے کہ کر ایک بھدا ساق تھہرا لگایا۔ سکھ بھی ہنسنے لگا۔
”آپ سگار پیتے ہیں۔“ فریدی نے سگار کیس بڑھاتے ہوئے کہا۔
”میں نہیں شرکری۔“

”تو پھر کچھ باشیں کیجئے تاکہ راست کئے۔ اب تو نیند آنے سے رہی۔ رو اور دیکھتے ہی تو پھر کچھ باشیں کیجئے تاکہ راست کئے۔ اب تو نیند آنے سے رہی۔ رو اور دیکھتے ہی تو پھر کچھ بھگنی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”آپ بھلا مجھے کیا جائیں۔“ وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے بٹتے ہوئے بولا۔

”کیوں سردار جی! کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ آپ کی ذاں کیس دنوں نقلی ہیں۔“ فریدی نے لیٹی ہی لیٹی چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سکھ چپ چاپ اپنی بر تھکی طرف لوٹ گیا۔ فریدی بدستور اسی طرح لیٹا چھت کا دیکھ رہا تھا حالانکہ چلتی ہوئی ٹرین کے اندر ہوا کے جھرائے آر ہے تھے اور پچھا چل رہا تھا!

پھر بھی سکھ کے ماتھے پر سینے کی نہیں بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ اس نے سرہانے رکھ کر چھوٹے سے اپنی سے رو اور نکالا اور فریدی کی طرف تاکر کر کہنے لگا۔

”بس خبردار اٹھنے کی کوشش نہ کرنا۔“

”عجیب احتق آدمی ہو۔“ فریدی نے فس کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تمہارے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ خواہ مخواہ اٹھنے کی کوشش کروں گا۔“

”بکومت!“ سکھ گرج کر بولا۔

”دیکھو بھی گفتگو کے دوران میں تہذیب شرط ہے۔ ورنہ مجھے کہیں حق نہیں پڑے۔“ فریدی نے نہایتطمینان اور سخیگی سے کہا۔ ”تم آخر چاہتے کیا ہو۔ سب سے؟“

تم نے مجھے فریدی کہہ کر مخاطب کیا۔ حالانکہ مجھے لوگ مجرم سردار خال کہتے ہیں۔ لیکن میں بُرانہ مانا۔ پھر تم نے میرا مخملک ازاں کی غرض سے یہ کہا کہ میں تمہیں پیچان گیا۔ لیکن میں بھی تال گیا حالانکہ میں نے چوری نہیں کی ڈاک نہیں ڈالا کہ تم اس طرح میں کہتے ہو کر پیچا۔ میں تو تمہارے خواہ مخواہ مذاق پر کچھ نہ بولا۔ لیکن میں نے ذرا یہ کہہ دیا کہ تمہاری والد اور کیس نقلی ہیں تو تم نے رو اور نکال لیا۔ عجیب آدمی ہو۔ تمہیں اس تاریک رات میں سیاہ چٹا کر پڑھتے دیکھ کر پہلے ہی خیال ہوا تھا کہ ضرور تمہارا دماغ خراب ہے پتہ نہیں لوگ اب آدمیوں کو تھا کیوں سفر کرنے دیتے ہیں۔ مانا کہ تم کسی اوپنے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ایسا بھی کیا کہ مذاق کی باتوں پر رو اور نکال بولو اور پھر چھٹر پہلے تمہاری ہی طرف سے ہوئی تو تم مجھ سے عمر میں چھوٹے ہو اسلئے بطور نصیحت یہ ضرور کہوں گا کہ اپنے اوپر کیا سیکھو۔“

”آدمیوں کو تھا کیوں سفر کرنے دیتے ہیں۔ مانا کہ تم کسی اوپنے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ایسا بھی کیا کہ مذاق کی باتوں پر رو اور نکال بولو اور پھر چھٹر پہلے تمہاری ہی طرف سے ہوئی تو

تم مجھ سے عمر میں چھوٹے ہو اسلئے بطور نصیحت یہ ضرور کہوں گا کہ اپنے اوپر کیا سیکھو۔“

”آدمیوں کو تھا کیوں سفر کرنے دیتے ہیں۔ مانا کہ تم کسی اوپنے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ایسا بھی کیا کہ مذاق کی باتوں پر رو اور نکال بولو اور پھر چھٹر پہلے تمہاری ہی طرف سے ہوئی تو

تم مجھ سے عمر میں چھوٹے ہو اسلئے بطور نصیحت یہ ضرور کہوں گا کہ اپنے اوپر کیا سیکھو۔“

جلد نمبر 1
گرفت میں بڑی طرح بچڑا ہوا تھا۔ کچھ نیند کا خمار، کچھ اس اچاک حملے سے پیدا شدہ بدھوای او، کچھ بوكلا ہٹ۔ ان سب چیزوں نے اس میں جدو جہد کی قوت نہ رہنے دی۔ فریدی نے اس کی ہائی سے اس کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر بچڑا دیئے۔ اب وہ بر تھ پر بے بس پڑا ہوا ہمیاں بک رہا تھا۔ فریدی کھڑا مسکرا اتا رہا۔ وہ ہمیشہ ایسے موقعوں پر اپنے شکار کی پھر پھر اہٹ کے کافی منظوظ ہوا کرتا تھا۔

”وہی فریدی!“ سکھ نے کہا۔ ”جس کے دھوکے میں خواہ تو وہ آپ کو پریشان کیا۔“ ”اب میں اپنے پیارے ہی آئی ڈی انپکٹر کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے جھک دیکھئے اگر آپ اسی طرح دھوکا کھاتے رہے تو مشکل ہی سے اس پر ہاتھ پڑ کر اسکو کی ڈاڑھی نوچتے ہوئے کہا۔ مٹھی میں بہت سے بال اکھڑائے اور اس کی منڈھی ہوئی فریدی نے خس کر کہا۔ ”ہاں یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ اس کا جرم کیا ہے۔“
فناں ٹھوڑی دکھائی دیئے گئے۔ فریدی نے ڈاڑھی کے بال نوچ لئے اور اس کی گیڑی اتنا دی۔ ”ارے صاحب معمولی جرم نہیں۔“ سکھ بولا۔ ”آپ نے لہ آباد کے کینڈا ایک ڈاڑھا۔“ ”ناہ! ڈاکٹرستیش تم سے اتنی جلدی ملنے کی امید نہ تھی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔
چوری کا حال ضرور سنا ہو گا۔ اس چوری میں اسی کا ہاتھ تھا۔ اس کے ساتھیوں نے ایک چوبی دہ برابر اردو اور انگریزی میں گالیاں بکے جاری رکھا۔

”بھی جان سے مار ڈالا۔“ ”شورمت چاؤ ستیش!“ فریدی گرج کر بولا۔ ”آج ہی تو تم میری گرفت میں آئے سب وہ بڑا خطہ ناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی نے کہا ”اور آپ اسے نہ لا لو۔“ دیکھا ہوں اب کیسے فتح نکلتے ہو۔ عرصہ سے میری نگاہیں تم پر تھیں۔ میں تمہارے جرائم سے میں اتفاق تھا لیکن تم قانون کی گرفت سے ہمیشہ فتح نکلتے تھے۔“

”بھی نہیں ہم کی ہیں۔“ ”اچھا!“ فریدی نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ”جسے امید ہے کہ وہ جلد ہی گرفتار ہو جائے گا۔“ سکھ نے اپنا چشمہ اتارنے کیا۔ ”میں بدلوں کو دھوکہ دیں کر سکتے۔“ ستیش چیزی سے بولا۔ ”و غرور جاؤ گے۔“ کرنے ہوئے کہا۔

فریدی اس کی آنکھیں دیکھتے ہی چونک پڑا اور پھر دل ہی دل ہنسنے لگا۔ ”تم مجھے کھول دو ورنہ اچھا نہ ہو گا۔“ ڈاکٹرستیش نے چیخ کر کہا۔ ”اچھا بھی میجر صاحب اب تو نیند آرہی ہے نسکار!“ سکھ نے جھائی لیتے ہوئے کہا۔ ”اور تمہیں کھولتی دینے پر کیا اچھا ہو گا۔“ فریدی نے خس کر کہا۔ ”تمہیں کھول دوں اچھا صاحب شب بنی۔“ فریدی نے جلا ہوا مگر کھڑکی سے باہر بچکتے ہوئے کہا۔ تاکہ تم مجھے اپنے بغیر لا سنس کے روپ اور کاشتہ بنا دو۔ کیوں ہے تاہمیں بات۔“ رات کے تقریباً تین بجے رہے ہوں گے سکھ خدائی لے رہا تھا۔ فریدی آہت آہت۔ ”دکھوں پھر کہتا ہوں کہ مجھے کھول دو ورنہ کہیں تمہیں اپنی ملازمت سے نہ ہاتھ دھونے اور دفتہ سوئے ہوئے سکھ پر ٹوٹ پڑا۔ سکھ نے گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ فریدی پر لگا۔“

”مجی مجھے سخت شرمندگی ہے۔“ سکھ نے خس کر دانت نکال دیئے۔

”کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”تھوڑی دیر مک خاموش رہی پھر سکھ بولا۔“

”دیکھئے کب تک وہ بدمعاش ہاتھ آتا ہے۔“

”کون بدمعاش؟“ فریدی چوک کر بولا۔

”وہی فریدی!“ سکھ نے کہا۔ ”جس کے دھوکے میں خواہ تو وہ آپ کو پریشان کیا۔“

”دیکھئے اگر آپ اسی طرح دھوکا کھاتے رہے تو مشکل ہی سے اس پر ہاتھ پڑ کر اسکو کی ڈاڑھی ہوئی فریدی نے خس کر کہا۔“ ”ہاں یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ اس کا جرم کیا ہے۔“

”ارے صاحب معمولی جرم نہیں۔“ سکھ بولا۔ ”آپ نے لہ آباد کے کینڈا ایک ڈاڑھا۔“

چوری کا حال ضرور سنا ہو گا۔ اس چوری میں اسی کا ہاتھ تھا۔ اس کے ساتھیوں نے ایک چوبی دہ برابر اردو اور انگریزی میں گالیاں بکے جاری رکھا۔

”بھی جان سے مار ڈالا۔“ ”شورمت چاؤ ستیش!“ فریدی گرج کر بولا۔ ”آج ہی تو تم میری گرفت میں آئے سب وہ بڑا خطہ ناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی نے کہا ”اور آپ اسے نہ لا لو۔“ دیکھا ہوں اب کیسے فتح نکلتے ہو۔ عرصہ سے میری نگاہیں تم پر تھیں۔ میں تمہارے جرائم سے میں اتفاق تھا لیکن تم قانون کی گرفت سے ہمیشہ فتح نکلتے تھے۔“

”بھی نہیں ہم کی ہیں۔“ ”اچھا!“ فریدی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”جسے امید ہے کہ وہ جلد ہی گرفتار ہو جائے گا۔“ سکھ نے اپنا چشمہ اتارنے کیا۔ ”میں بدلوں کو دھوکہ دیں کر سکتے۔“ ستیش چیزی سے بولا۔ ”و غرور جاؤ گے۔“ کرنے ہوئے کہا۔

”میں پانی سے ہاتھ دھونے کا عادی ہوں۔ اس کی آپ نگرانہ کریں۔“

”تو تم نہیں کھولو گے۔“

”ہرگز نہیں!“

”اچھا دیکھ لوں گا۔“

بھٹنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔“

ڈاکٹر جیش مکرانے لگا۔ فتحا اس کی آنکھیں چکنے لگیں، اس نے ہنس کر کہا۔

”واہ فریدی صاحب آپ کیسے سراغ رسان ہیں کہ اتنا بھی نہیں سمجھ۔ بھتی آپ کہوں

جی رات اشیش کی طرف آتے دیکھا تو مجھے مذاق سوچتا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ آپ سے

”مجی بھر کر دیکھ لینا کہیں بعد میں پچھتا پڑے بہت ممکن ہے کہ بلا اور رنگیرہ

اس طرح تعارف حاصل کیا جائے۔ میں نے سکھ کا بھیں بدلا اور کار میں بیٹھ کر فوراً اگلے

زور لگا کر تمہیں زیادہ دنوں کے لئے بھجوادیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

اشیشون کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں سے اتفاقاتاً مجھے اسی ڈبہ میں آنا پڑا جہاں آپ تھے۔ یہ

اتفاق نہیں تو اور کیا ہے۔“ ڈاکٹر جیش ہنسنے لگا۔

”بہت اچھے!“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”میری چھپری سے مجھے ہی ہلاک کر رہے ہو۔“

ڈاکٹر میرے لئے تمہاری یہ باتیں کسی چھ مہینے کے پچ کی ”غوغائی“ سے زیادہ وقت

نہیں رکھتیں۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمہیں اس بات کا یقین کیسے آگیا تھا کہ میں کا پورہ ہی کی طرف سفر

کروں گا۔ جب کہ گیارہ بجے اور دوسری تین گاڑیاں مختلف ستون میں جاتی ہیں۔“

ڈاکٹر جیش خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر پیشانی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ کچھ

خالی اور کچھ جھنجھلاہٹ نے اس کے چہرے کو بہت زیادہ مختلک خیز پیدا ہیا تھا۔

”خیر تو تم یہ بھی نہیں بتانا چاہتے کہ تم نے مجھے خواہ خواہ کیوں چھیڑا تھا۔“ فریدی نے

سکار سلاتے ہوئے کہا۔

”دیکھوں پھر کہتا ہوں کہ میرے ہاتھ کھول دو۔“ ڈاکٹر جیش نے ناخوشگوار لہجہ میں کہا۔

”اور میں تم سے استدعا کرتا ہوں کہ بار بار یہی ایک جملہ دہراتے جاؤ۔“ فریدی نے

سکرا کر کہا۔

”تم عجیب گدھے کے پچے ہو۔“ ڈاکٹر جیش نے چیخ کر کہا۔

”ذرا اس بات کو صاف کر دو کہ میں گدھے کا پچھہ ہونے کی وجہ سے عجیب ہوں یا عجیب

”خیر خیر میرا مقصد حل ہو گیا اور میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم آسانی سے۔“ بہن کا وجہ سے گدھے کا پچھہ ہوں۔ یا۔۔۔ پھر۔۔۔!“ فریدی نے سمجھی گی سے کہا۔

”تمہارا سر!“ ڈاکٹر زور سے چینا۔

”بلا اور رنگیرہ کا نام سن کر ڈاکٹر جیش کے منہ پر ہوا یا اڑ رہی تھیں۔ وہ اخراج آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

”کیوں چپ ہو گئے۔“ فریدی نے اپنے شانے اچھاتے ہوئے کہا۔ ”کیا غالباً ہوں؟“ مجھ تماشا ڈاکٹر آخراں بھیں میں تم کہاں اور کیا کرنے جا رہے تھے؟“

”اگر فرض کو میں یہ نہ بتاؤں تو!“ ڈاکٹر جیش نے تیزی سے کہا۔

”تمہاری مرضی۔۔۔ میں کسی کو کسی بات پر مجبور کرنے کا عادی نہیں۔۔۔ لیکن اس وقت ڈرو جب سول پولیس کے رنگروٹ تمہاری پوزیشن کا خیال کئے بغیر تم سے ساری باتیں شروع کر دیں گے۔ اگر سیدھے سیدھے مجھے بتاؤ گے تو اس عذاب سے تمہیں نجات ملے گی۔۔۔ ورنہ!“

فریدی تھوڑی دیر میک رک کر ڈاکٹر جیش کے چہرے کے اندر چڑھا کر بخورد کیماں اچاک بولا۔

”شام والی لاش بھلاکی کی تھی تا؟“

”ہاں آں کیا مطلب!“ ڈاکٹر جیش چمک کر سنبھلتے ہوئے بولا۔ ”تم نہ جانے سیدھی ہاںک رہے ہو۔“

”خیر خیر میرا مقصد حل ہو گیا اور میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم آسانی سے۔“ بہن کا وجہ سے گدھے کا پچھہ ہونے کی وجہ سے عجیب ہوں یا عجیب کچھ نہ بتاؤ گے۔ خیر پھر سکی۔ اچھا تما تو بتایی دو کہ جب تم مجھے پہچان گئے تھے تو خواہ ڈا

”تم نہ جانے کیا بک رہے ہو۔ کیسی گیس، کیسی ایجاد..... گھامڑتم خود ہو گے۔“

”خیر یہ تو تمہارا دل ہی جانتا ہو گا کہ میں کتنا گھامڑ ہوں۔“

ڈاکٹر حیش خاموش ہو گیا۔ اتنی دیر تک چیختے رہنے سے وہ مذہل سا ہو گیا تھا۔ ایک ارے ہوئے نامید جواری کی طرح اس نے ہاتھ پیر ڈال دیے۔

فریدی اب بھی اُسے چھیڑ رہا تھا۔ لیکن وہ بالکل خاموش تھا۔ نہ جانے وہ کیا سوچ رہا غیر فریدی نے گھری دیکھی۔ گاڑی پر درہ منٹ کے بعد کاپور چیختے والی تھی۔

تیسرا شکار

دوسرے دن فریدی کا پیور سے لوٹ آیا۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر حیش بھی تھا جس کی عمر انی

کے لئے کاپور کے دو کاشیبل ساتھ آئے تھے۔ حید فریدی کو لینے کے لئے ایشیش آیا تھا۔ وہ

ڈاکٹر حیش کو اس حال میں دیکھ کر متعجب تھا۔

”یہ حضرت کہاں؟“ اس نے فریدی سے کہا۔ ”میں یہاں خواہ خواہ پریشان ہو رہا تھا کہ

آخر یہ کہاں لا پڑتے ہو گئے۔“

”بھی میں ایسے دوستوں کو اپنے ساتھ ہی رکھتا ہوں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

ڈاکٹر حیش اسے قہر بھری نظروں سے گھونٹنے لگا۔

وہ لوگ ایشیش سے نکل کر باہر آئے۔ حید فریدی کی کار لے کر آیا تھا۔ فریدی نے ڈاکٹر

حیش سے کار میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ لیکن وہ بدستور کھڑا رہا۔ حتیٰ کہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ

کاشیبلوں نے اسے زبردستی کار میں بٹھانا چاہا۔ اچاک ایک فائز ہوا اور ڈاکٹر حیش چیخ کر زمین

پر آ رہا۔ گولی سر کی بہیاں توڑتی ہوئی پیشانی سے نکل گئی تھی۔ فریدی اور حید اس طرف چھپے

جو ہمراہ سے فائز ہوا تھا۔ لوگ ادھر ادھر بڑی بے ترتیبی سے بھاگنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اسی

”ہاں ہاں میرا سر!“ فریدی نے گھبراہٹ میں اپنا سر ٹوٹتے ہوئے کہا۔ ”کیا ہوا ہے سر کو..... موجود تھے۔“

”چپ رہاؤ لو کے پڑھے!“ ڈاکٹر حیش زخم ہو گزور سے چیخا۔

”اچھا چپ ہو گیا الو کا پھٹا!“ فریدی نے اسی انداز میں چیخ کر کہا اور حیث کیا دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر حیش نے جھنجلاہٹ میں اپنا سر دیوار سے نکلایا۔

”ارے ارے یہ کیا کر رہے ہو بھی۔ اپنے ساتھ مجھے بھی پھنسواو گے کیا؟ اگر دیوارا گئی تو!“ فریدی نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر حیش نے جھنجلاہٹ میں اس کے منہ پر تھوک دیا۔

”یا چھی علامت ہے۔“ فریدی نے رومال سے اپنا منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

”خدا کے لئے میرا چھپا چھوڑو۔“ حیش نے ننگ آ کر کہا۔

”لیکن خدا ہی کا حکم ہے کہ میں تمہارا چھپا چھانہ چھوڑوں۔“

”اویو بروٹ!“ ڈاکٹر حیش اس بڑی طرح چیخا کہ اس کی آواز بھرا گئی اور وہ بننے لگا۔

فریدی نے تھوکہ لگایا۔

”خوب دل کھول کر خس لو لیکن اتنا یاد رکھو کہ میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔“ حیش

غصہ سے ہانپتے ہوئے کہا۔

”کیا کروں ڈاکٹر جب سے اس بوتل والی گیس کا اثر دماغ پر ہوا ہے بعض اوقات وجہ بھی نہیں آنے لگتی ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

ڈاکٹر حیش کامنہ پھر اتر گیا۔ وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

”ڈاکٹر جی مجھ بتانا وہ کس کی ایجاد ہے۔ تم سے تو اسکی امید نہیں۔... تم ٹھہرے گھامڑ آ دیا۔“

”تم مجھے کیا سمجھے ہو۔“ ڈاکٹر حیش نے فریدی لجے میں کہا لیکن پھر فورائی سنپھل کر بولا۔

بھگلڈڑی میں جیسے عنقریب بسواری ہونے والی ہو۔ فریدی نبڑی طرح جھلایا ہوا تھا۔

”بالکل بیکار ہے حمید..... ان کم بخنوں کی بدحی کی وجہ سے شکار ہاتھ سے لٹک دیا۔“
”خیر اور کوئی خبر؟“
اس نے رک کر پیشانی سے پینٹ پونچھتے ہوئے کہا۔
”جید نے سرائیمگی کے عالم میں کہا۔“

”یہ آخر ہوا کیا؟“

”ذاکرستیش یہاں سے غائب ہی ہو گیا تھا۔ لبیر سنگھ اور سروج کی گرفتاری کے بعد
مکان کی گرفتاری کا کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا۔“

”میدم اتنے بدھو کیوں ہوتے جا رہے ہو۔“ فریدی نے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے
کہا۔ ”جہیں یہ کیسے سو جھی کر یہی دونوں مجرم ہیں۔ اس قسم کے کام اکیلے نہیں کئے جاتے ہیں۔
مروع ہی سے چلتا آرہا ہوں کہ ایسکی کی گردہ کا ہاتھ ہے پھر بھی تم نے لکھا تھا کہ ذلیل افسوس!“
”اب کیا ہتاوں ہو یعنی غلطی۔“

”بنی قصہ ختم الوبیں کے۔“

”کانپور میں کیا رہا۔“ حمید تھوڑی دری خاموش ہو کر بولا۔

”کانپور میں میں نے یہ رائے قائم کی تھی کہ ذاکرستیش ہی اس گروہ کا سراغنہ ہے۔ لیکن
یہاں غلط ثابت ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کی موت اس طرح واقع نہ ہوتی۔ اس سے صاف
ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس گروہ کے ایک معمولی ممبر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ خود اس نے کسی قسم
کا بیان نہیں دیا لیکن میں نے اپنے طریقوں سے اس بات کا پہلا کالایا تھا کہ وہ اس گروہ سے
تلخ ضرور رکھتا ہے۔ ایک بات صاف نہ ہو سکی کہ وہ اس وقت بھیں بدلت کر کانپور کیوں جا رہا
تھا اگر اس کا مقصد رندھیر سنگھ کے مگر کی علاشی لینا تھا تو اس نے مجھے ٹین میں چھیڑا کیوں
نہ۔ چپ چاپ نکل کیوں نہ گیا۔“

”ہاں واقعی یہ چیز عجیب و غریب۔“ حمید کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”میں ایک نتیجہ پر اور پہنچا ہوں وہ یہ کہ جس وقت بہلا کے گولی لگی وہ رندھیر کے موثر
سائکل کے کیر پر بیٹھی تھی۔ رندھیر نے یہ بیان غلط دیا تھا کہ وہ تنہا جلاپور سے آرہا تھا اور
اُس نے دھرم پور کے جنگل میں ایک عورت کی لاش دیکھی تھی۔ گولی لکھتے ہیں بلا اگر تھی۔ اس
کا لانے کے بعد رندھیر ہاں کچھ دری رکھی تھا۔“

”آپ کے جانے کے بعد میں سروج کو کوتوالی لایا۔ حالانکہ لاش خراب ہو چکی تھی۔
کاچھہ بڑی حد تک بگز گیا تھا لیکن سروج نے اسے بیچاں لیا۔ اس کا بیان دوبارہ لیا گیا۔
نگھ کی صفات ہو گئی۔ لیکن سروج ابھی تک حالات ہی میں ہے۔“

”یہ بہت بڑا ہوا۔ ان گدھوں کو کبھی عقل نہ آئے گی۔ سارا بنا بنا یا کھیل بگاڑ دیا کم
نے۔ تم نے انہیں ایسا کرنے سے روکا کیوں نہیں۔“

”میں نے چیف اسپکٹر سے کہ کہ رکانے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے بھی کوئی۔“

وپلیاں چلا کر پولیس والوں کو تو بھگا دیا اور رندھیر کو وہیں ڈھیر کر کے دفن کر دیا۔ اس طرح انہوں نے رندھیر کو پولیس کی نگاہوں میں مجرم قرار دے کر بولا کے غائب ہو جانے کا ذمہ دار بھی بنا دیا۔

”لیکن جب انہوں نے رندھیر کو دفن کر دیا تھا تو اس بات کا کیسے پتہ چلتا کہ وہ یعنی

”رندھیر! میں ایک بہت بڑی مشکل میں گرفتار ہو گئی ہوں مجھے آ کر پچاؤ کسی طرف رندھیر بولا کا مغتیر تھا۔ آخر اس کا اظہار بھی تو ضروری تھا ورنہ بولا کے فرار کی ذمہ داری اس پر یہاں آ کر مجھے خاموشی سے نکال لے جاؤ۔ دیکھو یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے کیوں ہاں کہوتی۔“ حمید نے کہا۔

”نہایت آسانی سے..... بولا نے رندھیر کو لکھ دیا تھا کہ وہ کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ کرے۔ لہذا اس کی روائی کی اطلاع کسی کو نہ ہو سکی۔ یہ لازمی بات ہے کہ رندھیر کے اچانک اس طرح غائب ہو جانے سے لوگوں کو بھی خیال ہوتا کہ وہ دونوں کمیں فرار ہو گئے ہیں۔ جب

کو لوگ پہلے سے جانتے ہی تھے کہ دونوں ایک دوسرے کے مغتیر ہیں۔“

”ہوں!“ حمید نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”پھر موڑ سائیکل کا نمبر مٹانے کی کیا ضرورت تھی؟“

”نہایت آسانی سے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر مجھے یہ خط نہ ملا تو مجھے نہ جانے کا بھکٹنا پڑتا۔“

”یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ اگر موڑ سائیکل کا نمبر نہ مٹایا جاتا تو اس کے مالک کا یہ

نہایت آسانی سے چل جاتا اور رندھیر کی لاش کو دفن کر دینے کا مطلب ہی یہ تھا کہ پولیس ادھر

”یہ کوئی نئی بات نہیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”تم کبھی میرا مطلب نہیں سمجھتے۔ اُنہوں نے رندھیر سے میں سرمارتی پھرے۔ وہ تو دعا د گیدڑوں کو کہ رندھیر کی لاش برآمد ہو گئی۔.....“

سنو! جب یہ خط رندھیر کو ملا ہو گا تو اس نے اس کے جواب میں بولا کو لکھا ہو گا کہ وہ اس اسے نہ نہز روز اول ہوتا۔“

”اب آپ نے کیا سوچا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ابھی کچھ نہیں سوچا۔ ابھی تو فی الحال مجھے سر درج کو رہا کہ اسکے جلاپور پہنچانا ہے۔“

”ہے ہے..... عشق اول درودل..... اہے دا!“ حمید نے بطرز قوالی جھوٹتے ہوئے کہا۔

”کیا بکتے ہوا!“ فریدی بیزاری سے بولا۔

”اُسے کیا پوچھتے ہیں حضور..... بس یہ سمجھ لججھ کہ پرانے مصنفوں کے الفاظ میں وہ

سائیکل حاصل کی اور بولا کو اس پر سوار کر کے لے جائیں۔“ قاتلوں نے اپنا پلان پہلے ہی

لائک فریب، پری تمثیل، روکش مہرومد و انجمن، ابعت جبیں، زبرہ جبیں، بلمہائے شکریں، سرپا

”یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”یہ دیکھو یہ خط مجھے کا نبور میں رندھیر کے کمرے کی تلاشی لیتے وقت ملا تھا۔“ فریدی نے جیب سے خط نکال کر حمید کی طرف پر ہادیا۔

”حمدی خط پڑھنے لگا۔“

””لیکن جب انہوں نے رندھیر کو دفن کر دیا تھا تو اس بات کا کیسے پتہ چلتا کہ وہ یعنی

”رندھیر! میں ایک بہت بڑی مشکل میں گرفتار ہو گئی ہوں مجھے آ کر پچاؤ کسی طرف رندھیر بولا کا مغتیر تھا۔“

”یہاں آ کر مجھے خاموشی سے نکال لے جاؤ۔ دیکھو یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے کیوں ہاں کہوتی۔“ حمید نے کہا۔

”ورستہ میری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ مجھے لکھو کہ تم کب آ رہے ہو لیکن اس

”طرح آتا کہ کسی کو کافیوں کا نبور میں رندھیر کے کام خبر نہ ہونے پائے۔ یہ میری زندگی کا سوال ہے اس

”خط کو پڑھ کر جلا دینا!“

””بولا۔“

”لیکن اس خط سے آپ نے ان سب باتوں کا اندازہ کیے گا لیا۔“

”نہایت آسانی سے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر مجھے یہ خط نہ ملا تو مجھے نہ جانے کا

”بھکٹنا پڑتا۔“

””میں آپ کا مطلب نہیں سمجھتا۔“

””یہ کوئی نئی بات نہیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”تم کبھی میرا مطلب نہیں سمجھتے۔

””سنو! جب یہ خط رندھیر کو ملا ہو گا تو اس نے اس کے جواب میں بولا کو لکھا ہو گا کہ وہ اس اسے نہ نہز روز اول ہوتا۔“

””لے جانے کے لئے آ رہا ہے اور اس نے اس سے تمام واقعات بھی پوچھے ہوں گے۔ ممکن کہ یہ خط ان لوگوں کے ہاتھ لگ گیا ہو۔ جن کی گرفت سے وہ نکل جانے کی کوشش کر رہیا۔“

””انہوں نے بھی مناسب سمجھا ہو کہ رندھیر کو یہاں آنے دیا جائے اور اس طرح بولا اور رہا دوںوں کا خاتمہ کر دیا جائے کہ کسی کو کافیوں کا نبور نہ ہو۔ رندھیر یہاں آیا اس نے“

””سائیکل حاصل کی اور بولا کو اس پر سوار کر کے لے جائیں۔“ قاتلوں نے اپنا پلان پہلے ہی

””لائک فریب، پری تمثیل، روکش مہرومد و انجمن، ابعت جبیں، زبرہ جبیں، بلمہائے شکریں، سرپا

انتظار، جلائے کھانی و بخار، انتظار کی گھر میں کبھی سنتی ہوگی اور کبھی رکھ دیتی ہوگی۔ ”واں کی نوبت نہ آنے پاتی۔“ فریدی پھر اسی انداز میں بولا۔

”بس بس بکواس بند.....ورشہ!“

”ورشہ آپ میرے حق میں دستبردار ہو جائیں گے۔ بہت بہت شکریہ۔“ حیدر ناز چڑھتا ہے۔ ”میں جانتا ہوں لیکن اب جو ہوا سو ہوا۔ انہیں معاف کرو تجھے۔“ فریدی نے کہا۔

”اچھا تو آپ سفارش کرنے کے لئے آئے ہیں کیوں سروچ اتنی جلدی استے جاں ثار پدا کر لئے۔“ وہ طنزیہ لمحے میں بولا۔

سرودج بے اختیار رونے لگی۔

”ٹھاکر صاحب ایسے بزرگ کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔“ فریدی نے ناخنگوار لمحے

مل کا۔

”براؤ کرم آپ یہاں سے تشریف لے جائیے اور سروچ تم بھی۔۔۔ تھہارا اس گھر میں اب کوئی کام نہیں۔“

سرودج نے دلیر کے پاؤں پکڑ لئے۔ لیکن اس نے اسے بے دردی سے ہٹا دیا۔

”اب اس گھر سے میری لاش ہی نٹکے گی بھیجا گی۔“ سروچ روٹی ہوئی بولی۔

”تم یہاں سے چلی جاؤ ورنہ مجھ تھہاری لاش ہی نٹکے گی۔“ دلیر نگہ چیخ کر بولا۔

”ٹھاکر صاحب آپ سروچ کو دھکی دے رہے ہیں۔ لہذا اب پولیس کو انہیں اپنی خانہت میں لینا پڑے گا۔“

”پولیس!“ دلیر نگہ زہر خندہ کے ساتھ بولا۔ ”پولیس کی خانہت میں تو یہ دوراتیں رہیں۔ کیا ابھی تم لوگوں کا جی اس سے نہیں بھرا!“

”کیا بک رہے ہو ٹھاکر ہوش میں آؤ تم فریدی سے گفتگو کر رہے ہو۔“ فریدی نے تیزی سے کہا۔

”ٹھاکر میں تمہارا منہ فوج لوں گی۔“ سروچ یک بیک پھر کر بولی۔ ”میں بھی راجپوتی ہوں۔“

”اچھا راجپوتی کی بچی! تم جلدی سے یہاں سے اپنا منہ کالا کرو۔ خبردار کبھی اس گھر کی

خاندانی خبطی

فریدی حوالات میں سروچ سے ملا۔ وہ اسے دیکھ کر رونے لگی۔ اس کی رہائی کا انشا اس نے پہلے ہی کر لیا تھا۔ وہ اسے دم دلا سر دیتا ہوا جلا پور لے آیا۔ ٹھاکر دلیر نگہ سروچ کے متعلق سن کر آپ سے باہر ہو گیا۔ اس کی بے نور آنکھوں میں خون اتر گیا۔ بھومنا نگہ میں اور چیخ کر بولا۔

”اب یہاں کیا کرنے آئی ہو خاندانی عزت ملا تو دی خاک میں۔“

”بھیجا گی، آخر اس میں میرا کیا قصور ہے۔“ سروچ روٹی ہوئی بولی۔

”کیوں بلا بیا تھام نے بولا کو۔ خود جان سے گئی اور ہماری گردن نالی میں رگ گئی۔“ اندھے دلیر نگہ نے چیخ کر کہا۔ ”اب یہاں تمہارا کوئی کام نہیں ٹھاکر امر نگہ کے خاندان کی؟“ اور جیل میں جائے۔ تو بھی پر کاش ہی کے ساتھ کیوں نہ مر گئی۔“

”ٹھاکر صاحب بھلا اس میں ان کا کیا قصور ہے۔“ فریدی نے نزم لمحے میں کہا۔

”آپ چپ رہئے جناب۔ یہ میرے گھر میں معاملات ہیں۔“ دلیر نگہ چیخ کر بولا۔

”ٹھاکر صاحب مجھے فرم دنگی ہے کہ آپ لوگوں کو تکلیف اٹھانی پڑی۔ اگر میں یہاں“

طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا۔ ”لبیر سنگھ غصہ میں کانپتا ہوا بولا۔

فریدی سروج کو لے کر مکان کے باہر چلا آیا۔ اب وہ پھر شہر کی طرف جا رہا تھا
”مجھے سخت شرمندگی ہے۔ سروج ببن۔“

”لیکن آپ نے کیا کیا ہے۔“ سروج رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

”میں نے تمہیں پہلے ہی کیون نہ اچھی طرح محفوظ کر دیا۔“

”قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے۔“ سروج سکیاں لیتی ہوئی بولی۔ ”اب میں
جاوں۔ پتا جی سے جا کر کہوں گی کیا..... شاید وہ لوگ بھی مجھے پناہ دینے سے انتکار کر دیں۔
”تم اس کی فکر نہ کرو جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کسی تم کے تردی کی ضرورت
ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”میں کسی کے لئے بار بنا نہیں چاہتی۔ میں محنت مزدوری کر کے پہٹ پال اؤں گا۔“

”کیا تم ایک بھائی کی ابجا ٹھکراؤ دو گی۔ انسانیت کے ناتے میں تم سے درخواست کردا
کہ جب تک تمہارا کوئی معقول انتظام نہ ہو جائے گا میری خدمت قبول کرو۔ میں ایک بھائی
طرح تمہاری حفاظت کروں گا۔“

سروج خاموش ہو گئی۔ اس کی پلکیں زیادہ رو نے کی وجہ سے سوچ آئی تھیں اس نے
کی کھڑکی پر سر رکھ کر اپنا منہ چھپا لیا۔

”یہ ڈاکٹر سٹیش کے قتل کا کیا واقعہ ہے۔“ تھوڑی دیر بعد سروج نے بھراں ہوئی آپس
میں کہا۔

فریدی نے اسے سب واقعات بتا دیئے۔ وہ بڑے غور سے سنتی رہی۔

”میری بھی میں نہیں آتا کہ آخر یہ سب کیا ہوا ہے۔“ سروج کار کی سیٹ کی پٹ
ٹریف چاٹکی۔ پہلے تو میں یہ سمجھی کہ کسی بات پر نہیں رہے ہوں گے۔ اس لئے انہیں ہستے دیکھ کر
مگر بھی یوں ہی ہٹنے لگی اور میں نے ان سے نہیں کا سبب پوچھا لیکن جواب ندارد۔ وہ برابر ہستے
کیا جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کی آنکھیں سرخ ہو کر اپنے حلقوں سے اپتی معلوم
ہوئیں اور منہ سے جھاگ لٹکنے لگا۔ دو تین منٹ تک یہی کیفیت رہی پھر اچانک وہ بے

”تو کیا تم ڈاکٹر سٹیش کو اچھی طرح جانتی تھیں؟“

”جی ہاں! وہ تقریباً ہر ہفتہ ہمارے یہاں مہمان رہتے تھے۔“

”ہمیں دبیر سنگھ سے اس کی دوستی تھی۔“

”نہیں وہ دراصل میرے شوہر کے دوست تھے۔ ان کی موت کے بعد وہے خاکر سے

ان کی گھری پختنے لگی۔“

”بھلا سے وہ بے تکلف تھے یا نہیں؟“

”نہیں نہیں!“

”کبھی بلا ان کے ساتھ باہر بھی جاتی تھی یا نہیں۔“

”کبھی نہیں!“

”کیا تم یہ بتا سکتی ہو کہ دبیر سنگھ سے ان کی دوستی کی کیا وجد تھی۔“

”یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔“

”اچھا تمہارے شوہر پر کاش بالو سے ان کی دوستی کی کیا وجد تھی؟“

”میرے شوہر ایک مشہور سائنس دال تھے۔ وہ آئے دن نت نے تجویبات کیا کرتے
تھے۔ ذاکر سٹیش کو بھی اس سے دلچسپی تھی۔ میرا خیال ہے کہ دونوں کی دوستی کی وجد یہی تھی۔“

”تمہارے شوہر کس قسم کے تجویبات کیا کرتے تھے۔ انکا کوئی نہ کوئی موضوع ضرور ہو گا۔“

”انہیں گیوں کے تجویبات کا زیادہ شوق تھا۔ اس سلسلے میں وہ کافی بار بہت سخت یا بار بھی

پڑھتے تھے۔“

”یہاں کیسے پڑے تھے۔“ فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”ایک بار تو بہت ہی عجیب و غریب واقعہ ہو گیا تھا۔ پر کاش بالو انی لیبارڈی میں کسی
گیل کے متعلق تحقیقات کر رہے تھے کہ اچانک ان پر نہیں کا دورہ پڑا۔ میں اتفاق سے اس
ٹریف چاٹکی۔ پہلے تو میں یہ سمجھی کہ کسی بات پر نہیں رہے ہوں گے۔ اس لئے انہیں ہستے دیکھ کر
مگر بھی یوں ہی ہٹنے لگی اور میں نے ان سے نہیں کا سبب پوچھا لیکن جواب ندارد۔ وہ برابر ہستے
کیا جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کی آنکھیں سرخ ہو کر اپنے حلقوں سے اپتی معلوم
ہوئیں اور منہ سے جھاگ لٹکنے لگا۔ دو تین منٹ تک یہی کیفیت رہی پھر اچانک وہ بے

ہوش ہو کر گر گئے۔“

”اچھا پھر ہوش میں آنے کے بعد تم نے اس کا سبب ان سے پوچھا تھا۔“

”میں نے بارہا دفعہ معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ہمیشہ ناتھ رہے۔“

”اس واقعہ کا تمہارے علاوہ کسی اور کو علم تھا۔“

چار بجے شام کو فریدی دن بھر کا تمہا ماندہ گھر آیا تھا۔ آج وہ دن بھر غما کر دلپر گلکے ستوں کرٹول رہا تھا۔ ڈاکٹر سیفیش کے گھر کی ٹالشی تو اس نے اسی دن لے لی تھی جس دن اس کے پاس میں ہاں بڑے ٹھاکر صاحب بھی وہاں آگئے تھے۔ اس وقت ان کی آنکھیں بھیڑا ہاتھ ہوا تھا۔ معمولی ناشستہ کے بعد وہ اپنے کتوں کی دیکھ بھال میں لگ گیا۔ اس کے پاس اور ڈاکٹر سیفیش کو بھی اس کا علم تھا۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے ان دونوں اور گھر کے نوکریاں قریباً ایک درجن کتے تھے اور ہر کتاب اپنی مثال آپ تھا۔ کتوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ اس کے علاوہ اور کسی کو بھی اس واقعہ کی اطلاع نہیں ہوئی تھی۔

بھل بے تکلف احباب اسے خوب جگ پرست کہنے لگے تھے۔ صرف کتوں پر ہی منحصر نہیں۔

”تم یہ شوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتی ہو۔“

”شوق کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتی۔ البتہ یہ میرا اندازہ ہے کیونکہ پرکاش بابو نے ان ایک کمرہ دنیا کی عجیب و غریب چیزوں کے لئے مخصوص تھا۔ ان میں سب سے زیادہ عجیب و

کو منع کر دیا تھا کہ وہ اس کے بارے میں کسی سے کچھ سہنے کہیں۔“

”ہوں!“ فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”اچھا یہ بتاؤ تمہارے خیال میں ان جزاں کہنا تھا۔ ان میں سے کتنی ایسے بھی تھے جن کے زہر کی تھیلیاں وہ خود نکالا کرتا تھا۔ اس کی ان

جنہوں والے جتوں کو کون استعمال کر سکتا ہے۔“

”نہیں ایسا ناممکن ہے کیونکہ وہ کمرہ جہاں وہ عجائب اس کا مسئلہ کہ اڑاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی شہرت

اس کی کنجی یا تو میرے پس رہتی ہے یا ٹھاکر صاحب کے پاس۔“

”غیر!“ فریدی نے کھانتے ہوئے کہا۔ ”مگر بھی تمہارے یہ ٹھاکر صاحب بڑے سارے علاقے میں مشہور ہے۔ وہ بھیگیوں تک کو بیٹھا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ میری یا“

”میں انہوں نے کبھی کسی سے تیز کلائی نہیں کی۔ آج ان کی زبان سے ایسے الفاظ لئے جسے اپنے کانوں پر لیتھن نہیں آتا۔“

”فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اپنے مخصوص انداز میں ٹیم واہوتی جاری رہیں۔“

”یکاں ان میں عجیب قسم کی وحشیانہ چیک پیدا ہو گئی۔“

”کوئی کیا ہوا تم ڈریں تو نہیں۔ وہاں کئی بہت ہی خوفناک چیزیں بھی ہیں۔“

”آخر آپ نے اتنے سارے سانپ کیوں جمع کر رکھے ہیں۔“

”پتھلیں کیوں بھی سانپوں سے عشق ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن فریدی بھیا یہ شوق خطرناک بھی ہے۔“

”لیکن یہ میرے لئے میرے پالتو کتوں کی طرح بے ضرر ہیں۔“

”تو ہر آپ نے ان کا زہر نکال دیا ہو گا۔“

”159

بلندبر 1
”کوئی خاص خبر نہیں کوتواںی سے آ رہا ہوں۔ ابھی ابھی دلیر سنگھ کا ذکر آپ کے نام میں آیا تو نہیں..... ان میں سے بہترے ایسے بھی ہیں جن کا زہر آج تک پہنچا۔“
پہنچا گیا۔“
پہنچا دارے گیا ہے۔“

فریدی اٹھ پڑھنے لگا۔
”فریدی صاحب تسلیم!“

مجھے اپنے کل کے روئے پر خت افسوس ہے۔ کل شاید زندگی میں پہلی بار مجھے غصہ آیا تھا۔ سروچ کو سمجھانے کی کوشش کیجھے گا۔ خدا کرے کہ وہ مجھے معاف کرے۔ میں نے اس کی شان میں بہت ہی نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں جس کے لئے میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے جب تک وہ یہاں نہ آجائے کی مجھے کون نہیں مل سکتا۔ خدا میرے حال پر حرم کرے۔

منجانب: خاکر دلبر سنگھ“

”تو ہوش آ گیا ٹھاکر صاحب کو۔“ فریدی نے کہا۔
”اویسی بہت بُرا ہوں۔“ حمید مسکرا کر بولا۔
”کیوں؟“

”میسا کیا جاؤں۔ لیکن سروچ سے اس خط کا تذکرہ نہ کیجھے گا؟“

”آخڑکیوں۔“ فریدی نے سمجھانہ انداز میں پوچھا۔

”اُرے تو کیا واقعی آپ!“ حمید اور ہری بات کر کے چپ ہو گیا۔

”یجب آدمی ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔ آخربات کیا ہے۔“

”کیا آپ کچھ سروچ کو واپس بھیج دیں گے۔“

”تو ایکل تجھ کی کیا بات ہے۔“ فریدی نے ڈرائیکٹ روم کی طرف ہڑھتے ہوئے کہا۔

”خنکے تو کی!“ حمید سے روکتے ہوئے بولا۔ ”کیا واقعی آپ بخیگی سے کہ رہے ہیں۔“

”کہل میں تمہاری پٹائی نہ کر دوں۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”خواہ خواہ بھجا چاٹے ہے ہو۔“

”آنہیں کھلاتا پلاتا کون ہے۔“
”میں خودا!“ فریدی نے کہا۔ ”آ تو تمہیں تماشا دکھاؤں۔“

دونوں کرے میں داخل ہوئے، فریدی ایک الماری کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔
کے دروازوں میں نیچے کی طرف بے شمار چھوٹے بڑے سوراخ تھے۔

فریدی نے ایک مخصوص انداز میں سٹی بھائی۔ یک بیک مسکھ کاروں کی آوازیں دیں اور الماری کے سوراخوں سے سانپ لٹکنے لگے۔ سروچ جیچ کر چیچھے ہٹ گئی۔

”ڈر نہیں یہ کچوڑی ہی بھی بدتر ہیں ان میں زہر نہیں۔“

فریدی نے میز پر سے ”ودھ کا برتن اٹھا کر زمین پر رکھ دیا۔ سارے سانپ اس پر چڑھے۔ فریدی نے دوسرا برتن بھی اٹھا کر اسی کے قریب رکھ دیا۔ لیکن وہ سب پہلے برتن پر پڑ رہے تھے۔ وہ انہیں ہاتھ سے ہٹا ہٹا کر دوسرا برتن کے قریب لانے لگا۔ یہ دیکھ کر پھر جیچ پڑی۔

فریدی ہٹنے لگا۔

”ڈر نہیں سروچ بین یہ سب میرے دوست ہیں۔“

”مجھے یہ تماشا بالکل اچھا نہیں لگا۔ میں ڈرائیکٹ روم میں آپ کا انتظار کروں گی سروچ یہ کہہ کر باہر چل چکی۔“

دونوں برتن صاف کر لینے کے بعد سارے سانپ آہستہ آہستہ الماری کے سوراخوں میں گئے۔ فریدی نے تھوڑی دریٹھر کر چاروں طرف نظر میں دوڑائیں اور پکھ گلگھانا ہوا باہر ٹکل آیا۔ سرجنٹ حمید تیز قدموں سے عجائبات کے کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ فریدی اسے دیکھ رک گیا۔

”کہو بھی کیا خبر ہے۔“

”صرف ایک بات اور پوچھوں گا۔“
”فرمائیے!“ فریدی رکتے ہوئے فس کر بولا۔

”تو واقعی کیا آپ سروج.....!“
”یکواں بند!“ فریدی جلا کر بولا۔

سروج ڈرانگ روم سے نکل آئی اور فریدی کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ حیران
ہنسنے لگا۔

”کیا بات ہے۔“ سروج نے دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔“ فریدی کہتا ہوا اندر چلا گیا۔ سروج نے حمید پر ایک اپٹی کی
اور وہ بھی چل گئی۔ حمید تھوڑی درست کھڑا سر کھجاتا رہا۔ اچانک اس کے ہونٹوں پر شرار
مکراہٹ کھینچ لگی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور یقین مار کر دھرم سے زمین پر گر گیا۔
چیخ کی آواز سن کر فریدی اور سروج برآمدے میں نکل آئے۔

”اُرے ارے کیا ہوا۔“ فریدی حمید کی طرف جھستے ہوئے بولا۔

”حمدی حمید.....!“ وہ اسے چھوڑ کر پکارنے لگا۔

”ابھی تو اچھے بھلے تھے۔“ سروج نے کہا۔

”نہ جانے کیا ہو گیا۔“ فریدی نے حمید کے چہرے پر مجھتے ہوئے کہا۔

”تو کیا آپ واقعی سروج.....!“ حمید آہستہ سے بولا۔

فریدی نے چھینلا کر اسکا منہ دبادیا۔ ”چپ رہو۔“ فریدی نے اسکا منہ دبائے۔

”اُرے ارے.....!“ سروج کہتی ہوئی آگے گئے بڑھی۔ ”یہ آپ کیا کہر رہے ہیں۔“

”تم اسے نہیں جانتیں معلوم نہیں کون سا شیطان اس کے اندر حلول کر گیا ہے۔“

”صاحب آپ کی تو کوئی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی۔“ سروج نے کہا۔

”اور میری بات!“ حمید اٹھتے ہوئے جلدی سے بولا۔

”اُرے!“ سروج گھبرا کر پچھے ہٹ گئی۔

”حمدی اگر تم اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو اچھا نہ ہو گا۔“ فریدی نے ناخوٹگوار لجے۔

”نم کہا۔“

”آپ ہر حال میرے آفیسر ہیں۔“

”اُن خربات کیا ہے۔“ سروج نے کہا۔

”سچھ سرکاری معاملات ہیں۔“ حمید مکراہٹ کر بولا۔

فریدی اسے اب تک گھور رہا تھا۔

”اُن چلیں اس کا داماغ خراب ہو گیا ہے۔“ فریدی نے سروج سے کہا۔ حمید باہر کھڑا رہا۔

”روہ دنوں چلے گئے۔“

”اُن خربات کیا ہے؟“ سروج نے پھر پوچھا۔

”سچھ نہیں یونہی مجھے تھک کر رہا ہے۔“

”اسی لمحے کہا جاتا ہے کہ ماتھوں کو زیادہ سرنہ چڑھانا چاہئے۔“ سروج نے کہا۔

”مشکل تو یہی ہے کہ اسے میں ماحت سمجھتا ہی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے

ناجمیوں میں سب سے زیادہ بالسلیقہ اور ذہین ہے۔ ہاں خیر چھوڑو..... لو یہ خط دلبیر سگھ نے مجھے

ہوایا ہے۔“

سروج خط لے کر پڑھنے لگی۔

”تو پھر آپ کیا کہتے ہیں۔“ سروج خط پڑھ کر بولی۔

”اس کے متعلق بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“

”میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ اب اس گھر میں قدم نہ رکوں گا۔“

”اور میں آپ کے فیصلے کی قدر کرتا ہوں۔“ حمید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

فریدی نے جلا کر میز پر رکھا ہوا روں انھالیا اور حمید سہم جانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا خاموشی

سے ایک طرف پیٹھ گیا۔

”تھوڑی درست ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔“ اس کے بعد فریدی اور حمید میں کیس کے

”تو اس طرح یا اس شہر میں چوتھا قتل ہو گا۔“ حمید اپنے چہرے پر اداک پیدا کرتے دیکھ لے۔

ان کی ملکیتہ خیر صورت دیکھ کر فریدی کو ٹھنڈی آگئی۔

اتھ میں ٹیلی فون کی ٹھنڈی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔ ”بیلو!“

”تو یہ کہئے کہ آپ غلط فہمی میں جلا ہیں۔ ارے یہ سب کچھ میں آپ ہی کیلئے کہا جائے دیکھا ہے۔“

”میں سمجھا نہیں۔“

”محبت کرنے والوں کے پاس سمجھہ ہوتی کہاں ہے۔“

”پھر وہی بکواس!“ فریدی نے جھنجلا کر کہا۔ ”میں تمہیں آخری بار سمجھانا ہوں کہ اس کے متعلق کچھ نہ کہتا۔ کیا تم اپنی طرح سب کو گدھا سمجھتے ہو؟“

”میں نہیں میں اپنے علاوہ سب کو سمجھتا ہوں۔“

”دیکھو میاں حمید! تمہاری بوکھلا نہیں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ میں عنقریب تمہارے صاحب کو لکھنے والا ہوں کہ جلد از جلد تمہارا کوئی معقول انقلام کروں۔“

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں پچھلے دو ماہ سے بالکل عاشق نہیں ہوا۔“

”اچھا بھتی اب ختم کرو یہ قصر!“ فریدی نے کہا۔ ”کوئی قادرے کی بات کرو۔“

”میرے خیال سے سول میرج علی زیادہ قادرے کی بات رہے گی۔“

”تم زندگی بھر سمجھہ نہیں ہو سکتے۔“ فریدی نے ہمراسمانہ بتاتے ہوئے کہا۔

”چیخ جیتا یے گا آپ کا عشق کن منزوں پر ہے۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”کسی پریشان حال عورت کو سہارا دینا بھی تم ہو جاتا ہے۔ ہات تیری قسمت کی لذکر کی نہیں۔“

”آپ خواہ تجوہ پریشان ہیں۔ میں آپ کے لئے جان کی بازی لگا دوں گا،“ حمید اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

”اچھا میرے جان ثاراب چپ ہو جاؤ۔ ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔“ فریدی ارتز رفتاری کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔

”نے اکتا کر کہا۔“

متعلق بھیش چھڑ گئیں اور سروج اکتا کر باہر چلی گئی۔

”یہ کیا حماقت تھی۔“ فریدی سروج کے چلے جانے کے بعد بولا۔

”کیسی حماقت!“

”دیکھو سروج میری مہمان ہے۔ تمہیں اس قسم کی باتیں نہ کرنی چاہئیں کہاے کہا۔“

”تو یہ کہئے کہ آپ غلط فہمی میں جلا ہیں۔ ارے یہ سب کچھ میں آپ ہی کیلئے کہا جائے دیکھا ہے۔“

”میں سمجھا نہیں۔“

فریدی کی ناک

اچھی خاصی تاریکی پھیل گئی تھی۔ دھرم پور کی تاریک اور ویران سڑک پر انپکڑ فریدی کی

ارتز رفتاری کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔

”بہت ممکن ہے کہ آج کی رات پھر خراب ہو۔“ حمید نے بے دلی سے کہا۔
 ”دیکھا جائے گا۔ ابھی سے کس بات کی پریشانی ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے خال نہیں لٹلا۔ اسے احتق آدی۔ لتنی بار سمجھایا کہ وہ ان بتوکوں میں بھری ہوئی گیس کا اثر تھا۔
 ”پریشانی آپ کو نہ ہوتی ہوگی۔ یہاں تو جان نکل کر رہ جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں، کیا متنی تھے اور اس شعر کی کیا ضرورت تھی۔“
 کون گدھا ہے جس نے قتل کے لئے ایسی غیر شاعرانہ جگہ منتخب کر رکھی ہے۔ اسے قتل کر کے اختیار ہنسی آجائے اور پھر سب سے بڑی
 ہمارے گھر کے آس پاس کہیں کر دیا کرے۔“ حمید نے بیز اردي سے کہا۔
 ”بھی نہیں!“ فریدی سکرا کر بولا۔ ”یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اسے چاہئے کہ قتل کر دیا تو یہ کہ اگر وہاں دوسرا سے آدمی موجود نہ ہوتے تو ہمارے اس محکمہ خیز بیان پر کسی کو
 مجبور کا مقدمہ بھی بھی تھا کہ ہم لوگ اس واقعے کو شیطانی کام سمجھ لیں اور تمک
 آپ کے گھر بھجوادیا کرے۔“

”حمدہ ہنسنے لگا۔“

”صاحب آپ کی یہ منطق میرے حلقوں سے نہیں التی۔“

”صاحب خاموش رہئے۔ ورنہ میرا گھونس آپ ہر حلقوں سے اتر جائے گا۔“
 ”بے نی کی موت سے اسے بہتر سمجھوں گا۔ نہ آپ سے حق کہتا ہوں کہ اس وقت
 میں کے موڈیں نہیں ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”ند جانے کیوں میرا دل بیٹھا جاریا ہے۔“

”اور میرا دل نہ جانے کیوں اٹھ کر بیٹھل رہا ہیں۔“ فریدی نے نہیں کہا۔ ”دل بیٹھا جاریا
 ہے۔ بہت خوب۔ میں غلط نہیں کہتا کہ تمہارے اندر کسی بڑھیا کی روح طول کر گئی ہے۔
 ”فریدار اس قسم کے خاورے کی مرد کو زیب نہیں دیتے۔“

”آپ برخوردار..... اس قسم کے خاورے.....!“ حمید جلدی سے بولا۔
 متن بسوارا اور اچانک مسکراتے ہوئے قاتل کا نام مدد و ولدیت اور پتہ مٹا کر اپنے فن
 فریدی ہنسنے لگا۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ موڑ کی آواز جنگل کے نائے میں گونج
 سکدوش ہو گیا۔ ایک ہم ہیں کہ دن رات بھتوں کی طرح.....!“ حمید رک کر کچھ سوچنے لگا۔ رعنی تھی۔ کبھی کبھی ہیئت لائٹ کی روشنی میں سڑک پر ایک آدمی گیدڑ یا جنگلی بلیاں بھاگتی دکھائی
 دے جاتی تھیں۔ ہوا قطعی بند تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ حمید نے سگریٹ سلاکیا اور
 ہلکے لہلک لینے لگا۔ دغنا فریدی چونک کر کہنے لگا۔

”کیوں حمید.....! میں فون پر گفتگو کرنے کے بعد ہم لوگ کتنی دیر میں گمر سے روانہ
 ہو گئے ہوں گے۔“

”بھنگل تمام دس منٹ کے بعد۔“

”کیا زندگی ہے ہماری بھی..... نہ دن چین نہ رات آرام..... اس سے بہتر تو کیا
 نہ دس بجے آفس گئے اور شام کو چار بجے شان سے گھر چلے آرہے ہیں۔ اس کے بعد
 اپنی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کیا بوزہمی عورتوں کی سی باطن کر رہے ہو۔“

”کاش میں بوزہمی عورت ہی ہوتا مگر سراغ رسائی نہ ہوتا۔ ہر وقت زندگی ریواں رک
 پر رکھی رہتی ہے۔ یا پھر سراغ رسائی ہو انگریزی جاسوسی ناالوں کی طرز کی کہ جاسوس نے کہ
 کی خبر سنتے ہی ایک آنکھ بند کی، کانڈھوں کو ذرا سی جنبش دی۔ دو چار بار کان ہلائے۔ اب۔“
 ”آپ برخوردار..... اس قسم کے خاورے.....!“ حمید جلدی سے بولا۔
 ”ارے باب رے باب۔ دیکھنے کتنا اندر ہیرا ہے۔ کیا آپ گیدڑ کی لاش بھول
 نہیں ہے کہ خواہ نواہ جیخ جیخ کر تھیں لگاتا پھروں اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑوں۔“

”تم بھی عجیب آدمی ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا ابھی تک تمہارے دل سے بھی
 ”بھنگل تمام دس منٹ کے بعد۔“

”تہجیب ہے کہ ابھی تک پولیس کی لاری دکھائی نہیں دی۔ آخر یہ لوگ کس رواش ہوئے ہوں گے۔“

”ہو سکتا ہے کروہ ہم لوگوں کے بعد روانہ ہوئے ہوں۔“

”تب بھی اب تک انہیں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ سونچ کا مقام ہے کہ سدھیر جلدی سے کوتوالی میں میرا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے سیدھے بیٹل آنے کے لئے اگر واقعی اتنی ہی جلدی تھی تو اس سے رفتاری کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔“

”تو کیا!“ حمید سیٹ پر اچھتے ہوئے بولا۔ ”ہمیں کسی نے دھوکا دیا۔“

”بہت ممکن ہے۔ ذرا صل جرم میری جان لینا چاہتے ہیں۔ ذاکرستیش بھی از من سے میرے پیچھے لگا تھا۔“

”لیکن اگر وہ آپ کو قتل ہی کرنا چاہتا تھا تو خاموشی سے کیوں نہ کر دیا۔ آخر چھپ کیا ضرورت تھی۔“

”چھاں تک میرا خیال ہے وہ مجھے ایک بوڑھے کے بھیں میں دیکھ کر شہے میں پہنچاں لہذا شک رفع کرنے کیلئے اس نے یہ چال چال اور پھر کچھ دیر بعد اس نے رویالورنگلی لیا تو اچھا تو کیا واقعی آپ نے اسے پیچان لیا تھا۔“

”بالکل نہیں۔۔۔ البتہ اندر میری رات میں سیاہ عینک ضرور شہے میں ڈال رہی تھی فریدی نے کہا۔

”اے یہ کیا!“ حمید چوک کر بولا۔

”کیا بات ہے۔“

”اہر باسیں طرف کی جھاڑیوں میں کوئی تھا۔“ حمید نے اندر میں گھرتے ہوئے کہا ”فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی۔“

”یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ رفتار تیز رکھئے۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”کیوں کیا مرنسے کا را وہ بھے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر کوئی تاود درخت احاطہ کار کے

ساتھ آگئے تو ہم لوگ کہاں ہوں؟“

”اے بابے بابے۔“ حمید کے منہ سے بے ساختہ ٹکل گیا۔

”زارہوں و حواس درست رکھئے۔ کوئی حادثہ چیز آیا ہتھ چاہتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ریوالر لائے یا نہیں۔“

”اے..... ریوالر.....!“ حمید ہنگانے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

”اے پس... پس... ہنچتے ہیں۔“

”تم بھی ہنسوں!“

”مجھے کھانی آرہی ہے۔“ حمید نے زبردستی کھافتے ہوئے کہا۔

”اے!“ فریدی چوک کر بولا۔

ہپٹ لائٹ کی روشنی میں دور سڑک پر ایک آدمی اونڈھا پڑا دکھائی دیا۔ فریدی نے کار کی روشنی میں کردی۔ کار کی گئی۔ فریدی نے کار پیچھے کی طرف لوٹانی شروع کی۔

”کیوں یہ کیا!“ حمید جلدی سے بولا۔

”خطرہ ہے، واپس چلیں گے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”غفلتا کار کی کھڑکی سے گزرتی ہوئی کوئی چیز فریدی کی کپٹی سے لگ کر رک گئی۔ بھی واقعہ نید کے ساتھ بھی چیز آیا اور ایک گر جدار آواز سنائی دی۔

”یعنی اتردا۔“

”عدالتکنوں کی نالیں فریدی اور حمید کی کنپیوں سے لگی ہوئی تھیں۔ کھڑکیاں کھلیں اور دلوں پیچے اتار لئے گئے۔ وہ پانچ آدمی تھے ان کے چہرے سیاہ نقابوں سے ڈھکے ہوئے

چار کے پاس راکھلیں تھیں اور پانچواں رویالور لئے ہوئے تھا۔“

”لے چلوا!“ رویالور والے نے کہا۔

”دلوں کو دو دو آدمیوں نے پکڑ لیا اور وہ سب جھاڑیوں میں گھستے چلے گئے۔ حمید اور

”چپ رہوا“ وہ زور سے چیخ کر فریدی کی طرف بڑھا۔
فریدی کے ہاتھ ابھی تک ان دونوں آدمیوں نے جگڑ رکھے تھے۔ ریوالروالے نے
فریدی کے بال پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی لیکن جبھی نہ ہوئی۔

”تم یوں نہ مانو گے۔“ ریوالروالا فریدی کی ناک پکڑ کر دباتے ہوئے بولا۔
فریدی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

یہ اتنی جلدی ہوا کہ وہ لوگ جو فریدی کو پکڑے ہوئے تھے سنجل نہ سکے۔ فریدی ان
لی گرفت سے آزاد ہو کر اچھلا اور حمید پر آگرا۔ جنہوں نے حمید کو پکڑ کھا تھا وہ بھی حمید سمیت
میں پر آ رہے۔ ریوالروالا چیختے لگا۔
”خبردار..... خبردار..... گولی مار دوں گا۔“

اب بالکل اندر ہمراحتا۔ غالباً اس کش کش کے دوران میں ریوالروالے کے ہاتھ سے
ارج گر گئی تھی۔ ریوالروالے نے ہوائی فائر کرنے شروع کئے۔ شاید اسے ذرخا کہ اندر ہرے
میں اسی کے آدمی رخی نہ ہو جائیں۔ تقریباً چورہ میں منٹ تک اندر ہرے میں جدوجہد ہوتی
رہی۔ ریوالروالے کی آواز برابر سنائی دے رہی تھی۔

فریدی اور حمید ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر بیجوں کے بل سڑک کی طرف بھاگ رہے
تھے۔ کاروں ہیں کھڑی تھی۔ دونوں کار میں بیٹھے گئے۔ فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔ جھاڑیوں
کے اندر شور و غل کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ فریدی نے
کار گھما کی اور وہ دونوں بہت زیادہ تیز رفتاری سے شہر کی طرف جل پڑے۔ اب فائر ہونے
شرمناک ہو گئے تھے۔ جن کی آوازیں دور سڑک سنائی دیتی رہیں۔

”کیوں میاں حمید..... ہو گئی تا اچھی خاصی مرمت!“ فریدی نے کہا۔ ”وہ تو کہو اس مردود
کے ہاتھ سے ہارج گر گئی ورنہ اس وقت ہم کہیں اور ہوتے۔“

”بل اب مت بولئے..... چپ چلے چلے۔“ حمید نے کانپتے ہوئے کہا۔

”اُنے واہ میرے شیر..... بس اتنے ہی میں ہائپنے لگا۔“ فریدی نے قہرہ لگایا۔

فریدی خاموش تھے۔ ریوالروالے نتاب پوش کے ہاتھ میں تاریخ تھی وہ آگے آگے
دکھاتا ہوا چل رہا تھا۔ فتحاً فریدی بیٹھ گیا۔ جن آدمیوں نے اسے پکڑ کھا تھا انہوں نے اس
اٹھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گردہ میں سے میں نہ ہوا۔

ریوالروالا پلٹ پڑا۔ اس نے فریدی کے چہرے پر تاریخ کی روشنی ڈالی۔ فریدی مسکاراہوا
”کیوں مکار! کیا ب کوئی نئی حرامزدگی سمجھی۔“ وہ گرج کر بولا۔

”میرا خیال ہے کہ میں آپ حضرات سے بے تکف نہیں۔ لہذا تمہیں بے شرعاً ہے
فریدی منہ بنا کر بولا۔

”اگر ہم خاموشی کی بجائے گانا گاتے ہوئے چلیں تو کیسی رہے گی۔“ حمید نے بجا
سے کہا۔

”چپ رہو چوہے کے بچ۔“ ریوالروالا بیرون چیختے ہوئے بولا۔

”آپ بڑے بد اخلاق معلوم ہوتے ہیں۔“ حمید نے بھی زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
اسے پھر اٹھا دیا گیا۔

”اٹھوا“ ریوالروالے نے فریدی سے کہا۔

”رک جاؤ بھائی ذرا ستا لینے دو۔ اگر اجازت ہو تو میں ایک سکار بھی سکا لوں
فریدی نے پر اطمینان لجھ میں کہا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں کو بیٹھنے پر ختم کر دیتا ہو گا۔“ ریوالروالے نے کہا۔

”نیک کام میں دیر نہ کرنی چاہئے۔ اگر ختم ہی کر دیتا ہے تو یہاں کیا براٹی ہے۔“ ترا
نے کہا۔

”اٹھو.....!“ ریوالروالا پھر چیخا۔

”نہیں اٹھوں گا۔“ فریدی بھی اسی انداز میں چیخا۔

”اچھا شہرو..... بتاتا ہوں تمہیں.....!“ اس نے ریوالروال جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

”ذرا اردو میں بتانا..... انہیں ہندی نہیں آتی۔“ حمید نے چلا کر کہا۔

”آپ تھریے جا ب..... بھلا میں آپ کا مقابلہ کب کر سکتا ہوں۔“ حیدر

”دیکھنے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوٹ چلے۔“

”اگر میں لوٹ جاتا تو مجھے زندگی بھرا فسوس رہتا۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں؟“

”اس لئے کہ یہاں آنے سے مجرموں کا کچھ کچھ سراغ مل گیا۔“

”وہ کیسے!“

”اس کا جواب یہ تاریخ دے گی۔“

”تاریخ!“ حیدر نے حیرت سے کہا۔ ”وہ کب سے بولنے لگی۔“

”اکی وقت سے۔“ فریدی نے فس کر کہا۔ ”اس وقت یہ تاریخ بہت قیمتی ہے۔“

”زرادیکھوں تو۔“

”ہوں ہوں، چھوٹا مت اے۔“ فریدی نے اسے ہٹاتے ہوئے کہا۔ ”یہ بڑی خوفناک سے دستیاب ہوئی ہے۔ اتنی کشی لڑنے کے باوجود بھی میں نے اس کی کافی حفاظت کی ہے۔“

”آخ رکیوں۔“

”اس پر مجرم کی انگلیوں کے نشانات محفوظ ہیں جن کا چیزہ اسی وقت فنگر پر زخم پاٹھنٹ میں اتنا راجائے گا۔“

حیدر نے فریدی کا منہ دیکھ رہا تھا۔

گلاس کی چوری

دوسرے دن صبح فریدی حیدر اور سروج ڈرائیکٹ روم میں ناشستہ کر رہے تھے۔ فریدی نے رات والے واتھ کی اطلاع کی کونہ دی لیکن حیدر کے پیٹ میں چوبی کے دوڑ رہے تھے۔ وہ انہاں

کاڑیاں ایک حسین عورت کے سامنے دہرانے کے لئے بے چین تھا۔ دوران گفتگو میں کئی باریں نے اس موضوع کی طرف آنے کی کوشش کی لیکن فریدی نے ہر بار اسے صاف اڑادیا۔ آنکھ کا تھوڑی دیر کے بعد حیدر بھی سمجھ گیا کہ فریدی رات والے واتھ کا تذکرہ سروج کے سامنے نہیں لانا چاہتا۔ وہ حسب معمول بے طرح چک رہا تھا۔ بات بات پر لطفیہ ہو رہے تھے۔

”واقعی حیدر صاحب! آپ بہت زندہ دل انسان ہیں۔“ سروج نے کہا۔

”مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ آپ کے خیال کی تردید کر سکوں۔“ حیدر نے جواب دیا۔

”لیکن مجھ میں اتنی ہمت ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”آپ کی ہمت کا کیا کہنا..... بڑے بڑے آپ کا لوہا، تانبہ، ہٹل، گلک غرض کے ہر قسم ادھات مانتے ہیں۔“

سروج بہنے لگی اور فریدی صرف مسکرا کر رہا گیا۔

اتھے میں ایک نوکر ہاتھ میں ایک لفاف لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

”اہی! ایک آدمی دے گیا ہے۔“ نوکر نے لفافہ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

یہی خدا کا کل کر پڑھنے لگا۔ پھر وہ کا نقد سروج کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ خاکر دبیر سکھ کا خط ہے۔“

”فریدی صاحب تسلیم!“

میں شام کو آپ کا انتظار کر رہا تھا لیکن شاید آپ بہت زیادہ مشغول تھے یا سروج بھال آنے پر رضامند نہ ہوتی ہوگی۔ مجھے انہیلی افسوس ہے۔ میں سروج کو اپنی

یہی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔ غصے میں میں نے اسے وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو مجھے نہ کہنا چاہئے تھا۔ مجھے سخت نہامت ہے۔ اگر سروج بوزھے خاکر کے منہ پر

ٹھانچہ مار کر بھی اس کی غلطی کو معاف نہ کر سکے تو اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ خدارا

سروج کو لے کر جلد آئیے ورنہ میرے ضمیر کی ملامت میرا کام ہی تمام کر دے

گر۔

فقط..... نادم دبیر سکھ۔“

”سنتے خوبصورت گلاں ہیں۔“ فریدی گلاں کو اپنے رومال سے صاف کرتے ہوئے بولا۔ ”اب ایکا چیزیں کہاں۔“

اس پر ٹھاکر صاحب نے ان گلاسوں کا خاندانی شجرہ سن کر رکھ دیا۔ فریدی ان کی باتوں کو بچپی سے سن رہا تھا اور ساتھ ان گلاسوں کو اٹھا اٹھا کر انہیں رومال سے صاف بھی کرتا جا رہا تھا۔

”بیس جی چاہتا ہے کہ انہیں دیکھا ہی بچھے۔“ فریدی نے گلاسوں کو تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹھاکر صاحب گلاسوں کی تعریف سن کر اور زیادہ خوش اخلاق ہوتے جا رہے تھے۔ سروج بچ میں شربت لے کر آئی اور سب کے گلاں بھردیے۔

شربت پینے کے دوران ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ٹھاکر صاحب نے دھرم پور کے جگل کے کیس کے متعلق بھی کافی دیر تک باتیں کیں۔ اس کے بعد فریدی اور حمید واپس جانے کیلئے تیار ہو گئے۔ سروج اور ٹھاکر ایک ساتھ چائے تک آئے۔ فریدی نے کار اشارت کروی۔

”بھی حمید مجھے وہ گلاں بے حد پسند آئے ہیں۔“ فریدی نے تھوڑی دور چل کر کار روکتے ہوئے کہا۔

”تو گاڑی کیوں روک دی۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”میں انہیں سے ایک چڑا اچاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور کھڑکی کھول کر نیچے اتر گیا۔

”کیا مطلب!“ حمید کی آنکھیں اپنے حقوق سے ابل پریں۔

”میں ابھی آیا!“ فریدی نے کہا۔

حمد کار میں پیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ اسے حیرت تھی کہ آخر فریدی کو ہو کیا گیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد فریدی لوٹ آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گلاں تھا۔

”کوئی خاص رحمت نہیں پیش آئی۔ وہ لوگ گلاں وہیں چھوڑ گئے تھے۔“ فریدی نے کار

میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

سروج کی آنکھوں میں آنسو جملک آئے۔ ٹھاکر کے خط نے اسکے دل پر گہرا اثر لازم۔ ”میں ضرور جاؤں گی فریدی صاحب ٹھاکر صاحب واقعی پریشان ہوں گے۔“ مجھے بیٹی کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔“ سروج نے آنسو پوچھتے ہوئے کہا۔

”مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ چلنے میں آپ کو پہنچا آؤں۔ میں خود آج ٹھاکر کو سے ملنے کا ارادہ کر رہا ہوں، واقعی بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں۔ ان سے ملنے کر مجھے ایکا کا قلبی سکون محسوس ہوتا ہے۔“ فریدی نے سگار سلما کر کش لیتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال تو یہ ہے!“ حمید نے کہا۔ لیکن فریدی کی تیز نظروں سے گھبرا کر جملہ کر سکا۔

”ہاں آپ کیا کہتے ہیں۔“ سروج نے حمید سے پوچھا۔

”میں..... لیکن کہ میں.....“ حمید نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال کا آپ ضرور جائیے۔“

تھوڑی دیر کے بعد فریدی سروج اور حمید دھرم پور کی طرف جا رہے تھے۔

جیسے ہی کار سروج کے مکان کے چھانک پر آ کر رکی اس کا گرے ہاڈٹ کتاب مدا دوڑ آیا۔

”جیک جیک!“ سروج اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی۔

آواز سن کر ٹھاکر بھی چھڑی لیتے ہوئے برآمدے میں نکل آیا۔ اس کی آنکھوں پر بہرہ ہے تھے۔ موٹے موٹے قطرے۔ اس کا محبت بھرا دل امنڈا آیا تھا۔ سروج ایسا۔

سے سر لگا کر سکیاں لینے لگی۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا اور روتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر تک

روتے رہے پھر آنسو پوچھ دا لے گئے اور ڈرائیک روم دیچپ تدرکروں سے گوئیں لگا۔

”بھی بہت تیز گرمی پڑ رہی ہے۔ میرے خیال سے تو کچھ پینا چاہئے۔“ ٹھاکر نے

”میں ابھی شربت بنو کر لاتی ہوں۔“ سروج نے اٹھتے ہوئے کہا اور باہر چل جائیں۔

لمحوں کے بعد ایک ملازم کشتی میں مشتبہ کے خالی گلاں لایا۔ فریدی نے گلاں ہاتھ میں اٹھا

گوہ میں سانپ

جلد نمبر ۱

جنگل میں بھاگی جاری تھی۔

”زرا مجھے کچھ پہلے سے ہتا دیجئے تاکہ میں اسی کے مطابق انتظام کر سکوں۔“ سدھیر نے کہا۔

”میرے خیال سے کچھ زیادہ پریشانی نہ اٹھانی پڑے گی۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”پھر بھی!“ سدھیر نے کہا۔

”بلیں اتنا سمجھ بیجھ کہ قاتل کے دریافت ہو جانے پر آپ کو اس کے ہاتھوں میں ٹھیک ڈال دینی ہوں گی۔“

”یہ تو ہو ہی جائے گا۔ یہ بتائیے کہ آخر قاتل ہے کون؟“ سدھیر نے بیچتی سے کہا۔

”مگر با یہ نہیں ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“

”زرا ہوشیاری سے رہنا۔“ سدھیر نے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کڑی آواز میں کہا۔

”ہاں بھی..... بھی وقت ہوشیاری کا ہے۔“ حمید نے ہنس کر کہا۔ ”اور زرا ہم لوگوں کا

بال رکھنا۔“

”حمد صاحب کی وقت تو ہم غربیوں کی خطائیں معاف کر دیا کیجھ۔“ سدھیر نے کہا۔

”اچھا میں اسی وقت اس پر غور کروں گا۔“ حمید نے کہا اور غور سے فریدی کی جیب کی

لف، کیتھے لگا جو خود تجوہ پھول کر پچک بری تھی۔

”اے!“ حمید نے اچھل کر کہا۔ ”انپکٹر صاحب آپ کی جیب.....!“

فریدی نے حمید کا شانہ دبایا۔ حمید خاموش ہو گیا۔ انپکٹر سدھیر بھی چونک پڑا۔

فریدی نے جلدی سے اپنی ہیئت اس طرح اپنے پہلو میں رکھ دی کہ جیب چھپ گئی۔

”کیا بات ہے۔“ سدھیر نے حمید سے پوچھا۔

”کچھ نہیں..... یونہی ذرا.....!“

”دماغ کا ایک اسکرو ڈھیلا ہونے لگا تھا۔“ فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

لیبر سکھ کی کوئی کے سامنے پولیس کی لاری رکی، سروچ اور لیبر سکھ برآمدے ہی میں

پیٹھ تھے۔ فریدی کے ساتھ اتنے بہت سے کاشیبل دیکھ کر سروچ نے آہت سے کچھ کہا۔ لیبر

دوسرے دن صبح فریدی اور حمید کو توالی گئے۔ کتوالی انچارج انپکٹر سدھیر ان کا انتظار کر رہا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی ہاتھ پھیلا کر ان کی طرف بڑھا۔

”آئیے انپکٹر صاحب! میں آپ ہی لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔“ سدھیر نے فریدی کی مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”کہنے کوئی خاص بات۔“

”خاص بات صرف اتنی ہے کہ آپ آٹھ دس کا کاشیبل لے کر میرے ہمراہ چلے۔“ فریدی نے کہا۔

”غیریت!“ سدھیر نے جیرت سے کہا۔

”بلدی کیجھ! آپ کا شکار میرے چوہ ہے دن میں پھنس گیا ہے۔“ فریدی نے شکرا کر کہا۔ ”اس لئے ہم لوگ جلدی میں ناشستہ دان بھی ساتھ ہی لیتے آئے ہیں۔“ حمید جلدی بول اٹھا۔

”تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ ابھی تک آپ لوگوں نے ناشستہ نہیں کیا۔“ سدھیر نے کہا۔

”کہنے کچھ منکاؤں۔“

”نہیں شکر یہ اس کی ضرورت نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”آپ جلدی سے اپنے آدمیا تیار کر لیجھے۔“

”جلال پورا!“

”جلال پورا!“ سدھیر نے جیرت سے کہا۔ ”تو آپ نے قاتلوں کا پتہ لگالیا۔“

”قریب قریب.....!“ فریدی نے کہا اور سکار گانے لگا۔

سدھیر نے ایک دیوان کو بلا کر کچھ ہدا یتیں دیں اور خود آفس کے اندر چلا گیا۔

تمہوزی دیر کے بعد آٹھ مسلسل کاشیبل آگئے۔

پولیس کی لاری جس پر سدھیر، حمید، فریدی اور آٹھ کا کاشیبل بیٹھے تھے جلال پور کی مڑ

سکھ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں یہ لوگ بھی برآمدے میں پہنچ گئے۔

”کہنے فریدی صاحب..... کوئی تازہ مصیبت.....“ خاکر دلیر سنگھ نے کہا۔

”کوئی خاص بات نہیں..... ادھر سے گزر رہا تھا۔ سوچا آپ سے بھی ملنا چولو۔“

”خوب خوب!“ خاکر دلیر سنگھ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسا بڑا آدمی مجھ سے مذاق نہ کرنا چاہئے۔“ دلیر سنگھ نے اپنے غصے کو دبانے کی کوشش ارے کوئی ہے ذرا کرسیاں لانا۔“

”گرمی بہت شدید ہے“ دلیر سنگھ نے کہا۔ ”میرے خیال میں آپ لوگ کچھ شرہت ہیں۔“ لیکن اگر آپ کو اس سے تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔“

”جی نہیں شکریہ۔“ فریدی نے کہا۔ ”قطیٰ خواہش نہیں۔“

”کہنے کیا بولا والے کیس کی حقیقتاں کے سلسلے میں کہیں تشریف لے گئے فر۔“
سنگھ نے پوچھا۔

”جی ہاں..... کچھ کامیابی ہوئی تو ہے۔“

”کیا میں کچھ معلوم کر سکتا ہوں۔“ دلیر سنگھ نے اشتیاق بھرے لمحے میں کہا۔

”کیوں نہیں!“ فریدی اپنے مخصوص سنجیدہ لمحے میں بولا۔ ”ایک تو یہی اطلاع آپ لئے دیکھی سے خالی نہ ہو گی کہ رندھیر بولا اور ڈاکمز تیشن کا قتل ایک ہی آدمی کی ایمان پر ہوا۔“

”اچھا!“ دلیر سنگھ نے حیرت سے کہا۔ ”واقعی یہ خبر انہائی دلچسپ اور ساتھ ہی حیرت انگیز بھی ہے۔“

”خاکر صاحب۔“ فریدی بولا۔ ”کیا آپ مجھے بلا کا صحیح طیہ بتاسکتے ہیں۔ مجھا لاش دیکھنے کا موقع بھی نہ مل سکتا۔“

”بہت نوب!“ خاکر صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”اگر کوئی انہا کسی کا طیہ بتا لے ضرور پوچھئے۔“

”تو کیا واقعی اب آپ کو آنکھوں سے بالکل دکھائی نہیں دیتا۔“ فریدی نے پوچھا۔

خاکر دلیر سنگھ کے ماتھے پر ٹکنیں پڑ گئیں۔ شاید اسے فریدی کا یہ سوال ناگوار گزرا گا۔

”فریدی صاحب میرا خیال ہے کہ میں آپ سے عمر میں بہت بڑا ہوں۔“ دلیر سنگھ نے

لمحے میں کہا۔

”بیننا!“ فریدی نے اعتراف میں سر ہلایا۔

”تو پھر آپ کو مجھ سے مذاق نہ کرنا چاہئے۔“ دلیر سنگھ نے اپنے غصے کو دبانے کی کوشش

ارے کوئی ہے ذرا کرسیاں لانا۔“

”میرا خیال ہے کہ میں نے کوئی گستاخی نہیں کی۔“ فریدی نے ندامت آمیز لمحے میں کہا

”گرمی بہت شدید ہے“ دلیر سنگھ نے کہا۔ ”میرے خیال میں آپ لوگ کچھ شرہت ہیں۔“

”جی نہیں شکریہ۔“ فریدی نے کہا۔ ”قطیٰ خواہش نہیں۔“

”کہنے کیا بولا والے کیس کی حقیقتاں کے سلسلے میں کہیں تشریف لے گئے فر۔“

”فریدی بھائی! مجرموں کے گرفتار ہو جانے کی کتب تک امید ہے۔“ سروج نے کہا۔

”بہت جلد!“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”خدا کرے ایسا ہی ہو..... تاکہ ہم لوگوں کی طرف سے آپ کا شہر رفع ہو۔“ سروج نے

غموم لمحے میں کہا۔

”آپ لوگوں پر شہر..... ارے لا حول ولا قوہ..... آپ بھی کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ تو ہے

”فریدی یہ کہہ کر اپنے مخصوص لمحے میں سیٹی بجانے لگا۔ وہ دلیر سنگھ کے سامنے بیٹھا ہوا باغ

کا طرف گرد منور ہے کچھ دیکھ رہا تھا۔

”ارے سانپ.....!“ خاکر دلیر سنگھ بے اختیار اچھل کر بولا۔

فریدی کی جیب سے ایک کالا سانپ نکل کر اس کی گود میں ریک ہا تھا۔ سب لوگ

بڑا ہو گئے۔

”سانپ دکھائی دیتے ہیں خاکر صاحب۔“ فریدی نے روپور نکال کر خاکر دلیر سنگھ کی

ٹرافتائی ہوئے کہا۔ ”خبر دار اپنی جگہ سے بننے کی کوشش نہ کرنا۔“

خاکر دلیر سنگھ کے ہاتھ سے اس کی چھڑی چھوٹ پڑی۔

"تم نے اٹھنے کی کوشش کی اور میں نے گولی چلائی۔" فریدی نے تیر لجھا کر خانہ قائم کر کر کھاتھا وہاں سے کافی مقدار میں کوکین برآمد ہوئی۔

"سدھیر صاحب ہھڑی۔" خاکر دلیر سنگھ کے ہاتھوں میں ہھڑی لگادی گئی۔ اس کی بے رونق آنکھیں اور زیلا اپنے سروج پہلے ہی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

نور ہو گئی۔ "تم بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی ہو۔" فریدی نے سروج سے کہا۔ "حالانکہ تمہیں خوش

بنا چاہئے کہ تم اس جال میں چھٹنے سے نجیگیں اگر دلیر سنگھ کو کبھی تم پر ذرا سا شبہ بھی ہو جاتا

"ان کی آنکھوں کا علاج بغیر آپریشن..... اب انہیں انہیں سروج سے میں رہنے کی فریضہ کر رہا جو بولا کا ہوا۔"

ہے۔ "حید نے ہنس کر کہا۔ "واللہ ان پکڑ صاحب آپ ماہر امراض چشم بھی ہیں۔"

"ارے ارے..... یہ کیا ہو رہا ہے۔" سروج بے بُسی سے بولی۔

"گھبراؤ نہیں..... سروج بہن شکر کرو کہ تم نجیگیں ورنہ کچھ دن بعد تم بھی بولا کا ہوں۔ مرد دلیر سنگھ ہی اس قید میں نہیں بلکہ اس کے بارہ ساتھی بھی اس کا ساتھ دے رہے دیتی نظر آتیں۔ اگر کچھ اور زیادہ جانتا چاہتی ہو تو کل شام کو مجھ سے ملتا۔ میں گھر پر ہی ہو رہا ہوں۔ یہ سب شہر کے چھٹے ہوئے شریف تم کے بد معاش ہیں۔"

خاکر دلیر سنگھ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"اٹھنے سر کار!" سدھیر نے اسے ٹوکر لگاتے ہوئے کہا۔

دلیر سنگھ جھلا کر کھڑا ہو گیا اور ہھڑی میں جکڑے ہوئے ہاتھ اٹھا کر اس زور سے پہنچیں بولا نے دلیر سنگھ کو کچھ لکھتے دیکھ لیا۔ اسے حیرت ہوئی ہو گی اور حیرت کی بات بھی کس پر مارے کہ سدھیر تیورا کر دیوار سے ٹکرایا۔ آٹھوں سپاہی دلیر سنگھ پر ٹوٹ پڑے۔ ہے کاغذ کھانیں کرتے۔ دلیر سنگھ کو اس کا احساس ہو گیا۔ اس وقت اس کی سمجھ میں یہی آیا سروج چیختے لگی۔

خاکر دلیر سنگھ لاری میں بے سده پڑا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پچھلے ایک خط تمہارے نام لکھوایا کہ وہ اپنے کسی عزیز سے ملنے کا شہر جاری ہے اور معلوم نہیں تھے اور لاری شہر کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔

لاری کا روائی کر کے۔ تمہارے آنے پر اس نے بولا کا خط تمہیں دے دیا تھا اور تم مطمئن ہو گئے۔ کیوں ہے تاہمی بات۔ دلیر سنگھ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا جس میں ڈاکٹر فریدی کا نام شامل تھا۔ ڈاکٹر سیش نے جو رائے دی اس پر سب راضی ہو گئے۔ لہذا وہیں تھے جیسے ہیں شامل تھا۔

اسی دن شام کو پولیس نے دلیر سنگھ کے مکان پر چھاپے مارا۔ کافی تلاش اور جستجو کے نتائج میں تیز روشنی کا انتظام کر کے بولا اور سیش کی ایک تصویر کھینچی گئی۔ وہ تصویر بھی مجھے مل گئی آخر کار فریدی اس تھہ خانے کا پتہ لگانے میں کامیاب ہوئی گیا تھا جس میں دلیر سنگھ نے کہا۔

لیکن وہ ایسی نہیں کہ تمہیں دھلا سکو۔ بہر حال بولا سے کہا گیا کہ اس نے دلیر کاراز کی، ہوا کر دلیر ٹکھے ہی مجرم ہے۔ جن لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا ان میں سے ایک کی تاریخ میرے کیا تو وہ تصویر اس کے عزیزوں اور اس کے ملکیت کے پاس بھیج دی جائے گی۔ اتنا کچھ ٹکھے ہی۔ اس کی انگلیوں کے نشانات اس تاریخ پر باقی رہے جنہیں میں نے کاغذ پر اتردا کے بعد بھی ان لوگوں کو اطمینان نہ ہوا۔ اسی دوران میں ان کے ہاتھ بولا کے ٹکھے پر شروع ہی سے شروع تھا۔ حالانکہ وہ ایک انہے کا پارٹ بڑی خوش اسلوبی لگ گیا جس سے ظاہر ہوا کہ شاید ان دونوں کے والدین میں کچھ جھگڑا ہو گیا ہے اور اسے انجام دے رہا تھا۔ لیکن ہاں تو جب میں تمہیں یہاں چھوڑنے آیا تھا تو تمہیں یاد ہو گا شادی کرنے پر رضا مند نہیں۔ اس خط کو دیکھتے ہی دلیر ٹکھے نے ایک ایکسیم بنائی۔ وہ یعنی کہ تم نے ہم لوگوں کو شربت پلایا تھا۔ میں نے وہ گلاں چڑایا جس میں دلیر ٹکھے نے شربت پیا رندھیر اور بولا اس دوران غائب کردیے جائیں تو ان کے والدین یہی سمجھیں گے کہ وقت اس پر دلیر ٹکھے کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ اس گلاں کے نشانات اور اس تاریخ کے رندھیر بولا کو کہیں بھگا لے گیا۔ اس ایکسیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ڈاکٹر سعیدش بولا اساتھ میں کوئی فرق نہ لکھا اور پھر آپ کے ٹھاکر صاحب آخرا کو درہ لئے گئے۔

بن گیا۔ اس نے وہ تصویر اسی کے سامنے جلا دی اور اس سے کہا کہ تم رندھیر کو ایک خط کھو۔ ”اچھا یہ بتائیے کہ میرا کیا حشر ہو گا۔“ سرو پریشانی کے لمحے میں بوی۔

تمہیں یہاں سے آ کر نکال لے جائے۔ ڈاکٹر سعیدش نے بولا کو اچھی طرح اطمینان دلایا اس کی پوری پوری مدد کرے گا۔ رندھیر کا جواب آنے پر انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ کب آرہا جہاں تک دونوں کو قتل کر دینے کی ایکسیم کا تعلق ہے ان لوگوں نے بڑی چالاکی سے کام لیا اور زیادہ پرده پوشی کے لئے پولیس کو بھی اس میں الجہاد دینے کی ایکسیم بنا کر سخت دھوکا کام حلالانکہ ان کی ایکسیم بھی بڑی شاندار تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بولا اور رندھیر کے اس طرح ہا ٹاناد کر سکتا۔

”اپ تم اتنی بڑی جائیداد کی تھا مالک ہو۔ دلیر ٹکھے تو پھانسی سے بچ نہیں سکتا۔“

”میں آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ اگر میرا کوئی سگا بھائی بھی ہوتا میرے

ہو جانے سے بولا کے والدین ان دونوں کا حلیہ جاری کرائیں گے اور جب پولیس کو معلوم

کہ دھرم پور کے جنگل میں لاش دیکھنے والا رندھیر ٹکھے ہی تھا تو پولیس اور زیادہ سرگرمی سے

کی تلاش شروع کر دے گی اور شاید ایسا ہوتا بھی۔ اگر عین وقت پر جنگل گیڑھ ہماری مار کر بیٹھتے۔ میں نے تمہیں گیڑھ کی لاش کا واقعہ بتایا تھا۔ وہ بھی دلیر ٹکھے کی حرکت تھی۔ ڈا

سٹیشن صاحب کا پور جا رہے تھے۔ رندھیر کے گھر کی تلاشی لینے تاکہ بولا کا خط ڈھونڈ کر اس

سکیں۔ راستے میں مجھ سے مذبوح ہو گئی۔ وہ گرفتار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اور آدمی بھی تھے جو

کے گرفتار ہونے کے بعد راستے میں سے پلٹ آئے۔ اس نے اس کی خبر دلیر ٹکھے کو دی۔

ٹکھے نے سوچا کہ اب اسے بھی ٹھکانے لگا دینا چاہئے ورنہ ممکن ہے کہ پولیس اس سے اگلوں

پھر دلیر ٹکھے نے مجھ پر اور حمید پر بھی حملہ کیا تھا لیکن تم ابھی تک نہیں جانتیں کہ مجھے یہ کیسے ملا

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 3

پیشہس

جاسوسی دنیا کی تیسری کہانی ”عورت فروش کا قاتل“
 پیش خدمت ہے۔ کہانی بھی آپ کے الفاظ میں ”زور دار“ ہی
 ہے۔ مگر محض تفہیمی نہیں، سبق آموز بھی ہے۔ آپ دیکھیں گے
 کہ بے جوڑ شادیاں کتنی تباہ کن اور معاشرے پر اثر ڈالنے
 والی ہوتی ہیں! لیذی سیتا رام بھی ایک شریف عورت کی طرح
 زندگی بر کر سکتی تھی۔ بشرطیکہ عمر ان کا تقاؤت اس کی زندگی کی راہ
 میں نہ ہائل ہو جاتا۔ بشرطیکہ وہ اپنے ہی طبقہ میں بیاہی جاتی.....
 اس کہانی میں آپ کو تھیہ بھی ملیں گے اور آنسو بھی۔

عورت فروش کا قاتل

ابن صفحہ

کم مئی ۱۹۵۷ء

(مکمل ناول)

انپکٹر فریدی ایک جو ہر شاہس آدمی تھا اس نے پہلے ہی دن حمید کی صلاحیتوں کا اندازہ بنا کر پھر دو تین معاملات میں اپنے ساتھ چانس دینے پر تو وہ اس کا گروہیدہ ہو گیا تھا۔ رفتہ درنوں کے تعلقات بڑھتے گئے اور پھر ایک دن وہ آیا کہ حمید انپکٹر فریدی کے ساتھ رہنے والے دن کے نوکر ہوں۔

اس وقت وہ اس کی کوئی مدد نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے نوکروں پر اسی طرح رعب جارہا تھا جیسے وہ دای کے نوکر ہوں۔

”آپ کون سا سوٹ پکن رہے ہیں۔“ حمید نے فریدی سے پوچھا۔

”کوئی سا پکن لیا جائے گا..... آخر ہیں آج کپڑوں کا خط کیوں پیدا ہو گیا ہے۔“ قسم قسم کی نایاں رکھ کر دیکھتا رہا۔ انپکٹر فریدی اس کے پچھے پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ لیکن اس نے دل دینا مناسب نہ سمجھا۔ آج وہ بھی نمائش جانے کے لئے تیار ہو گیا جراہ۔

”کوئی ایسی خاص بات تو نہیں۔“ حمید نہیں کر بولा۔

”نہیں! تم نے ضرور کوئی نئی محاذت کی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں مان نہیں سکتا۔“

”بات دراصل یہ ہے کہ آج.....!“ حمید رکتے ہوئے بولا۔ ”بات یہ ہے کہ نمائش گاہ تو زیادہ تر اپنے پالتوں جانوروں سے دل بہلایا کرتا تھا یا پھر حمید کے چکلوں سے لف اندوز فرائیں گا۔“

”تو یہ کہئے۔“ فریدی اُسے گھوڑتا ہوا بولا۔ ”آپ ہی تشریف لے جائے۔ میرے پاس ناخوبیات کے لئے وقت نہیں۔“

”خدا کی قسم مزا آجائے گا..... آج آپ بھی ناچئے گا، شہناز کے ساتھ..... اس کی بھی کرداری کرتے تھے لیکن فریدی ہمیشہ نہ کرتا دیتا تھا۔ بیش روں نے اس بات کی کوشش کی۔“

”اچھا.....!“ فریدی طنزیہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ”یہ شہناز کیا بلائے۔“

”غیر علی ہی..... بات یہ ہے کہ..... وہ میری دوست ہے..... یعنی کہ بات یہ ہے.....“

”میں ہاں بات یہ ہے کہ آپ نے کوئی بیان عاشق فرمایا ہے۔“

خونی ناج

آج شام ہی سرجنت حمید نے کافی ہڑبوگ مچا رکھی تھی، لیکن بات محض اتنی ہی تھی کہ اس نے نمائش جانے کا پروگرام بنا یا تھا۔ کہی بار اس نے مختلف رنگوں کے سوت نکالے اور انہی کی نایاں رکھ کر دیکھتا رہا۔ انپکٹر فریدی اس کے پچھے پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ لیکن اس نے دل دینا مناسب نہ سمجھا۔ آج وہ بھی نمائش جانے کے لئے تیار ہو گیا جراہ۔ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ آج کل وہ قطعی بیکار تھا، ورنہ اس جیسے مشغول آدمی کو کھیل تھا۔ اس کی فرستہت کہاں اور ویسے بھی اسے ان چیزوں سے لچکی نہ تھی۔ فرستہ کے اوقات میں زیادہ تر اپنے پالتوں جانوروں سے دل بہلایا کرتا تھا یا پھر حمید کے چکلوں سے لف اندوز فرائیں گا۔“ کرتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہو گا کہ حمید بھی اسکے عائق خانہ ایک جانور تھا۔ جیوان طریف۔

حمدیں کا ماتحت ضرور تھا لیکن ان دونوں کے درمیان کسی قسم کا رسمی تکلف بھی نہیں تھا۔ یہی چیز اس کے دوسرا ماتحتوں کو بہت گراں گزرنی تھی۔ اکثر دبی زبان سے اپنی خنثی کا انتہا لے کر بھی ہو گئی۔“ کی کہ سرجنت حمید کا کسی دوسری جگہ کا تبادلہ کر دیا جائے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے۔ کیونکہ بڑے افسران کو بہر حال کوئی کام فریدی کی امراضی کے خلاف کرنے میں کچھ نہ کہا جاتا۔“ ضرور ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حمید کا تبادلہ کسی دوسری جگہ کا نہ ہو سکا اور نہ سرجنوں کے تباہ۔ آئے دن ہوا کرتے تھے۔

”میں مان نہیں سکتا۔“

”اچھا اگر فاسکس ٹراث ہے تو تاج کر دکھاؤ۔“

”کس کے ساتھ ناچوں۔“

”بیرے ساتھ.....!“

”آپ ناچنا کیا جائیں۔“

”حضور تشریف تو لا کیں۔“

فریدی نے بایاں ہاتھ حمید کی کمر میں ڈال دیا اور حمید کا بایاں ہاتھ اپنے کانڈھوں پر رکھتے

”تو گویا آپ مجھے عورت بکھر رہے ہیں۔ میں کانڈھوں پر ہاتھ نہیں رکھوں گا۔“ حمید نے

پر کر دیجئے ہتھے ہوئے کہا۔

”گدھے ہو۔“ فریدی نے اُسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ ”آؤ تمہیں ناچنا

واردی۔“

دونوں لپٹ کر ریکارڈ کے نئے پر ناپنے لگے۔

فریدی ہاتھیں دے رہا تھا۔

”چیچے ہو۔..... دایاں پاؤں..... بایاں پاؤں..... چیچے..... چیچے..... آگے آؤ۔.....

..... داہنا۔ برخواردار یہ والز ہے..... ہاں ہاں..... بایاں پاؤں..... فاسکس ٹراث نہیں

۔۔۔۔۔

ریکارڈ ختم ہو جانے کے بعد دوسرا ریکارڈ لگایا گیا۔ وہ دونوں پھر ناپنے لگے۔ تھوڑی دیر

ہمیں پیسے میں تر ہو گیا۔

”بلیں میرے شیر..... اتنے ہی میں بول گئے۔“ فریدی نے فس کر کہا۔

”خدا کی قسم..... آپ کا جواب نہیں۔“ حمید نے ہاتھ پتے ہوئے کہا۔ ”میں تو آپ کو انتہائی

لاؤں سمجھتا تھا..... آپ نے یہ سب کیے سیکھ لیا۔“

”جی ہاں..... جی ہاں..... آپ تو سمجھتے ہی ہیں، لیکن میں آپ سے کہا۔“
اس بارہ سو فیصدی سچا عشق ہوا ہے۔ بس یہ سمجھ لجھے کر میں اس کے بغیر.....!“

”زندہ نہیں رہ سکتا۔“ فریدی نے طریقہ انداز میں جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔

”اور اگر زندہ رہ سکتا ہوں تو اس گھر میں نہیں رہ سکتا اور اگر ان گھر میں رہ بھی گزا
رات بھول بھول روئے کے علاوہ اور کوئی کام نہ ہو گا۔“ حمید کھیانی ہنسی ہنسنے لگا۔

”آپ چلتے تو..... اچھا آپ نہ ناچنے گا۔“ اُس نے کہا۔

”خیر چلا جاؤں گا کیونکہ میں بھی تھوڑی سی تفریخ چاہتا ہوں، لیکن براہ کرم وہاں پر
سے تعارف نہ کرانا۔“

”چلے منکور.....!“ حمید نے مسکرا کر کہا۔ ”اچھا اب جلدی سے اپنا سوت نکلوں جسے
پہلے نماش چلیں گے۔“

”تو کیا تمہیں ناچنا آتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں نہیں..... میں فاسکس ٹراث ناچ سکتا ہوں..... والز ناچ سکتا ہوں اور!“

”بلیں.....!“ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اگھی امتحان ہوا جاتا ہے۔“

فریدی نے ریکارڈوں کے ڈبے میں سے ایک ریکارڈ نکال کر گراموفون پر چڑھا۔
ایک اگریزی طرز کا نغمہ کر رہے میں گوئی بخوبی کیا۔

”اچھا تاؤ..... کیا نج رہا ہے۔“ فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔
حمدید بوكھلا گیا۔ اپنی گھبراہٹ کو مسکراہٹ میں چھپاتے ہوئے بولا۔ ”ماڈرن فاسکس
ٹراث.....!“ فریدی نے قہقہہ لگایا۔

”اکی ملی بوتے پر ناپنے چلتے تھے جتاب۔“

”اچھا..... تو پھر آپ ہی بتائیے کہ کیا ہے۔“ حمید نے جھیپٹ مٹاتے ہوئے کہا۔

”والز.....!“

”ایک سراغ رسال کو سب کچھ جانا چاہئے۔“

”میں آپ کا شکر گزار ہوں، ورنہ آج سخت شرمندگی اٹھانی پڑتی۔“ حمید نے کہا۔

”شرمندگی کس بات کی۔“ پھر فیصلی لوگ عموماً غلط ناچلتے ہیں۔ تم تو پھر بھی نیز اُپکو کا نذر شہر کے بڑے ہوٹلوں میں ہوتا تھا..... یہاں کا سارا کاروبار انگریزی طرز پر چلا رہے تھے۔“

”یہاں تاچ بھی ہوتا تھا جس میں شہر کے اوپنے طبقے کے لوگ حصہ لیا کرتے تھے۔“

”اچھا تو پھر آج آپ کو بھی ناچنا پڑے گا۔“ حمید نے کہا۔

”دونوں نے آپکو بچنی کر لکھ تھیں اور ہاں میں داخل ہو گئے۔ سارا ہاں برتنی قسموں“

”یہ غلط بات ہے۔ میں تمہارے ساتھ اسی شرط پر چل سکتا ہوں کہ مجھے ناچ پڑھے۔“ بلکہ ہاٹا اور موستقی کی لہریں فضا میں منتشر ہو رہی تھیں۔ پہلا راؤٹڈ شروع ہو گیا تھا میثمار کرتا۔“

”ٹول پش نوجوان جوڑے بغل کیڑہ کر ہاں کے جوبی فرش پر تیر رہے تھے۔“

”عجیب بات ہے..... اچھا خیر..... میں آپ کو مجبور نہ کروں گا۔“

”دونوں کافی دریک نماش کے چکر لگاتے رہے۔ حمید کی یہ کیفیت تھی کہ وہ ہر حیناً بہتر میں شہناز کو کھلاش کر رہی تھیں۔“

”کو قریب سے گزرتے دیکھ کر فریدی کا ہاتھ دبا دینا ضروری سمجھتا تھا اس وقت فرا جن جھنگلا ہست دیکھنے کے قابل ہوتی۔ جب وہ اس کی توجہ کسی دوسری طرف سے ہٹا کر کیا کر کے کہا۔ فریدی اور ہر دیکھنے لگا۔ ایک خوبصورت لڑکی ریشمی شلوار اور فراک میں لمبوس ایک،“

”امزیب نوجوان کے ساتھ ناچ رہی تھی، فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ دونوں ان کو دکھلانے کی کوشش کرتا۔“

”حید آختم اتنے گدھے کیوں ہو؟“ فریدی نے چلتے چلتے رُک کر کہا۔

”اکثر میں بھی یہی سوچا کرتا ہوں۔“ حمید فس کر بولا۔

”ویکھو میں تمہیں سنجیدگی سے سمجھاتا ہوں کہ اب تم اپنی شادی کر ڈالو۔“

”اگر کوئی شادی شدہ آدمی مجھے اس قسم کی نیت کرتا تو میں ضرور مان لیتا۔“ ہے تو یہ سب بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ وہ تمہاری بیوی تو نہیں کہ تم اس پر جھنگھنلا رہے ہو اور پھر مسکرا کر کہا۔

”آگر یہ ممکن نہیں تو پھر میری یعنی طرح عورتوں کے معاملے میں پھر ہو جاؤ۔“

”آپ تو خواہ مخواہ بات بڑھادیتے ہیں۔“ حمید نے بُر امان کر کہا۔ ”کیا کسی اچھی تعریف کرنا بھی جرم ہے۔“

”جنم تو نہیں لیکن ہمارے پیشے کے اعتبار سے یہ رجحان خطرناک ضرور ہے۔“

”حمد نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا مجھے“

”نہیں میں اب نہیں ناچوں گا۔“

”کیوں.....؟“

”لہن یونہی..... دل نہیں چاہتا۔ آئیے واپس چلیں۔“ حمید نے بُر دلی سے کہا۔

”پھر آئے کیوں تھے..... عجیب آدمی ہو۔“

”یہاں ٹھہر نے کو دل نہیں چاہتا۔“

”بھی میں تو ابھی نہیں جاسکتا۔“ فریدی نے کہا اور سگار کا شکار کر لے بے شکر لے لیا تو
”خیر پھر مجبوری ہے.....!“ حمید آہستہ سے بولا۔

”گھراؤ نہیں.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”مجھے تمہاری محبوبہ سے قلعی کوئی لپیٹی
میں تو اس آدمی میں دلچسپی لے رہا ہوں جو کیا نام ہے اس کا..... ہاں..... شہناز کے رہا
رہا ہے۔“

حمد فریدی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

”کیا تم نے اسے پہلے کبھی دیکھا ہے۔“ فریدی نے حمید سے پوچھا۔

”دیہیں.....!“

”اس کا نام رام نگھ ہے اور یہ ایک خطرناک آدمی ہے۔ خود کو کسی ریاست کا شہزادہ
کے ہوئے ہے لیکن دراصل ایک خطرناک مجرم ہے۔“ فریدی نے سگار کا کاش لے کر کہا۔
”یہ سب آپ کیے جانتے ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”عجیب حقانہ سوال ہے، ارسے میں ان حضرت کو نہ جانوں گا تو پھر کون جانے گا۔
”میں عرصہ سے اس کی تاک میں ہوں۔ مجھے شبہ ہے کہ آج کل یہ لڑکوں کا یوپیا
ہے۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ شہناز کون ہے، کیا کرتی ہے اور اس کا تعلق کس خاندان سے ہے۔
”یہ تو مجھے پتہ نہیں کہ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں
ماڑوں گروکانج میں پیچرار ہے۔“

”تمہاری ملاقات اس سے کس طرح ہوئی۔“

”دو ماہ قبل جب میں دس دن کی چھٹیاں گزار کر گھر سے واپس آ رہا تھا تو یہ مجھے
ملی تھی، ہم دونوں کمپارٹمنٹ میں تھا تھے۔ اس لئے ایک دوسرے سے شناسائی حاصل
میں دقت نہ ہوئی۔ اس کے بعد سے اکثر ہم دونوں ایک دوسرے سے یہاں ملتے رہتے ہیں۔“

”بیوادیہ جانتی ہے کہ تمہارا تعلق محکمہ سراجِ رسانی سے ہے۔“

”نہیں میرے بہت کم جانتے والے اس سے واقف ہیں۔“

”یہ ابھی عادت ہے۔“

”لوں خاموش ہو گئے۔ شہناز اور رام نگھ ایک دوسرے سے باشنا کرتے ہوئے ناج
نم۔ شہناز پس پس کر اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ طرح طرح کے مٹھکہ خیز منہ بنا کر
قا۔

پہلا راڈنٹ ختم ہو گیا کچھ لوگ سائیڈ میں بیٹھ کر ستانے لگے اور کچھ بار کی طرف چلے
ام نگھ اور شہناز بھی ایک طرف بیٹھ کر ستارہ ہے تھے، شہناز بار بار مڑ کر حمید کی طرف
نہیں۔ اسے شاید خیال تھا کہ حمید اس کے پاس آئے گا لیکن جب اس نے دیکھا کہ حمید
سے بلا بھی نہیں تو وہ خود اٹھ کر ان کی طرف بڑھی۔

”بھوی حمید صاحب..... آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ آئیے چل کر بیٹھیں، چلنے میں
کوئی صاحب سے ملاوں۔ ان سے ابھی اسی وقت ملاقات ہوئی ہے۔ بہت دلچسپ آدمی
شہناز نے کہا۔

”وہ شاید ہم لوگوں سے ملتا پسند نہ کریں۔“ فریدی نے کہا۔

”واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے.....!“ شہناز نے حمید کو مخاطب کر کے فریدی کی طرف دیکھتے
ہوا۔ ”آپ کی تعریف.....!“

آپ ہیں میرے دوست احمد کمال اور آپ ہیں مس شہناز۔“ حمید نے تعارف کرایا۔

”آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔“ فریدی نے شہناز سے ہاتھ ملاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”مجھے بھی.....!“ شہناز نے اپنے خوبصورت دانتوں کی نمائش کی۔

استئن میں دوسرا دوڑ شروع ہو گیا۔

”کیا مسلماً آپ سے درخواست کر سکتا ہوں۔“ فریدی نے شہناز سے کہا۔

”اوہ بڑی خوشی سے۔“ شہناز نے داہنا تھوڑا پھیلاتے ہوئے کہا۔

فریدی نے داہنا ہاتھ پکڑ کر بیاں ہاتھ اس کی کمر میں ڈال دیا اور ہلکا بکار
ہوا تاپنے والوں کی بھیر میں آگیا۔

حمدیکی آنکھیں حیرت سے بھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ رام سنگھ اب کسی اور لذکر کے
رہا تھا۔ فریدی ایک مشاق ناچنے والے کی طرح اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ غالباً
بھی آہستہ آہستہ ہدایتیں دیتا جا رہا تھا۔

حمدیکا پھرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا، وہ کئی بار اٹھا اور بیٹھا۔ پھر بار کی طرز
ایک بولیں پی اور رومال سے منہ پوچھتا ہوا اپس آگیا۔ فریدی اور شہناز ناچنے
کے پاس سے گذر رہے تھے، فریدی نے شہناز کی نظریں بچا کر مسکراتے ہوئے جوڑا
اور حید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے جسم پر سیکڑوں چیزوں رینگنے لگی ہوں، اس۔
سکوڑ کر دوسرا طرف منہ پھیر لیا۔ فریدی نے جھک کر شہناز کے کان میں کچھ کہا۔ اس
طرف دیکھ کر ہنسنے لگی۔ حید کا غصہ اور تیز ہو گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ قریب ہی!
بڑھی اور بدھلک ایگلو اٹھیں کے قریب آیا اور اس سے ناچنے کی درخاست کی، پہلا
کر بھٹائی کہ شاید حید اس کا ناق اڑا رہا ہے، لیکن پھر اس کی قدر سے سنجیدگی دیکھ کر پڑے
لے کہا۔

کھڑی ہو گئی۔ حید اس سے بغل گیر ہو کر ناچنے لگا۔ ہال میں بے شمار تھیں گوئے لگے
فریدی اور شہناز اس بُری طرح پُش رہے تھے کہ انہیں قدم سنجا لانا دشوار ہو گیا
اتی سنجیدگی سے ناچ رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ البتہ بڑھیا بُری طرح شرا
چند منٹ گذرنے کے بعد دونوں اس طرح گھل مل کر باتمیں کر رہے تھے، جیسے برسوں
ہوں۔

”شہناز کا دو پڑ بار بار شانوں سے ڈھلک رہا تھا۔ وہ ایک قول صورت لڑکی تھی۔ عمر
اٹھ تیس سال سے زیادہ نہ رہی ہو گی، اس کے چہرے میں سب سے زیادہ چیز اس
کے ہونٹ تھے، اوپری ہونٹ نچلے کی مناسبت سے کافی پٹا تھا۔ نچلے ہونٹ کے درمیان کا
لاروگ اس کی جنی شدت پسندی کی غمازی کر رہا تھا۔ ہستے وقت گاؤں میں خفیف سے
آپ کی معنوں ہوں کہ آپ نے مجھے ایسے باکمال آدمی سے ملا دیا۔ مجھے آپ سے
جسچہ جانے تھے۔“

”مدلے گی۔“

”ضرور..... ضرور.....!“ حید نے ہستے ہوئے کہا۔ ”ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے،
قہی بڑے باکمال آدمی ہیں۔“

فریدی نے میز کے پیچے حید کا پاؤں اپنے پاؤں سے دبادیا۔
”آپ کا نام جانتا مانگتا۔“ بڑھی ایگلو اٹھیں حید سے مخاطب ہو کر بولی۔

”ہمارا نام.....!“ حید مسکرا کر بولا۔ ”ہمارا نام الوکا پٹھا ہے۔“

”نھیں تھیک بتاؤ۔“ بڑھیا بے تحاشہ بُتھی ہوئی بولی۔
”چاہیدہ کا پٹھا کی۔“ حید نے کہا۔

”نہیں..... تھیک بولو۔“

حید نے جھک کر آہستہ سے اس کے کان میں کچھ کہا۔

”تم پاگل ہے۔“ وہ کھسیانی بُتھی بُتھی ہوئی بولی اور شرما کر سر جھکالیا۔

”معلوم ہوتا ہے کون صاحب چلتے گے۔“ شہناز نے گردن اوپھی کر کے ادھر ادھر دیکھتے
کر بھٹائی کہ شاید حید اس کا ناق اڑا رہا ہے، لیکن پھر اس کی قدر سے سنجیدگی دیکھ کر پڑے
لے کہا۔

”یہ کون صاحب کہاں رہتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”پتھیں..... مجھ سے تو سیہیں اسی وقت ملاقات ہوئی تھی، ویسے ہیں دلچسپ آدمی۔“

”صورت سے تو زادیوٹ جان پڑتا ہے۔“ حید نے منہ بنا کر کہا۔

”نہیں واقعی بہت زندہ دل آدمی ہے۔“ شہناز بولی۔

”شہناز کا دو پڑ بار بار شانوں سے ڈھلک رہا تھا۔ وہ ایک قول صورت لڑکی تھی۔ عمر

اٹھ تیس سال سے زیادہ نہ رہی ہو گی، اس کے چہرے میں سب سے زیادہ چیز اس

کے ہونٹ تھے، اوپری ہونٹ نچلے کی مناسبت سے کافی پٹا تھا۔ نچلے ہونٹ کے درمیان کا

”کمال صاحب..... واقعی آپ نے کمال ہی کر دیا۔“ شہناز بولی۔ ”حمد ماء
آپ کی معنوں ہوں کہ آپ نے مجھے ایسے باکمال آدمی سے ملا دیا۔ مجھے آپ سے
جسچہ جانے تھے۔“

دوسرا راؤٹ ختم ہو گیا۔

فریدی، حید، شہناز اور ایگلو اٹھیں بڑھیا ایک میز کے گرد آیا۔

”لاروگ اس کی جنی شدت پسندی کی غمازی کر رہا تھا۔ ہستے وقت گاؤں میں خفیف سے
آپ کی معنوں ہوں کہ آپ نے مجھے ایسے باکمال آدمی سے ملا دیا۔“

آپ کی معنوں ہوں کہ آپ نے مجھے ایسے باکمال آدمی سے ملا دیا۔ مجھے آپ سے
جسچہ جانے تھے۔“

شہناز نے اپنا سارا بوجھ فریدی کے کاندھوں پر ڈال دیا۔ وہ ایک نئے میں ڈوبی ہوئی تاکی طرح لہریں لے رہی تھی۔ تیرسا راؤٹھ ختم ہونے میں انہی کافی دیر تھی لیکن اچانک شرارک گیا۔ تاپنے والے جیرت سے ایک دوسرا کامنہ دیکھنے لگے۔
ہوٹل کا فیجر اوپر گلری میں کھڑا جیخ جیخ کر کھرد رہا تھا۔

”خواتین و حضرات..... مجھے افسوس ہے کہ آج کا پروگرام اس سے آگے نہ بڑھ سکے

”کیوں کس لئے۔“ بہت سی غصیلی آوازیں بیک وقت سنائی دیں۔
”یہاں ایک آدمی نے ابھی ابھی خود کشی کر لی ہے۔“

ہال میں سناٹا چھا گیا۔ پھر بیک وقت مختلف قسم کی آوازوں کے ملنے سے ایک عجیب قسم بھنگاہٹ سی گوئنچے لگی۔ لوگ ایک ایک کر کے جانے لگے، حتیٰ کہ تھوڑی دیر بعد پورے میں صرف آٹھ دس آدمی رہ گئے، ان میں حمید، فریدی اور شہناز کے علاوہ ہوٹل کے منی بھی شامل تھے۔

”تو ہم لوگ کس لئے رکے ہوئے ہیں۔“ شہناز نے کہا۔
”بدتیزی ضرور ہے.....!“ فریدی بولا۔ ”لیکن شاید آپ کو تھا واپس جانا پڑے، مجھے سے کچھ ضروری کام ہے۔ اس لئے مجھے اس کا انتظار کرنا پڑے گا۔“

”کوئی بات نہیں۔“ شہناز بولی۔ ”بھلا اس میں بدلتیزی کی کیا بات ہے، اچھا پھر کلب

”مزٹر گشتی۔“ فریدی نے کہا اور پھر اچانک چونک کر بولا۔ ”یہ کیا.....؟“

فریدی کی نے اس کا کارڈ لے لیا جس پر پتہ لکھا ہوا تھا۔

شہناز چلی گئی۔

”واہ استاد..... آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔“ حمید شکائی لمحے میں بولا۔ ”اگر اسی طرح الارادہ تبدیل کرنا تھا تو کسی اور پر نظر عناءت کی ہوتی۔“

”مشتعل پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب۔“ فریدی نے گھٹا کر کہا۔

حمد اس وقت اسے عجیب نظریوں سے گھور رہا تھا۔ اسی نظریں جن میں شکایت تاپنے دی گئی کی جھلکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

”حمد صاحب آپ اس قدر خاموش کیوں ہیں؟“

”میں دراصل اس نے خاموش ہوں۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔ ”کہ خاموش رہے

کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے۔“

”آپ انہیں کھانا ہضم کرنے دیجئے۔“ فریدی نے شہناز کا ہاتھ پکڑتے ہوئے

”آئے ایک راؤٹھ اور ہو جائے۔“

تیرے راؤٹھ کے لئے موسیقی شروع ہو گئی تھی۔

فریدی اور شہناز بھی تاپنے والوں کی بھیڑ میں آگئے۔ حمید نے پھر اسی بڑھیا کر ناچنا شروع کر دیا۔

”آپ واقعی بہت اچھا ناپتے ہیں۔“ شہناز نے آہتہ سے کہا۔

”اور آپ..... آپ کس سے کم ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”آپ کرتے کیا ہیں؟“

”بہت کچھ کرتا ہوں..... اور کچھ بھی نہیں کرتا۔“

”یعنی.....!“

”مزٹر گشتی۔“ فریدی نے کہا اور پھر اچانک چونک کر بولا۔ ”یہ کیا.....؟“

”کیا بات ہے۔“ شہناز نے اپنی بوجھ پلکتیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ آنا

آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں اور ان میں سرخ سرخ ڈورے نظر آنے لگے تھے۔

”ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی نے رو اور چلا یا ہو۔“ فریدی نے ایک طرف دیکھنے پر کہا۔

”ریوالو..... یہاں رو اور چلا کیا کام..... میں نے تو نہیں سن۔“

”ساز بہت اونچے سروں میں رنج رہے ہیں۔“

”خدا خیر کرے۔“

”چھوڑو آؤ دیکھیں کیا معاملہ ہے۔“ فریدی نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے برآمدے میں کافی بھیڑ تھی۔ کرہ نمبر تین کے دروازے پر دو کانٹیل کفر تھے۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر دونوں سلام کرتے ہوئے ایک طرف ہٹ گئے۔

”میں شاپ تھا، دوسرا راؤٹ تک انہیں وہاں دیکھا گیا ہے اور پھر یہ یہاں اپنے میں پہنچ آئے تھے۔“

”ایسا یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کس کے ساتھ ناق رہے تھے۔“ ایک سب انسپکٹر نے

”پہنچ سوائے میرے اور کوئی نہ بتا سکے۔“ فریدی اچانک بول پڑا۔
سب لوگ بیک وقت پیچھے مڑ کر دیکھنے لگے۔
”وون سب انسپکٹر گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔“

”آپ..... یہ تو بڑا چھا ہوا انسپکٹر صاحب کہ آپ یہاں موجود ہیں۔“ ایک سب انسپکٹر بیکی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ یہ ایک نوجوان آدمی تھا، جو شاید حال ہی میں ٹریننگ آیا۔ اس کے دوسرا ساتھی سب انسپکٹر نے جو کافی معمرا تھا اس سامنہ بنایا لیکن جلد ہی پڑھا بولنے میں کامیاب ہو گیا۔

”آئیے..... آئیے..... اب ہمیں زیادہ پریشان نہ ہونا پڑے گا۔“ دوسرا سب انسپکٹر

قتل یا خودکشی

حمد اور فریدی کی نظر میسے ہی لاش پر پڑی وہ چونک گئے۔ کمرے کا مظفر مدد درجہ تھا۔ ایک آرام کری پر لاش اس طرح پڑی تھی میسے مقتول بیٹھے ہیک لگا کر کچھ درجہ اونگ گیا ہو، اس کا داہنا ہاتھ جس میں پستول دبا ہوا تھا اس کی گود میں پڑا تھا۔ بیان ان لٹک کر زمین پر نکا ہوا تھا۔ گردن باسیں طرف لڑک گئی تھی۔ فریدی اور حمید نے ایک کو منی خیز نظر ہوں سے دیکھا۔

”یہ تو وہی ہے جو شہناز کے ساتھ ناق رہا تھا۔“ حمید نے آہستہ سے فریدی کے کہا۔

فریدی نے اس کا ہاتھ دبادیا۔ حمید خاموش ہو گیا۔

کمرے میں دو انسپکٹر اور ایک ہیڈ کانٹیل ہوٹل کے نیجر کا بیان لے رہے تھے۔ وہ تینوں اس طرح مشغول تھے کہ انہیں فریدی اور حمید کے آنے کی اطلاع: ہوٹل کا نیجر کہہ رہا تھا۔

”کنور صاحب تقریباً دو ماہ سے اس ہوٹل میں نمہرے ہوئے تھے۔ میں ان کے انتباہی پتا کلتا ہوں کہ ان کے احباب انہیں کنور صاحب کہہ کر مجا طب کرتے تھے میں یہ کیوں کر پتا کلتا ہوں کہ انہوں نے خودکشی کیوں کی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ وہاں

”انگلک تو کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔“ نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

”اُن کے متعلق بھی کچھ معلوم ہوا کہ یہ ہے کون۔“

”کوئی ریاست کے کنور ہیں۔“

”کس ریاست کے؟“

سب انپکٹروں نے ہوٹل کے فنگر کی طرف دیکھا۔

”یہ تو میں بھی نہیں بتا سکتا۔“ ہوٹل کے فنگر نے کہا۔

فریدی مگر انے لگا۔

”بڑی عجیب بات ہے کہ جو شخص سوسائٹی میں اس قدر مقبول ہو، اس کے لئے بھی نہ جان سکیں۔“ فریدی نے کہا۔

”یہی تو سوچنے کی بات ہے۔“ نوجوان سب انپکٹر بولا۔

”بالکل اسی طرح ہے آپ اپنے کو پرمند نہ پولیں ظاہر کریں اور یہ احتراز کریں کہ آپ کس شہر میں معین ہیں۔“ فریدی نے سکار سلگاتے ہوئے کہا۔

”بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ۔“ نوجوان سب انپکٹر بے اختیار بول اٹھا۔

”خبر ہو گا.....!“ بوڑھے سب انپکٹر نے کہا۔ ”اس سے کیا بحث ہے؟ میں تو از کی وجہ دریافت کرنی ہے۔“

”ہاں تو غالباً ابھی آپ نے یہ فرمایا تھا کہ آپ اس محورت سے واقف ہیں ساتھ یہ ناج رہا تھا۔“

”میں جانتا ہوں مگر شاید وہ اس واقعہ پر کوئی روشنی نہ ڈال سکے کیونکہ نہ تو یہ کوئی کس خود کشی کا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

بوڑھا سب انپکٹر ہنسنے لگا۔

”تو گویا آپ میرے پچیس سالہ تجربے کو جھٹا رہے ہیں۔“ سب انپکٹر نے میں کہا۔

”جی ہاں..... یہ بات میں اپنے صرف چھ سالہ تجربے کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔“ نے کہا۔

”اگر آپ کو یقین نہ ہو تو یہ دیکھئے۔“

فریدی نے مرنے والے کی گھنی موچھیں اکھاڑ لیں۔ کہیں کہیں ایک آدمی

”کہنے والوں نے اسے بیجا نتے ہیں آپ.....؟“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”دونوں سب انپکٹر ہیئت سے منہ بھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہے تھے۔“ دونوں نے

نئی میں سر ہلا دیا

”تو آپ نہیں جانتے کیا؟ آپ نے مشہور بدمعاش رام سنگھ کی تصویر نہیں دیکھی جو ابھی مالی میں آئی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

بوڑھے سب انپکٹر نے شرمندہ ہو کر سر جھکایا۔

”اب یہ بتائیے کہ اسے قتل کس طرح کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا ہے۔“ نوجوان سب انپکٹر بولا۔

”اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔“ فریدی لاش پر بھکتے ہوئے بولا۔ ”ایک تو یہی کہ اگر

اس نے خود کشی کی ہوتی تو اس کی لاش استثنے سیکیت سے آرام کریں پر نہ کمی ہوتی اور نہ پستول

والا ہاتھ اتنےطمیان سے اس کی گود میں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ کہ پستول اس کے داہنے ہاتھ میں

ہے اور گولی کا رزم بامیں کھینچی میں۔ یہ تو یہی گما کرنا کچھ نہیں کوئی ہوئی۔ اگر آپ کے

داہنے ہاتھ میں پستول ہے تو آپ خود کشی کے لئے داہنی ہی کھینچی کو نشانہ بنائیے گا۔ کیونکہ یہی

سیدھا ہاپتا ہے، اب تیسری وجہ سنتے ذرا اور تریب آجائے اب اس رزم کو دیکھئے اگر یہ کسی خود

کشی کا ہوتا تو رزم کے از گرد کا حصہ بارو د کے دھوئیں سے سیاہ ہو گیا ہوتا لیکن یہاں اس قسم کی

کوئی چیز نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گولی کافی فاصلے نے چلائی گئی۔ رعنی چوتھی وجہ تو

”بالکل صاف ہے، ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت زیادہ طاقت والا پستول ہے۔ اگر اس کی نالی کھینچی پر کھکر گولی چلائی ہوتی تو وہ سر کے اندر نہ رہ جاتی۔ بلکہ دوسری طرف کی ہڈی بھی توڑ کر باہر

کھلا جاتی۔ اگر یہ چیز قانون کے خلاف نہ ہوتی تو میں ابھی آپ کو اس کا تجربہ کردار دیتا۔“

”وہ کس طرح.....!“ بوڑھے سب انپکٹر نے کہا۔

”اس کی کھینچی پر دوسرا فائز کر کے۔“ فریدی بولا۔

بوز حاسب اسپکٹر خاموش ہو گیا۔

”واتھی اسپکٹر صاحب جیسا آپ کا نام سناتھا آپ کو ویسا علی پایا۔ مجھ کہتا ہوں اس طرز
ہم لوگوں کا دھیان علی نہیں گیا۔“ نوجوان سب اسپکٹر بولا۔

”ایسا تو نہیں ہے میں بھی اس پر غور علی کر رہا تھا۔“ بوز ہے سب اسپکٹر نے کہا۔
حمداب تک بالکل خاموش تھا۔ یہ سن کر اپنی فہمی ضبط نہ کر سکا۔

”آپ مجھ کہتے ہیں داروغہ جی۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”کل تک آپ قاتل کو بھی گرفتار
کر لیں گے۔“

”جی ہاں..... کر کے دکھادوں گا۔“ بوز حاسب اسپکٹر جوش میں آ کر بولا۔

”حمدید یہ کیا بکواس ہے۔“ فریدی نے اسے گھور کر کہا۔ ”داروغہ جی! آپ کچھ خیال نہ
مجھے گا۔ یہ یونہی بے موقع بے تکلی بولتا رہتا ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔“ بوز حاسب اسپکٹر بولا۔ ”میں انکی کافی تعریف سن چکا ہوں۔“

”اور اسوقت آپ مجھ سے مل کر خوش بھی ہوئے ہوں گے۔“ حمید نے پیساختہ کہا
بوز ہے سب اسپکٹر نے پھر بر اسامنہ بنا یا۔

”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قاتل نے حملہ کس طرف سے کیا۔“ نوجوان سب اسپکٹر
بولا۔

”اس روشنداں سے۔“ فریدی نے بائیں جانب کی دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
کہا۔

”یہ عسل خانہ ہے۔“ ہٹل کا فنجر بولا۔

”ٹھہریے..... یہ معاملہ بھی صاف ہوا جاتا ہے۔“ فریدی نے عسل خانے کا دروازہ کھول
کر اندر گھستے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مسکراتا ہوا عسل خانے سے نکل آیا۔

”رام سنگھ ناچ سے تھک کر لوٹا۔“ فریدی نے کہتا شروع کیا۔ ”غائبًا قاتل پلے عیسے
تیار تھا۔ اسے اس طرف آتے دیکھ کر چکے سے عسل خانے میں گھس گیا۔ رام سنگھ اس آرام

کری پا آ کر لیت گیا۔ قاتل نے نہایت اطمینان سے روشن دان سے اس کی بائیں کہنی کا نشانہ
لا یا اور گولی چلا دی۔ آرکسٹرا کی پر شور آواز میں گولی کی آواز کی طرف کسی نے دھیان بھی نہ دیا۔
بین میں نے گولی کی آواز سنی تھی۔ گولی لگنے عی مقتول اچھل کر ادھر آگرا۔ یہ دیکھئے یہاں
خون کا دھبہ ہے، جو دوسرے بڑے دھبے سے بالکل علیحدہ ہے۔ قاتل اس وقت عسل خانے
کے اندر رہا ہو گا جب تک رام سنگھ تم ہوئی ہو۔ مگر نہیں اس نے ایسا نہ کیا ہو گا۔ کیونکہ اسے یہ
ہنzel بھی تو اس کے ہاتھ میں دینا رہا ہو گا اور یہ کام لاش کے ٹھنڈے ہونے پر جب کہ جسم اکثر
جاہا ہے نہیں ہو سکتا۔ اس میں کچھ جان بانی رہی ہو گی۔ تب یہ اس نے اس کا اٹھا کر پھر کری پر
زال دیا ہو گا اور پس قبول اس کے ہاتھ میں دے کر اس وقت تک اسے اپنے ہاتھوں سے دبائے
رہا ہو گا جب تک کہ لاش بالکل سرد نہ ہو گئی ہو کے۔

”یہ سب آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں۔“ بوز حاسب اسپکٹر بولا۔

”میرے ساتھ آئیے میں بتاؤ۔ آپ بھی آئیے۔“ فریدی نے نوجوان سب اسپکٹر کو
بھی اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تینوں عسل خانے میں چلے گئے۔ انکے پیچھے حمید بھی تھا۔
”بھلا بتائیے تو۔“ فریدی نے عسل خانے میں داخل ہو کر کہا۔ ”اس کری کا یہاں کیا تک
ہے اور اس پر پیروں کے نشانات کیے ہیں۔ خود رام سنگھ یا ہٹل کا ملازم اتنا بدتر نہیں ہو سکتا کہ
ٹھل کے گدے کی کری پر کچھ بھرے ہوئے جو توں سمیت کھڑا ہو کر اس کے نفس گدے کو
خاب کر دتے۔ اب ذرا اسی کری پر کھڑے ہو کر اس روشنداں کو سوٹھئے..... آئیے آئیے اور
چھا آئیے۔ ہاں ذرا ناک تو لگائیے اس روشن دان سے۔ کہنے باروں کی بدبو آری ہے یا
نہیں اور یہ دیکھئے دھوئیں کا نشان۔“ فریدی خاموش ہو گیا۔ بوز ہے سب اسپکٹر کے منہ پر
کوایاں اڑ رہی تھیں، نوجوان سب اسپکٹر فریدی کو تھیں آمیز نہ ہوں سے دیکھ رہا تھا۔

”آؤ بھی حیداب چلیں۔“ فریدی نے حمید کے کانہ ہے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ پھر
”لگے سب اسپکٹر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔“ داروغہ جی معاف کیجئے گا۔ میں نے خواہ مخواہ
اپ کا وقت برباد کیا۔“

”اے وادھا صاحب۔“ نوجوان سب انسپکٹر نے کہا۔ ”اگر آپ نہ ہوتے تو ہم لوگ جانے کہاں بھلکتے پھرتے۔ عیسیٰ تو آپ کا شکر گزار ہونا چاہئے۔“

بوڑھا سب انسپکٹر بھی حصینی ہوئی تھی کے ساتھ اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔ فریڈ چلتے رک گیا۔ وہ پھر لوٹ کر لاش کے قریب آیا۔ تھوڑی دیر تک مقتول کے اس ہاتھ جائزہ لیتا رہا جس میں پستول دبا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سیٹی بجانے لگا۔

اب وہ جھک کر کری کے نیچے دیکھ رہا تھا۔ اس نے لاش کے نیچے دبا ہوا ایک سفید ٹیک رومال کھینچ لیا اور اسے بغور دیکھنے لگا۔ وقتاً اسکے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”یہ بیجتے..... یہاں ایک عورت بھی تھی۔“

”میں.....!“ بوڑھے سب انسپکٹر نے چوک کر کہا۔

”جی ہاں..... یہ کسی عورت کا رومال ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔“ نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

”نہایت آسانی سے..... یہ جسے دیکھ رہے ہیں آپ۔“ فریدی نے رومال پر پڑ ہوئے سرخ رنگ کے دھمے دکھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ ہنوں میں لگانے والی سرخی کے دھمے! انگلمراغ رسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔“ اور بالکل تازے ہیں۔“

”کمال کر دیا آپ.....!“ نوجوان سب انسپکٹر نے فریدی کو حیرت سے دیکھتے ہو۔

کہا۔

”تو پھر اسکا یہ مطلب ہوا کہ یہی عورت قاتل بھی ہے۔“ بوڑھا سب انسپکٹر بولا۔

”جی نہیں..... کیا آپ نے کری کے گلدے پر پڑے ہوئے جتوں کے نشانات کا لیا جائزہ نہیں لیا۔ اگر کسی عورت کے اتنے بڑے پیر ہو سکتے ہیں تو آپ ہی کا کہنا حق ہوگا۔“

”تو پھر وہ قتل کی سازش میں شریک رہی ہوگی۔“ بوڑھا سب انسپکٹر اپنے خلک ہوٹل زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

”ایک معتلا، بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ فریدی نے بچھا ہوا سارے سلاکات ہوئے کہا۔

ابنی دوست

”وسرے دن صبح حمید اور فریدی ناشتہ کرنے کے بعد ڈرائیکٹ روم میں بیٹھے رات والے دش کے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ ملازم نے ایک ملاقاتی کارڈ لا کر میز پر رکھ دیا۔

”حید نے کارڈ اٹھا کر پڑھا۔“ مس شہناز بیگم۔“

”اے! یہ یہاں کیسے پہنچ گئی۔“ فریدی نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ضرور تم نے بتا دیا..... آخر خواہ مخواہ مجھ سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔“

”میں تم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے یا آپ کے متعلق اسے کبھی نہیں بتایا کہ انگلمراغ رسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔“

”بیجتے دھمے!“ فریدی نے ملازم سے کہا۔

”ملازم چلا گیا۔ دوسرے ہی لمحہ میں شہناز کرے کے اندر تھی۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ لک پڑی۔

”اے..... آپ لوگ یہاں۔“ اُس نے حیرت سے کہا۔

فریدی اور حمید مسکراتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

”معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگ بھی میری ہی طرح پریشان کئے گئے ہیں۔“ شہناز ایک کری پر بیٹھتی ہوئی یوں۔ ”یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ لوگ بھی یہاں موجود ہیں۔ اب میں اپنی

بلائی گا کاٹھوت فریدی صاحب کو دے سکوں گی۔“

”آخر بات کیا ہے۔“ حمید بولا۔

”پولیس والوں نے بچک کر رکھا ہے۔ وہ میں کل کنور کے ساتھ ناج رہی تھی۔“ بس اسی

ہرگز نہیں پوچھا کہ آپ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔“
جید نے پھر قہقہہ لگایا۔

آتا کہ کیا کروں۔ میرے ایک دوست نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فریدی صاحب سے
لوں۔“ میں آپ لوگوں کو اتنا بدل اخلاق نہیں سمجھتی تھی۔ ” شہناز بھائی ہوئی آواز میں بولی۔
”آپ لوگ نہیں سمجھ سکتے کہ میں کس قدر پریشان ہوں۔“

”آپ خواہ خواہ پریشان ہیں، میں اس بات کی گواہی دوں گا کہ حادثے کے وقت آپ
میرے ساتھ تھیں۔“ فریدی نے سمجھی گی سے کہا۔
”آپ کی گواہی کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ یوں تو دو چار جھوٹے گواہ بھی بنائے جاسکتے
ہیں۔“ شہناز نے بے بسی سے کہا۔

جید پھر بہنے لگا۔ فریدی نے اسے گھوڑ کر دیکھا۔

”اچھا چھوڑیے ان باتوں کو..... کچھ چائے وغیرہ پیجئے۔“ فریدی نے کہا اور نوکر کو بلا کر
بیوی ان کی بیوی ہے۔“

”کیا فریدی صاحب آپ کے کوئی عزیز ہیں۔“ شہناز متجب ہو کر بولی۔ ”آپ کی بے
تکلفی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔“

”میں نہیں..... بلکہ میں خود فریدی ہوں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”اے..... آپ.....!“ شہناز گھبرا کر کری سے اٹھتی ہوئی بولی۔

”ہاں..... ہاں..... آپ اٹھ کیوں گئیں..... بیٹھئے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”اور یہ سر جست حید ہیں..... میرے استمنٹ اور بہترین دوست۔“

شہناز بھی حید کی طرف دیکھتی تھی اور بھی فریدی کی طرف۔

”معافی چاہتی ہوں..... ابھی ابھی میں آپ کے ساتھ بڑی گتائی سے پیش آئی تھی
اور اس کی وجہ محسن لاعلی ہے۔“ شہناز شرمندگی کے لمحے میں بولی۔

”کوئی بات نہیں..... ہمارا پیشہ ہی ایسا ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولा۔

”مجھے سخت شرمندگی ہے۔“ شہناز بولی۔ ”لیکن کل آپ نے اپنا کوئی اور نام بتایا تھا۔“

لے وہ لوگ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں۔ کل رات سے اسی پریشانی میں جلتا ہوں۔ کچھ سمجھ میں
آتا کہ کیا کروں۔ میرے ایک دوست نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فریدی صاحب سے
لوں۔“

”لیکن فریدی اس سلسلہ میں آپ کی کیا مدد کر سکے گا۔“ فریدی نے کہا۔

”میں نے سنا ہے کہ وہ بے گناہوں کی مدد ضرور کرتے ہیں اور پھر خصوصاً ایسی صورت
میں جب کہ آپ لوگ بھی میرے ساتھ ہی تھے، میں اپنی بے گناہی اچھی طرح ثابت کر لے
گی۔“ شہناز بولی۔ ”آپ کی گفتگو کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ فریدی صاحب
کافی بے تکلف ہیں۔“

”کیا کہنے ہیں آپ کی بے تکلفی کے۔“ حید فس کر بولا۔ ”بس یہ سمجھئے کہ فریدی
بیوی ان کی بیوی ہے۔“

”بیوی.....!“ شہناز جوک کر بولی۔ ”میں نے سنا ہے کہ انہوں نے شادی ہی نہیں کر
میرے جس دوست نے ان کا پتہ بتایا تھا اُسی سے اُن کی بھیری عجیب و غریب عادتوں
متعلق بھی معلوم ہوا تھا۔“

فریدی مسکرانے لگا۔

”عجیب و غریب عادتوں سے آپ کا کیا مطلب ہے۔“ حید بولا۔

”یہی کہ وہ عام آدمیوں سے بالکل الگ تھا ہیں۔“ شہناز نے کہا۔

” غالباً اس سے آپ کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ فریدی صاحب کے سر پر“

ہیں۔ ایک سوٹ ہے اور کان سرے سے ہیں ہی نہیں۔“ حید فس کر بولا۔

”تجب ہے کہ آپ انہیں کے گھر میں بیٹھ کر اس طرح ان کا معنکھہ اڑا رہے۔“

شہناز تر شرودی سے بولی اور فریدی مسکرانے لگا۔

”آپ فریدی سے کیا کہنا چاہتی ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”آخراً آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔“ شہناز بُرا سامنہ بنا کر بولی۔ ”میں نے تو آپ

کوئی صاحب کے پاس بیٹھی باشنا کرتی رہی پھر کچھ دیر بعد ناج شروع ہو گیا۔ لیڈی سیتا اور صاحب نے تین بیٹھیں اولیٰ تھیں۔ ہمارے حمید صاحب بھی ندارد تھے، میں سوچ رہی تھی کیا سوت تک نہیں تو اپنی تھیں۔ کیا کوئی صاحب نے ناچنے کی درخواست کی۔ دل تو نہیں چاہتا تھا مگر اخلاقاً ناچنا عنان کرنا تھا کہ آپ بوزہ نہیں تو ادھیز ضرور ہوں گے۔ مگر آپ تو.....!“ شہناز نے کہا۔

”آپ ٹھیک سمجھتی تھیں..... یہ اس وقت بھیں بدلتے ہوئے ہیں۔“ حمید جلدی سے

”لیڈی سیتا رام..... وہ شاید پہلے ہی راؤٹر کے درمیان واپس آگئی تھیں۔“ شہناز نے

”آپ ٹھیک سمجھتی تھیں..... یہ اس وقت بھیں کہہ رہی تھیں میاں حمید مسلمان رہا اٹھ سے کی طرح کم نہ ہو گی۔“

”یہ ان کی دوسری بیوی ہیں۔ ابھی تین سال ہوئے ان کی شادی ہوئی ہے۔“

”جس لڑکی کو آپ پڑھاتی ہیں اس کی کیا عمر ہے؟“

”زیادہ سے زیادہ پندرہ سال۔“

”لیادہ بھی بیکنیں رہتی ہے۔“

”لیاں! لیڈی سیتا رام اسے اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔“

”بریتا رام اور لیڈی سیتا رام کے تعلقات کیسے ہیں۔ میرے خیال سے تو آپس میں نہ ہوں گا۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”ظاہر تو اسکی کوئی بات نہیں معلوم ہوتی۔ تقریباً ایک سال تک میں ان کے یہاں آتی رہتا ہوں۔“

”اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ پولیس کو اس کی اطلاع کیسے لی کہ آپ اس کے ساتھ ناج ممکن کیا آرچجوں میں کوئی اور بھی شناساً موجود تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”تم سے خیال سے تو آپ دونوں اور لیڈی سیتا رام کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا یا ممکن

”میں نے غلط نہیں بتایا تھا۔ میرا پورا نام احمد کمال فریدی ہے لوگ صرف فریدی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور حمید نے بھی اپنا نام غلط نہیں بتایا تھا۔“

”میں سمجھتی تھی کہ آپ بوزہ نہیں تو ادھیز ضرور ہوں گے۔ مگر آپ تو.....!“ شہناز نے

کہا۔

”آپ ٹھیک سمجھتی تھیں..... یہ اس وقت بھیں بدلتے ہوئے ہیں۔“ حمید جلدی سے بولا۔ فریدی ہنسنے لگا۔

”کیا واقعی.....!“ شہناز حیرت سے بولی۔

فریدی مسکرا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں میاں حمید مسلمان رہا تمہاری محبوبہ مجھے قطعی پسند نہیں آئی۔

اتنے میں چائے آگئی۔ تینوں چائے پینے لگے۔

”میں کیا بتاؤں کہ اس وقت مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے، خدا نے اگر میرے اوپر مصیب ذاتی تو اس سے بچاؤ کا انتظام بھی پہلے ہی کر دیا۔“ شہناز چائے کی پیالی رکھتی ہوئی بولی۔

”آپ مسلمان رہئے..... آپ کو کوئی کچھ نہ کہے گا۔“ حمید بولا۔

”ہاں..... زرایہ بتائیے..... لیکن ٹھیک بتائیے گا کہ رام سنگھ یعنی کونور صاحب کو کب سے جانتی ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”بحدا میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ کل شام کے علاوہ میں نے ابے کبھی نہیں دیکھا۔“

”اُس سے آپ کا تعارف کس نے کرایا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”لیڈی سیتا رام نے۔“ شہناز نے کہا۔ ”لیڈی سیتا رام مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔ میاں ان کی چھوٹی بیٹی کاٹیوں کرتی تھی، جب میں کل شام کو آرچجو پہنچی تو یہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔

لیڈی سیتا رام نے مجھے بھی اسی میز پر بلایا۔ وہیں اس سے تعارف ہوا۔ لیڈی سیتا رام کو تھوڑا دری بعد اچانک کوئی کام یاد آگیا اور جلد ہی واپس آجائے کا وعدہ کر کے چلی گئیں۔ مجھے بھی صاحب کا انتظار کرنا تھا۔ کیونکہ انہوں نے مجھ سے آرچجوں میں ملے کا وعدہ کیا تھا اس لئے میاں

ہے کوئی رہا بھی ہو لیکن مجھے اس کی اطلاع نہیں۔“

”آپ نے پولیس کو بیان دیتے وقت یہ بتایا تھا یا نہیں کہ لیڈی سیتا رام عربہ کے ساتھ رہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”مقتول.....!“ شہناز چونکہ کر بولی۔ ”تو کیا کنور صاحب کو قتل کیا گا۔

اخبارات میں تو ان کی خود کشی کی خبر شائع ہوئی ہے۔“

”ممکن ہے ایسا ہی ہو۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔ ”ہاں آپ نے میر جواب نہیں دیا۔“

”میں دراصل پولیس کو یہ بتانا بھول گئی کہ لیڈی سیتا رام بھی کنور صاحب کی بات ہے تو مجبوراً مجھے تم کو اس کیس سے الگ ہی رکھنا پڑے گا۔“ فریدی نے کہا۔

”تمیں۔“ شہناز نے کہا۔ ”میں ابھی اس کی اطلاع پولیس کے دے دوں گی۔“

”تو آپ کو یہ کیس ملائی کب جاتا ہے۔ کوئی ایسا خاص کیس نہیں۔ رام سنگھ ایک عادی

”نہیں اب اسکی ضرورت نہیں۔ اب آپ پولیس کو کوئی اور بیان نہ دیجئے گا۔“ اور قائل تھا جب بھی پولیس کے ہتھے چڑھتا اُسے چھانی ضرور ہو جاتی۔ میرا خیال ہے کہ

”کو تو ای جا کر سب معاملات ٹھیک کرلوں گا۔ آپ قطعی محفوظ ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ اس طبقے میں کچھ زیادہ چھان بین ہی نہ کی جائے گی۔ لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ

”کسی زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔“ شہناز نے کہا۔

”شکریہ وغیرہ کی ضرورت نہیں۔“ حمید نے منہ بنا کر کہا۔ ”یہ اپنے عی آدمی ہیں۔ اب کرچکے تھے۔“

”کیا کہا آدمی۔.....!“ فریدی نے بناولی غصہ سے کہا۔

”میں آفسر.....!“ حمید نے سمجھی گی اور گھبراہٹ کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ مغل کرنا چاہتا تھا۔ دو تین دن کے بعد وہ اپنے طریقہ پر اس بات کو پیلک کے سامنے لائے گا

”کرنے والا کسی ریاست کا راج کمار نہیں بلکہ مشہور بدمعاش رام سنگھ تھا اور اس نے خود کشی

نہیں کی بلکہ اسے قتل کیا گیا ہے۔ خیر مجھے کیا۔..... اس طرح اس کا بھلا ہوتا ہے تو مجھے کیا

”تراث ہو سکتا ہے۔“

”لیکن آپ نے جس وقت اپنے دلائل پیش کئے تھے وہاں ہوئی کافی بھی تو موجود

”قلد“ حمید نے کہا۔

شہناز کے چلے جانے کے بعد فریدی اور حمید دونوں کو تو ای کی طرف روانہ ہو گئے۔

”تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ اس کا منہ نہایت آسانی سے بند کیا جاسکتا ہے، میرے خیال

کی کارخیزی سے شہر کی سڑکیں طے کر رہی تھی۔“

”کوئی سوچنے کی ضرورت نہیں۔“

شہناز نامہ

”لیکن آپ نے جس وقت اپنے دلائل پیش کئے تھے وہاں ہوئی کافی بھی تو موجود

”قلد“ حمید نے کہا۔

شہناز کے چلے جانے کے بعد فریدی اور حمید دونوں کو تو ای کی طرف روانہ ہو گئے۔

”کوئی سوچنے کی ضرورت نہیں۔“

بھی نہیں پتا سکتا کہ شہناز کے متعلق اطلاع دینے والا کون ہے۔“

”خیر میں اس کے لئے آپ کو مجبور نہ کروں گا۔ میں تو اس وقت محض شہناز کی طرف ہوئے کہا۔

”مغلی پڑھنے کے لئے آیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”اس کی طرف سے آپ مطمئن رہئے۔“ شہناز اٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں اب معاف ہاں ایک ضروری کام سے مجھے باہر جانا ہے۔“

”ضرور ضرور.....!“ فریدی نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”شہناز سب انسپکٹر سہا کے ساتھ تھا۔“ فریدی اس کی طرف چلا گیا۔ نوجوان سب انسپکٹر ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔ فریدی اب ہوا۔

”کہنے والوں غبجی..... کیا آپ ابھی حال ہی میں یہاں آئے ہیں۔“

”میں ہاں..... ٹریننگ لے کر آئے ہوئے ابھی صرف چھ ماہ ہوئے ہیں۔ ابھی تو کام ہوں۔“

”آپ ترقی کریں گے۔ آپ کی بلند اور کشاور پیشانی پکار پکار کر آپ کی ذہانت کا عالم کر رہی ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”لیکن اس لائن میں ترقی کرنے کے لئے تھوڑی

کم چالبازی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اب شہنا صاحب ہی کو لے بیجے۔“ کتنی ہوشیاری اور انباط سے کام لے رہے ہیں کہ ابھی تک اس بات کا بھی اعلان نہیں کیا کہ مقتول راج کمار

نہیں بلکہ مشور بدمعاش رام سنگھ ہے۔ اگر یہ اس کیس میں کامیاب ہو گئے تو ان کا سرکل انسپکٹر ساتھ رہی، پہلے راؤٹر میں وہ ضرور رام سنگھ کے ساتھ ناجی تھی لیکن کنور ہی سمجھ کر..... ال جماں کوئی بڑی بات نہیں۔“

”اگر آپ لوگوں کی عنایتیں ساتھ رہیں تو میرا ترقی کرنا مشکل نہ ہوگا۔“ نوجوان سب اپنے بھائیت سعادت مندی سے بولا۔

”بھنی میرے لائق جو خدمت ہواں کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ مجھے نہ جانے کیوں اس بات کا آپ کو کس طرح علم ہوا کہ شہناز رام سنگھ کے ساتھ ناجی رہی تھی اور اس کے ناپنے والی دوسری عورت کون تھی۔“

”دوسری کے متعلق تو میں کچھ نہیں جانتا۔“ شہناز نے جواب دیا۔ ”اور بعض دیوارا

”خیر اگر ایسا ہے تو میں ان بوڑھے میاں سے سمجھ لوں گا۔“ حید نے ہونہ پر

”اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور کوتووالی کے پیارے داخل ہونے کے لئے کار گھمانی۔

بوڑھا سب انسپکٹر شہناز کو تووالی میں موجود تھا اور وہ نوجوان سب انسپکٹر بھی جو دارا رات میں انسپکٹر شہناز کے ساتھ تھا۔

”فریدی صاحب آپ کی رات والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔“ اپنے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔ ”میں اسے خود کشی ہی سمجھتا ہوں۔“

”ممکن ہے آپ ہی کی رائے درست ہو..... مجھے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔“ فریدی خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

”نہیں..... خیر میں یہ تو نہیں کہہ سکتا۔“ شہناز نے کہا۔

”لیکن آپ نے تحقیقات کے سلسلے میں غلط آدمی کو منتخب کیا ہے۔“ فریدی نے سلگاتے ہوئے کہا۔

”میں سمجھا نہیں۔“ شہناز بولا۔

”جس وقت یہ واردات ہوئی شہناز میرے ساتھ ناجی رہی تھی اور آخر میں ساتھ رہی، پہلے راؤٹر میں وہ ضرور رام سنگھ کے ساتھ ناجی تھی لیکن کنور ہی سمجھ کر..... ال جماں کوئی بڑی بات نہیں۔“

”تب تو واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔“ شہناز نے جواب دیا۔

”خیر کوئی بات نہیں وہ بیچاری بہت پریشان ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہاں یہ تو بتا۔“ اس بات کا آپ کو کس طرح علم ہوا کہ شہناز رام سنگھ کے ساتھ ناجی رہی تھی اور اس کے ناپنے والی دوسری عورت کون تھی۔“

”دوسری کے متعلق تو میں کچھ نہیں جانتا۔“ شہناز نے جواب دیا۔ ”اور بعض دیوارا

”نہ جانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ اس کیس کی خجی طور پر تعمیش کروں اور ہو جانے پر مشہور کر دوں کہ اس کی کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔“
”وجہان سب انسپکٹر کی باخچیں کھل گئیں اور اسکے منزے سے صرف اتنا ہی نکل سکا
”اڑے کیا.....!“

”میں واقعی نہ جانے کیوں میں آپ کو ترقی کرتا ہوادیکھنا چاہتا ہوں۔ میں یہ جان کہ یہ کیس سنبھا صاحب کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے تکمیر سراغِ رسانی کے پردازے کیا جائے میرا دل بھی چاہتا ہے کہ اس کی تعمیش کروں، لہذا اس کا تیجہ بھی ہو گا کہ خجی تعمیش کے لیے کسی نہ کسی کے سر اس کی کامیابی کا سہرا ضرور باندھنا پڑے گا۔ اس لئے میں یہ سوچتا ہوں
آپ ہی کیوں نہ ہوں۔“

”اڑے صاحب اگر ایسا ہو تو کیا کہتا میں خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان قصر رکھا۔“
”گا۔“ ”وجہان انسپکٹر بولا۔

”یہ کیوں.....!“ ”میدنے حیرت سے کہا۔
”یہ کیوں.....!“ ”میدنے حیرت سے کہا۔“
”یہ کیوں.....!“ ”میدنے حیرت سے کہا۔“

”یہ کیوں.....!“ ”میدنے حیرت سے کہا۔“ ”میدنے حیرت سے کہا۔“
”آپ مطمئن رہئے میں کسی سے اس کا تذکرہ نہ کروں گا۔“ ”وجہان سب اپلا۔“ ”یہ کیوں.....!“ ”میدنے حیرت سے کہا۔“ ”میدنے حیرت سے کہا۔“

”وہ کون عورت ہے.....؟“ ”فریدی نے جلدی سے پوچھا۔
”لیڈی سیتا رام.....!“ ”وجہان سب انسپکٹر نے آہتہ سے کہا۔“ ”کل آپ کے اپلا۔“

”تمبھے کہ آپ ایسا کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ کو اس پر یقین ہے کہ سنبھاچی خی شہناز کا
”بہت خوب.....!“ ”اچھا اس کا تذکرہ سنبھا صاحب سے نہ کیجیے گا۔ میں اب چلو!“ ”اچھا گوڑے گا۔ اگر ایسا تھا تو اس نے لیڈی سیتا رام کا نام کیوں چھپایا۔ اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ وہ مغلی دے دینے کے بعد بھی شہناز پر شکر رہا ہے۔“

”بھی کچھ بھی ہو.....!“ ”میرا جانا ضروری ہے۔ میں نماش کے نتائج سے وعدہ کر چکا ہوں۔“
”ہاں میں آپ کا نام پوچھتا تو بھول دی گیا۔“

”مچھے جلدیں کار کہتے ہیں۔“ ”سب انسپکٹر نے اٹھ کر ہاتھ ملا تے ہوئے کہا۔“

”اچھا جلدیں صاحب.....!“ ”گھبرا یے نہیں.....!“ پولیس کے ہوئے عہدے آپ کا انتظار

”ہے ہیں۔“ ”فریدی نے کہا اور حمید کو لے کر باہر چلا گیا۔

”کوئی خودوار کیسی رعنی۔“ ”فریدی نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

”بھی آپ کو گھستا بھی خوب آتا ہے۔“ ”حید ہنس کر بولا۔“

”فریدی بیٹھنے لگا۔“

”اب کہاں چل رہے ہیں۔“ ”حید نے پوچھا۔

”مول سرجن کے یہاں۔“ ”فریدی نے کہا۔

”کیوں.....!“ ”ہاں کیا کرتا ہے۔“

”رُشت دے کر اپنے لئے ایک ماہ کی چھٹی کے لئے میڈیکل شرپنکھیٹ لوں گا۔“ ”فریدی
آپ ہی کیوں نہ ہوں۔“

”خیر صاحب جائے..... آپ بھلا میرے لئے کیوں تکلیف کرنے لگے۔ جاز

کہ شہناز میری دوست ہے۔“ حمید نے منہ پھلا کر کہا۔

”بس بگز گئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم تو ہوزے گھاٹر۔..... آخراتی جلدی کوئی

آجائے گی۔ میرے جانے کے بعد سریتا رام کے گھر کی نگرانی کرتے رہنا۔ اچھا ہے تی کارکیں نہ دکھائی دی۔

شہناز کو بھی لگے ہاتھوں کچھ ہدایتیں دیتا چلوں۔“ فریدی نے اس کا شانہ ٹھکتے

”جی بس..... رہنے دیجئے۔ ہم لوگوں کی فکر نہ کجئے۔ خدا آپ کے کتوں کا ہے کہا۔

رکھے۔“ حمید نے منہ بنا کر کہا۔

”نمک

چھڑ کئے رغمون پر.....!“ حمید نے ہر اسامت بنا کر کہا۔

”بیس چھکنا بھول گئے۔ اب ہی تو آئے جتاب چکر میں۔ اچھا بسول سرجن کے

شہناز نیلی روڈ پر ایک چھوٹے سے انگریزی وضع کے خلوصورت مکان میں رہنے کی پہاڑ چنانچہ۔“ فریدی نے کہا۔

وقت وہاں نہ جانے کیوں اچھی خاصی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ شہناز کی بوڑھی ملازمہ ہاتھ پر

”مجھے تو آپ یہیں اتار دیجئے۔ جب تک میں اس کار کو تلاش نہ کروں گا مجھے چین نہ

آئے گا۔“ حمید نے کہا۔

”کیا بات ہے۔“ حمید نے کار سے اتر کر اس سے پوچھا۔

”اڑے صاحب نہ جانے کیا ہو گیا۔“ وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

”کیا ہو گیا۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”ابھی مس صاحب یہاں کھڑی تھیں۔ میں وہاں برآمدے میں دیکھ رہی تھی،“

ایک موڑ یہاں آ کر رکی۔ اس پر سے دو آدمی اترے اور انہوں نے مس صاحب کو انداخ کر کہا

”ذال دیا اور موڑ یہ جادہ جا..... نہ جانے کہاں غائب ہو گئی۔ ہائے اب کیا ہو گا۔“ لازماً

ہوئی بولی۔

یلو ڈنگو

”موڑ کدھر گئی۔“ فریدی نے جلدی سے کہا۔ ”اور کتنی دیر ہوئی، موڑ کارگ کیسا تھا۔“

”مشکل سے پندرہ میں منت ہوئے ہوں گے۔“ ملازمہ نے دکن کی طرف ہاتھ

ہوئے کہا۔ ”موڑ اس طرف گئی ہے۔ موڑ کارگ کھتی تھا۔ بالکل نئی معلوم ہوتی تھی۔“

”حمد جلدی کرو.....!“ فریدی نے کار میں بیٹھ کر اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

سریتا رام شہر کے معزز آدمیوں میں سے تھے اور پہنچا دوست کے مالک تھے۔ ان کی

لہوپنی یا ساٹھ کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ پچاس سال کی عمر میں ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا

وہ لاولد تھے۔ پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ تھی۔ بیوی کے مرنے کے پچھے دن بعد تک وہ بیوی خیلے رہے کہ دوسرا شادی کی حال میں نہ کریں گے لیکن آخر کار ان کا دل ان کے ایک آپ بیوی ہو گئی۔

خواہ کی خواں لڑکی پر آئی گیا اور انہوں نے اس کے ساتھ شادی کر لی، بیکی لڑکی موجودہ سریتارام اسے عالیہ دلار ہے تھے۔ سریتارام کے ساتھ ان کا بھتیجا سریدر کمار بھی رہتا تھا، جو تین سال قبل اپنے قبضہ نہ ہوتا۔

”آپ کچھ پریشان معلوم ہوتے ہیں۔“ سنہا نے کہا۔ ”بھتی کیا کروں مجبوراً شہناز کا اونٹ گرفتاری بجارتی لگرنے پڑا۔“

”وارث گرفتاری.....!“ حمید چونک کر بولا۔ ”کیا مطلب.....؟“

”می ہاں..... وہ بہت عیار عورت معلوم ہوتی ہے۔“

”کیا بکواس ہے.....!“ حمید نے جھلا کر کہا۔ ”اسے تو کچھ لوگ زبردستی پکڑ لے گئے۔“

ہماہنگی کا

حمدی نے ان ساری باتوں کا پتہ لگایا تھا اسے رہ رہ کر فریدی پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ اس پریشانوں کی پرواہ کئے بغیر کتوں کی نمائش میں حصہ لینے کے لئے بھی چلا گیا لیکن وہ کتنی کہانے کہا۔

سکلت تھا۔ فریدی بہر حال اس کا آفیسر تھا۔ یہ اس کی شرافت اور نیک نقشی کی کہانی کے ساتھ فرمائی گئی۔ ”کیا مطلب.....؟“ حمید نے کہا۔ ”کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ کچھ لوگ اُسے زبردستی قسم کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اُسے سب سے بڑی پریشانی شہناز کی وجہ سے تھی۔ ورنہ بھلا دکھا خواہ مخواہ اپنا وقت بر باد کرتا۔ معلوم نہیں وہ کہاں اور کس حال میں ہو گئی۔“

اس دوران میں فریدی کی طرف سے نیدان صاف دیکھ کر اُنپکٹر سنہا نے بھی تھے کہ کیا شور پاری تھی۔

”تو پھر معاملہ صاف ہے۔“ سنہا نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ”شہناز نے بڑا عمدہ پلات گل کھلانے شروع کئے۔ ایک دن اخبارات میں خبر دیکھنے میں آئی کہ آر لجو میں خود کشی کرنا تھا۔ ایک طرف اس نے آپ لوگوں سے اپنی صفائی دلوائی اور دوسرا طرف اپنی بیگناہی کا اور

نیو ڈیمن دلانے کیلئے اس طرح غائب ہو گئی۔ بھتی بلا کی عیار عورت نکلی۔“

”تو اس طرح پھر یہ بھی کہا جائے گکھا ہے کہ میں اور فریدی صاحب بھی اس قتل میں شریک ہے۔“

ہیں کیونکہ وہ آخر تک ہمارے ساتھ رہی تھی۔ ”حمد نے غصہ سے کہا۔

”میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کی گواہی غلط ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس نے آپ کو تم کی بیان پائی جاتی تھی، جس میں غور کی آمیزش زیادہ تھی یا پھر ان میں یہ انداز پچیس سال بھی دھوکہ دیا ہو۔“ سنہارے کہا۔

”یہ قطعی ناممکن ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“ سنہارے آہستہ سے کہا اور اپنی میز پر رکھے ہوئے کاغذات اور لکھ کی طرح وہ بھی اسی پر ایمان رکھتا تھا کہ بھارتی جیزوں کے لوگ عموماً ظالمانہ رجحانات لگا۔ حمید غصہ میں اپنے ہونٹ چبارہ تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک یونہی بیٹھا رہا پھر خاموشی سے اُنکا لامگ ہوتے ہیں، نہ جانے کیوں اس کا دل بار بار کہہ امتحنا تھا کہ رام سنگھ والے معاملے باہر نکل آیا۔ شام ہو رہی تھی، بازار میں کافی بھیڑ ہو گئی تھی۔ حمید ترمی طرح الجھرہ تھا۔ لام حضرت کا ہاتھ ہے اور شہنشاہ کو عاشر کردار یعنی کے ذمہ دار بھی تھیں ہیں۔

وقت سنہارے گفتگو کرنے کے بعد سے اس کا موڈ بہت زیادہ خراب ہو گیا تھا۔ حمید دیر کے بعد وہ لارنس گارڈن پہنچ رہا تھا۔ حمید برادر سر سیتا رام کا تعاقب کئے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لارنس گارڈن پہنچ لئے وہ ایک ریسٹوران میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر تک بیٹھا چاہے پیتا رہا لیکن وہاں بھی دل نہ لگا۔ چند لمحے تھیتے رہنے کے بعد وہ ایک نئی پر بیٹھ کر ستانے لگے۔ حمید بھی کچھ دور ہٹ کر ریسٹوران سے نکل کر وہ فٹ پاٹھ پر کھڑا ہو گیا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کر رہا تھا کہ کس طرح سر سیتا دعفناً اس نے ایک ٹیکسی روکا ہی اور اس پر بیٹھ کر سر سیتا رام کی کوشی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے جان پہچان پیدا کرے۔ اپاٹک غراہت کی آواز سنائی دی اور ایک پیلے رنگ کا ہال کیا ہندی کی باڑھ پھلانگتا ہوا سر سیتا رام کے کٹے پر جھپٹ پڑا۔ اس نے ان کے کٹے سے ایک فرلانگ ادھر ہی اس نے ٹیکسی روکا ہی اور وہاں سے پیدل چلتا ہوا کتابوں کی ایڈٹن پٹنیاں دیں اور اس کی گردن دبا کر بیٹھ گیا۔ سر سیتا رام کے کٹے نے کہم کر آواز بھی دوکان پر آیا۔ یہاں اس کے اور کوشی کے درمیان میں صرف سڑک حائل تھی، وہ بلاہر کاڑی لگی ہوئی کتابیں اٹ پلٹ رہا تھا لیکن اس کی نگاہیں کوشی کے پائیں باغ کے چاہاں کی طرف کا جوڑ دی تھی۔ سر سیتا رام نئی پر کھڑے ہو کر جیچ رہے تھے۔

”اے ہٹو..... ہٹو..... ڈنگو کے پنچے۔“ ایک آدمی ہندی کی باڑھ کی دوسری طرف سے لگی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد سر سیتا رام ایک سکھی رنگ کے اپیل کتے کی زنجیر خدا ناٹھا کوڑا۔ اس نے جھپٹ کر پیلے کتے کے پنچے پر ہاتھ ڈال دیا۔ اس کی گرفت سے آزاد کوشی سے برآمد ہوئے۔ یہ ان کی سیر کا وقت تھا۔ ان کی عادت تھی کہ وہ روزانہ شام کو پہنچانے کا ہوا کوڑا۔ سر سیتا رام کا کتاب جاگ کر جیچ کے پنچے دبک گیا۔ نووارد ایک عجیب الحالت آدمی معلوم ہوا کہ کچھ میں وہ کافی مہذب معلوم ہوتا تھا۔ لیکن چہرے سے بلا کی عیاری اور مکاری سر سیتا رام بڑھا پے کی سرحدوں میں ضرور قدم رکھ بچکے تھے لیکن اس کے قوئی ابھی مکاں سیتا رام بڑھا تھی۔ اس کے سرخ و پیسید چہرے پر گھرے سیاہ رنگ کی فریخ کٹ ڈاڑھی بڑی سیتا رام بڑھا تھی۔ لیکن اس میں بے ڈھنگا پن نہیں تھا۔ آنکھوں پر بغیر فریم کا سبک ساچشمہ تھا۔ لامگا باریک اور نوکیلی تھیں۔ جسم کی ساخت جیچ جیچ کر کہہ رہی تھی کہ وہ کڑی محنت کا عادی پہنچانے پلے ہونٹ کچھ عجیب سے معلوم ہوتے تھے۔ کپٹی اور آنکھوں کے درمیان بے نہایت تھیں، نچلا جبڑا چہرے کے اوپری حصے کی بہ نسبت زیادہ بھارتی تھا۔ ان کی چال میں ایک ٹیکسی بڑھتا تھا۔

”جناب والا مجھے ندامت ہے۔“ اس نے بھرے ہوئے پیلے کتے کو اپنی طرف پر برسا کر پاس ہے۔ ”لیکن یہ اتنی جلدی آپ کے قابو میں کیسے آگیا۔“ سریتا رام پلکش جھپکاتے ہوئے کہا۔

”اوہ میرے لئے یہ کون ہی بڑی بات ہے۔“ اجنبی مسکرا کر بولا۔ ”میں نے اپنی زندگی کا بڑھہ افریقہ کے جنگلوں میں گزارا ہے۔ میں اس ذات کے کتوں کی نس نس سے واقف ہوں۔“ سریتا رام جلدی سے بولے۔

اجنبی نے اپنے کتے کے گلے میں زنجیر ڈال کر اسے ایک نخ کے پائے سے باندھ دیا اور اوقات یہ شیر اور چیتے سے بھی نکلے لیتا ہے، یہ آپ کو ملا کہاں سے اور یہاں کی آب۔“ ریتا رام کے کتے کو گود میں اٹھا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”مجھے چھوٹی ذات کے اکٹل بہت پسند ہیں۔“ اجنبی بولا۔ ”آپ بہت شوقین آدمی میں اب تک کیسے ہے۔“

اجنبی سریتا رام کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ غصتا اس کا چہرہ خوشی سے چکنے لگا۔

”واہ رے میری قست.....!“ وہ تقریباً چیخ کر بولا۔ ”سارے ملک میں آپ ہیں۔“

کتوں کے معاملے میں اتنے تجربہ کا نظر آئے ہیں، مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہو لے۔ ”پانچ چھ درجن۔“ اجنبی چوک کر بولا۔ ”جب تو آپ واقعی بالکل میرے ہم مذاق اور مجھے خود حیرت ہے کہ یہ کتا یہاں کی آب وہاں میں کس کے پاس تھا اور یہاں زندگی کیا۔“

”تو کیا آپ بھی۔“ سریتا رام نے کہا۔

”جی ہاں.....!“ اجنبی نے جواب دیا۔

”آپ کی تعریف.....!“ سریتا رام نے کہا۔

اجنبی نے اپنا ملا تاتی کاڑ جب سے نکال کر سریتا رام کے ہاتھ میں دے دیا۔ ”کرنل لپاکشی بی ای۔“ سریتا رام نے بلند آواز سے کاڑ پڑھا۔

”اور آپ.....!“ اجنبی نے کہا۔

”لوگ مجھے سریتا رام کے نام سے لپکارتے ہیں۔“

”سریتا رام.....!“ اجنبی نے خوشی کے لمحے میں چیخ کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”بڑی خوشی ہوتی آپ سے مل کر..... بھلا پھر کیوں نہ ہو..... آپ سے زیادہ کتوں کے

”جناب والا مجھے ندامت ہے۔“ اس نے بھرے ہوئے پیلے کتے کو اپنی طرف پر برسا کر پاس ہے۔ ”مگر..... مگر..... اتنا خوفناک کتا آپ اسے اس طرح آزاد کیوں چھوڑ دیے۔“ سریتا رام نے بُر انسانہ بن کر کہا۔ ”آپ ایک بھاری جرم کر رہے ہیں۔“

”جمرم؟“ اجنبی نے چوک کر کہا۔ ”بھلا اس میں جرم کی کیا بات ہے۔“

”ایے خوفناک کتے کو آزاد چھوڑ دینا جنم نہیں تو اور کیا ہے۔“ سریتا رام ترشی دی۔ ”سروتیارام کے کتے کو آزاد چھوڑ دینے کیا ہے۔“

بو لے۔ ”یا پھر شاید آپ اس کی نسل سے ناداقد ہیں۔ یہ افریقی نسل کا میلو ڈمکو ہے،“ اجنبی نے اپنے کتے کے گلے میں زنجیر ڈال کر اسے ایک نخ کے پائے سے باندھ دیا اور اوقات یہ شیر اور چیتے سے بھی نکلے لیتا ہے، یہ آپ کو ملا کہاں سے اور یہاں کی آب۔“ ریتا رام کے کتے کو گود میں اٹھا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”مجھے چھوٹی ذات کے اکٹل بہت پسند ہیں۔“ اجنبی بولا۔ ”آپ بہت شوقین آدمی میں اب تک کیسے ہے۔“

اجنبی سریتا رام کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ غصتا اس کا چہرہ خوشی سے چکنے لگا۔

”واہ رے میری قست.....!“ وہ تقریباً چیخ کر بولا۔ ”سارے ملک میں آپ ہیں۔“

کتوں کے معاملے میں اتنے تجربہ کا نظر آئے ہیں، مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہو لے۔ ”پانچ چھ درجن۔“ اجنبی چوک کر بولا۔ ”جب تو آپ واقعی بالکل میرے ہم مذاق اور مجھے خود حیرت ہے کہ یہ کتا یہاں کی آب وہاں میں کس کے پاس تھا اور یہاں زندگی کیا۔“

”تو کیا آپ بھی۔“ سریتا رام نے کہا۔

”جی ہاں.....!“ اجنبی نے جواب دیا۔

”آپ کی تعریف.....!“ سریتا رام نے کہا۔

اجنبی نے اپنا ملا تاتی کاڑ جب سے نکال کر سریتا رام کے ہاتھ میں دے دیا۔ ”کرنل لپاکشی بی ای۔“ سریتا رام نے بلند آواز سے کاڑ پڑھا۔

”اور روک رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس کتے کو پہچانتا تھا۔“

”تمن چار دن کی بات ہے۔“ اجنبی کہنے لگا۔ ”میں شکار کھیل کر واپس آ رہا تھا میں ایک چلتی ہوئی ٹرین کے جانوروں کے ڈبے سے اس کتے کو کوکر باہر آتے دیکھا۔“

اور یہ بھاگتا ہوا میری طرف آ رہا تھا۔ میں نے کارروک دی اور اتر کر اسے پکولیا۔“

”میں نے کارروک دی اور اتر کر اسے پکولیا۔“

بارے میں کون جان سکتا ہے۔ یہی تو میں کہوں..... میں نے آپ کی تعریف ایک اگر
”چھا کرٹل صاحب اب چلتا چاہئے۔ واقع آپ سے مل کر بڑی خوش ہوئی۔“ سریتا
دست سے افریقہ میں سی تھی، اس اچانک ملاقات سے مجھے کتنی خوش ہوئی ہے۔ یہ میں
کرٹل پر کاش سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔
”وپر کل آپ آ رہے ہیں نا.....!“
بیان کر سکتا۔“

”آپ مجھے خواہ خواہ شرمende کر رہے ہیں، ارے آپ بھلاک سے کم ہیں۔“ ریزا
”ضرور ضرور، میرے لئے یہ خوش نصیبی کم نہیں کہ خلاف موقع یہاں اتنی اچھی سوسائٹی میں
نے منکر المراجی کے ساتھ کہا۔“ کیا اس وقت میں افریقہ کے مشہور کروڑ پتی سے ہم کام ہی
کرٹل پر کاش نے ہنسنے ہوئے کہا۔
”کام ہی“
”دونوں اٹھ کر باغ کے باہر آئے
ہوں۔“

میداب بیٹا رام کے بجائے کرٹل پر کاش کا تعاقب کر رہا تھا۔
”ایک بار میرا ارادہ ہوا تھا کہ افریقہ کی ایک ہیرے کی کائن کا حصہ دار ہو جاؤں،“
”اسے یہ دکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ کرٹل پر کاش آرکچو ہوٹل کے انہیں کروں میں تھہرا
دوران میں مجھے آپ کا نام معلوم ہوا تھا، واقعی میں بہت خوش قسمت ہوں کہ آج آپ سے
رام سنگھی کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے اسے رہ رہ کر فریدی پر غصہ آ رہا تھا کہ ایسے وقت
طرح ملاقات ہو گئی۔“

اب دونوں گفتگو کرتے ہوئے نیچ پر بیٹھ گئے تھے۔ حمید کی نظریں کتے پر جی ہوئی تھیں
کہ تھا چھوڑ کر خود سیر پائے کرتا پھر رہا ہے۔ شہناز کی گمشدگی کا خیال اسے بُری طرح
اس نے ان دونوں کی گفتگو صاف سنی تھی۔ یہ کرٹل پر کاش اسے حد درجہ پر اسرار معلوم ہوا رہا
بظاہر وہ کتاب پڑھ رہا تھا لیکن سمجھیوں سے بار بار ان کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔ دھننا ایک خدا
لائی کو ہرم قصور کر کے قاتل کی تلاش چھوڑ دے۔
اس کے دل میں پیدا ہوا، اسے آج ہی اطلاع ملی تھی کہ مقتول رام سنگھ کے کچھ ساتھی اس۔

قاتل کی تلاش میں سرگردان ہیں تو کیا یہ اجنبی انہی میں سے کوئی ایک ہے؟ مگر یہ اسے کہیے
گیا کہیں اس کی آنکھیں اسے دھوکا تو نہیں دے رہی ہیں، مگر نہیں، وہ اسے ہزار میں پچھانا
ہے۔

دوسری اجھسن

”ابھا پر حمید کو فریدی کا خط ملا۔ اس نے لکھا تھا۔
کاماؤں کی مصیبتوں میں پھنس گیا۔ یہاں آتے ہی ملیریا میں بٹلا ہونا پڑا۔ ابھی تک
اپنے الحال سفر کے لاائق نہیں۔ دوسرا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ میرا افریقی نسل کا

حید ادھران گھنیوں میں الجھ رہا تھا اور وہ دونوں نہایت انہاک اور گرم جوشی کے ساتھ
گفتگو میں مشغول تھے، لیکن ان کی آواز اب زیادہ صاف نہیں سنائی ڈے رہی تھی، حمید
اجھسن میں پڑ گیا، ان دونوں میں ابھی ابھی ملاقات ہوئی تھی اور اتنی جلدی یہ راز داری کیکا
سرگوشیاں کیسی..... ایسا معلوم ہو رہا تھا چیزے دونوں برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔
تموڑی دری تک دونوں آہستہ آہستہ باتمیں کرتے رہے پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

یلوڈ گورا سنت میں کہیں ٹرین سے لاپتہ ہو گیا۔ یہاں آنے کا اصل مقصد تھی تھا کہ اس کی بھجن کا باعث بنا ہوا تھا۔ آخر وہ اس سے اتنی جلدی مانوس کیسے ہو گیا۔ میں شریک کروں۔ سخت پریشانی ہے۔ اسے ملاش کرنے کے لئے ہر ممکن طریقہ اتنا بے سوچ رہا تھا کہ اسے اس سے حاصل کس طرح کیا جائے، لیکن جلد ہی اس نے اس خیال ہے، تم بھی خیال رکھنا۔ شہناز کا سراغ ملایا نہیں، مجھے اس کا خیال ہے، لیکن کیا کر، کیا پہنچنے سے نکال پھینکا۔ جب فریدی نے شہناز کی زیادہ پرواہ نہ کی تو پھر وہ اس ذیلیں مجبور ہوں۔ اب معلوم ہوا کہ میں نے یہاں آ کر بھاری غلطی کی..... فریدی۔“

جید ان خیالات میں الجھائی ہوا تھا کہ تو کرنے انپکٹر شہنا کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ ہو چکا تھا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ آخر یہ کرٹل پر کاش ہے کون۔ اتنی مکاری اور عیاری آج تک کسی کے چہرے پر نہ دیکھی تھی، جتنی کہ اس کرٹل پر کاش کے چہرے پر نظر آزمیں آیا۔ انپکٹر شہنا اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا، اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ شرارت آمیز مسکرہت کتی خطرناک تھی۔ اس کی مسکراہت اور اس بلی کی آنکھوں کو چک میں جس نے کوئی نازہ شکار کیا ہو، کوئی مشترک سی چیز محسوس ہوتی تھی اور وہ چیز سوچتے سوچتے وہ اٹھ کر فریدی کی لا بجری میں آیا۔

”تعریف رکھئے.....!“ جید نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”فرمائیے میرے لائق کوئی یا اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ سوچتے سوچتے وہ اٹھ کر فریدی کی لا بجری میں آیا۔ طرف الماریاں ہی الماریاں کتابوں سے بھری نظر آ رہی تھیں۔ وہ ایک الماری کے قریب گیا۔ پچھے دریکٹ کتابوں کا جائزہ لیتا رہا پھر ایک کتاب نکالی جس کا نام ”جنوبی ایشیا“ تھا۔ ”جنوبی ایشیا“ تھا کئی صفات اللئے کے بعد مطلب کی چیز لگئی، وہ پڑھنے لگا۔

”فریدی صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں۔“

”ایک ماہ کی چھٹی پر ہیں۔“ جید نے جواب دیا۔

”کیا کہیں باہر گئے ہوئے ہیں؟“

”می ہاں..... کتوں کی عالمی نمائش دیکھنے گئے ہیں، وہاں بیمار ہو گئے ہیں۔“

”اک کے باوجود بھی آپ شہناز کی بے گناہی ثابت کرنے پر تھے ہوئے ہیں۔“ انپکٹر نے کہا۔

”کہوں..... اس سے کیا۔“

”تجھ ہے کہ آپ اتنا بھی نہیں سمجھتے۔“ شہناز نہیں کہا۔ ”اگر فریدی صاحب شہناز اپنائنا کھلتے ہوتے تو اس طرح معاملے کو کھٹائی میں ڈال کر فتح کرنے نہ چلے جاتے۔“

جید نے معنی خیز انداز میں اپنا سر ہلا دیا اور صفحہ الث دیا۔ دوسرے صفحہ پر کرٹل پر تصویر تھی۔ تصویر کا چہرہ بھی عیارانہ تاثرات سے عاری نظر نہیں آتا تھا۔ بہر حال جید، بھی غلط ثابت ہوا کہ کرٹل پر کاش رام نگہ کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر بھی فریدی کا

”یہ تو اپنی اپنی طبیعت کی بات ہے..... اب اسے کیا کہا جائے کہ انہیں آئیں اور دنوں خود کر لیں گے، بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔“
”بڑھتے پڑھتے حید کی پیشانی پر پیسٹ پھوٹ پڑا۔ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔
زیادہ کتے پسند ہیں۔“ حید نے بُر اسامنہ بنا کر کہا۔
”یہ بات نہیں حید صاحب، میں فریدی صاحب کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اُنہیں سنبھالنے کی وجہ سے کافی تھی۔ اس کی دلکشی اپنے سر میں محسوس ہو رہی تھی۔ ہونٹ خلک ہو گئے تھے۔ اس نے ہوتوں پر
بانی چھرتے ہوئے کافی سنبھالنے کا وہ سرہنہ کو دیکھ لیا۔“

”یہ بات نہیں حید صاحب، میں فریدی صاحب کو اچھی طرح جانتا ہوں۔“ حید نے خدا کی شہنماز کی بے گناہی کا یقین آ جاتا تو وہ سرہنہ کی بازی لگادیتے۔
”بُر ہے سے زیادہ آپ انہیں نہیں جانتے۔“ حید نے کہا۔
”اب ہٹ دھری کو کیا کہا جائے۔“ اسکے سنبھالنے سکار کا کش لے کر کہا، بہر حال ز پلیس کا بیش اور زیادہ مضبوط کرنے کے لئے یہ خط بھی لکھ دیا، لیکن آپ کو یہ خط کہاں
اس سے بحث نہیں، میں اُسے مجرم سمجھتا ہوں، اسلئے میں اسی کے مطابق کام کر رہا ہوں،“
کچھ آپ سمجھتے ہیں اس کیلئے آپ کوش کرتے رہئے۔ فیصلہ وقت کرے گا۔“ سنبھالنے
”یہ خط شہنماز کے گھر کی تلاش لیتے وقت اس کی لکھنے کی میز کے نیچے پڑا ملا تھا۔“
”آخر سے مجرم سمجھنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو۔“ حید نے کہا۔ ”اس کے لئے محض شاید ایک اور رہنمی امکانات کی بات تو یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ میں ہی اصل مجرم ہوں یا فریدی
نامب ہو جانا ہی کافی نہیں۔ جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں، ممکن ہے کہ مجرموں نے پلیس اُناب عصی اصل مجرم ہونے کی وجہ سے باہر چلے گئے ہوں یا پھر آپ..... امکانات کے تحت
راس پر لگانے کے لئے اسے غائب کر دیا ہو۔“

”میں اس وقت آپ کو یہی بتانے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ میں اتنا یوقوف نہیں۔ ”غیر... غیر...!“ حید نے اتنا کر کہا۔ ”ان سب باتوں سے کیا حاصل۔ اصل بات
کے لئے میرے پاس بہت سی پیشہ قسم کے ثبوت ہیں، اتنا میں بھی سمجھتا ہوں کہ مجرم ال۔ ایک دن ایک دن سامنے آئی جائے گی، بہر حال میں اپنے مشاہدات کی بناء پر شہنماز کو بے
پال چل سکتے ہیں۔“

”غیر صاحب..... وہ ثبوت بھی دیکھ لیتا ہوں۔“
”نہیں آپ مذاق نہ سمجھتے..... میں بخوبی سے کہہ رہا ہوں۔“ اسکے سنبھالنے جیب ہلانہیں جا سکتی۔“

ایک کافی کلکڑا نکالتے ہوئے کہا۔ ”اسے دیکھتے۔“
”خود کی دیر کے بعد سنبھالنے کا لٹک کر چلا گیا۔ حید ابھی تک خود کو مطمئن ظاہر کرنے کی کوشش
کر رہا تھا۔ لیکن سنبھالنے کے جاتے ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ تو کیا واقعی شہنماز مجرم ہے..... مگر نہیں وہ
”تم نے جس ہوشیاری سے اپنا کام انجام دیا ہے اس کی داد نہیں دی جا سکتا۔“ اپنیں کہتے ہیں۔
”اپنیں کہتے ہیں۔“ اسے بہر حال اپنے اور اپنے خاندان کی عزت کا بہت خیال تھا۔ مجرم دوسرے
سے باقاعدہ گروہ میں شامل کر لی گئی۔ لیکن اب بہت زیادہ ہوشیاری کی ضرورت ہے۔
”لپکانے جا سکتے ہیں۔ لیکن شہنماز کو قریب سے دیکھ کر بھی کبھی اس کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں
کوئی تصور ہو گیا ہے لہذا اپنے دنوں کے لئے یہاں سے ہٹ جاؤ۔ بی ون اور بی ڈو آنا۔“
”لہذا کہ شہنماز مجرم بھی کہتے ہے اور پھر ایسا بھیاںک اور دل ارزادی نے والا جرم۔ اس کی فطرت
بچے دن کھتمی رنگ کی کار پر تمہارے مکان کے سامنے سے گزریں گے، تم انہیں سڑک؟“

میں نسائیت کا رچاہ..... اسے کسی ایسے بھائیک کام کی طرف بھی نہیں لے جاسکتا۔ پھر اُز بی انپری میں ٹھکرایا۔ نہ جانے کس قماش کا آدمی ہے۔ اس کی بات ہی سمجھ میں نہیں بات کیا ہے۔ یہ سب آخر کیے ہوا اور پھر یہ خط۔ سوچتے سوچتے حمید کا سر پچکرانے کا۔ کہا یہ حال ہوتا ہے چاہے کوئی واسطہ ہو یا نہ ہو خواہ خواہ ہر معاشرے میں تالگ اڑائی جاتی ہے۔ بب کوئی خاص موقع آتا ہے تو اتنی صفائی سے الگ ہو جاتا ہے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ سونے کی پشت پر سرینیک کر غر حال سا ہو گیا۔

کہ اور اس کے تعلقات برادرانہ تھے لیکن پھر بھی اس نے اس کی پرواہ نہیں کی اور یہاں چلا گیا۔ اگر شہناز سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوتا تو شاید آپ اپنی جان تک کی بازی لگا جید ہتنا سوچتا جا رہا تھا اس کی طبیعت کی اکتا ہست بڑھتی ہی گئی۔ دیوار پر لگی ہوئی گھری بیماری تھی۔ اس نے سوچا کیوں نہ آرکھو ہی میں چل کر دل بہلایا جائے اور اس طرح

حید کا دل بڑی طرح الجھ رہا تھا۔ کبھی وہ بچ شہناز پر شک کرنے لگتا اور کبھی یہ بھیت کا ہر اپنے ساتھ بھا لے جاتی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی وہ خط شہناز کو ملا ہو تو وہ اتنی بے اختیاطی سے میرے نیچے نہذال دیتی اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ پولیس کا شہرا کرنے کے لئے روپوش ہو گئی۔ ایسی صورت میں تو اسے بھی موجود رہنا چاہئے تھا تاکہ پولیس کے شکوہ رفع ہو جائیں۔ مگر نہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کے لوگوں نے اسے محض اسے غائب کر دیا ہے کہ کہیں پولیس اس پر جبر کر کے سارا راز افکانہ لے، مگر ایسی صورت میں بھی شہناز وہ خط پڑھنے کے بعد ضرور بجلادی۔ پھر آخر کیا بات ہے۔ وہ اکتا کفریدی کے ذا کا جواب لکھنے بیٹھ گیا۔ مگر لکھے کیا۔ فریدی کی طرف سے ایک طرح کی نفرت اس کے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ کچھ نہ کچھ تو لکھنا ہی تھا کیونکہ بہر حال وہ اس کا مباحثت ہے۔ اس نے یونہا ایک رسمی ساختا لکھنا شروع کر دیا لیکن یلوڈنگو کا تذکرہ سوا اس کے کچھ اور نہ لکھا کہ اس کے کھوجانے پر اسے افسوس ہے۔ شہناز کے متعلق بھی یہ لکھ دیا کہ وہ ابھی تک نہیں مل سکی۔ اس درمیان میں اس نے کیا کیا، اس کے متعلق اس نے کچھ لکھنا قطعی بیکار سمجھا۔ اس نے مکمل ارادہ کر لیا کہ اس میں کو وہ ایکیلے ہی سر کرنے کی کوشش کرے گا اور فریدی کو یہ دکھادے گا کہ وہ نہ ابد ہو یہی نہیں ہے۔ آخر سے بھی تو ترقی کرنی ہی ہے۔ کب تک فریدی کا سہارا لیتا رہے گا۔ اس طرح نہ شاید اسے زندگی بھر ترقی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہو۔ رہ گیا فریدی تو وہ اچھا خاصا بھلی ہے۔ لیکن

پُر اسرار حجورت

کہ اس کے پڑھنے پہنے، پہلے سوچا کہ فریدی کی کارنال لے لیکن پھر کچھ سوچ کر پیدل ہی پہلے آگے چل کر ایک ٹیکسی کی اور آرکھو کی طرف روانہ ہو گیا۔

نقش گاہ میں کافی رونق تھی۔ ابھی ناق شروع نہیں ہوا تھا۔ لوگ ادھر ادھر بیٹھے کچھ کھا پی رہنے۔ ثراب کے کاؤنٹر پر اچھی خاصی بھیڑ تھی۔ حید نے پھر ٹھلٹی سی نظر پورے مجھ پر ڈالی۔ پھر کرnel پر کاش بیٹھا کچھ پی رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کوئی اخبار بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ بڑا ہو گئی تھا۔ باقی تین کریاں خالی تھیں۔ اسی کے قریب ایک اور میر خالی تھا۔ حید نے اس کیوں اپنے لئے وہی جگہ منتخب کی۔

کرnel پر کاش اپنے گردو پیش سے بے خبر پڑھنے میں مشغول تھا۔ اس وقت حید کو اسے نہ اندر بسے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ اسے پہلے سے زیادہ خطرناک معلوم ہو رہا تھا۔ تیدا ہر ادھر بیٹھنی ہوئی گورتوں کو ہم اس طرح گھومنے لگا جیسے وہ ایک بہت اوباش تم انداز ہے۔ فتحا اس نے یونہی بیچھے مڑ کر دیکھا لیڈی سیتا رام ہال میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ پھر کرnel پر کاش کے بیچھے کھڑی ہو گئی۔ کرnel پر کاش بدستور پڑھنے میں مشغول رہا۔ لیڈی

”یہ پنے دل سے پوچھو۔“ کرٹل پر کاش بہت عی رومنگ انداز میں بولا۔
”کاش میں افریقہ میں پیدا ہوئی ہوتی۔“

”جب تم اتنی حسین نہ ہو تو۔“

”تو کیا میں واقعی حسین ہوں۔“

”کاش میں تمہارے حسن کی تصور الفاظ میں کمیخ سکتا۔“

”ہوشی۔“ لیڈی سیتا رام نے شر میں انداز میں کھلا۔

”لیڈی سیتا رام میں کج کہتا ہوں ک۔۔۔!“

”دیکھو کرٹل تم میرا نام جانتے ہو۔“ وہ پر کاش کی بات کاٹ کر بولی۔ ”مجھے اس منحوس نام

”اپھا چلو ہیں سکی۔۔۔ ہاں تو حسین ریکھا۔۔۔ میں ایک سپاہی قسم کا اکھڑ آدمی ہوں۔“

”لیں تمہاری پیاری پیاری سی شخصیت نے مجھے بالکل مومن بنا دیا ہے۔“

”تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔“ لیڈی سیتا رام ناز سے بولی۔

”خنیں ریکھا تم پہلی عورت ہو جس نے مجھے اتنا متاثر کیا ہے۔ میں ابھی تک کنوارا

”وں۔ بعض اوقات سوچتا ہوں کہ کاش تم میرے حصے میں آئی ہو تو۔“

”میری ایسی قسمت کہاں تھی۔“ لیڈی سیتا رام سردا آہ بھر کر بولی۔

”ہاں اور سنو۔۔۔!“ کرٹل پر کاش بولا۔ ”آج شام اتفاقاً تمہارے کھوست سے ملاقات

”ہو گئی۔ مجھ سے مل کر بہت خوش ہوا ہے اور کل شام کو چائے کی دعوت دی ہے۔ کتنا لفڑ رہے

”کہ جب وہ میرا عارف تم سے ایک اخنثی کی حیثیت سے کرائے گا۔ مجھے تو سوچ کر فہمی

”اڑائی ہے۔“

”بہت اچھا ہوا ڈیسرٹ کرٹل۔۔۔ اب میں تم سے باقاعدہ مل سکوں گی۔ میں کتنی خوش قسمت

”کھل۔“

”تم نہیں بلکہ میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے یہاں ایک ایسے انمول ہیرے کا قرب

سیتا رام ستائیں اٹھائیں سال کی ایک قبول صورت عورت تھی۔ اس کے ہونٹ بہت زیاد تھے، جن پر بہت شوخ رنگ کی لپ اسٹک لگائی گئی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے ہونٹ بیچھے رکھ کر ہوں پیشانی پر پڑی ہوئی سلوش بدنما نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ وہ جنہیں طرح کرٹل پر کاش کے پیچے کھڑی رہی پھر آہستہ سے کچھ کھا اور واپس جانے کے لئے کرٹل پر کاش چونک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر شراحت آمیز مکراہٹ رنگ تھی۔ لیڈی سیتا رام اور پر گلری میں جانے کے لئے زینے پر چڑھ رہا تھا۔ اس کے جانے میں چار منٹ بعد کرٹل پر کاش بھی اٹھا۔ اب وہ بھی اسی زینے پر چڑھ رہا تھا۔ حمید گیر پلکس جھپکانے لگا۔ یہ بات اس کی بکھر میں قطعی نہ آئی کہ لیڈی سیتا رام کرٹل پر کاش قسم کی واقعیت کیسے رکھتی ہے، جب کہ خود سیتا رام اس کے لئے قطعی اجنبی تھے، اور انہیں سمت یاد کیا کرو۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔“ کی پہلی ملاقات لارنس باغ میں خود اسی کے سامنے ہوئی تھی۔

آخر یہ ماجرا کیا ہے، حمید گھوڑی دیر تک سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔“ لاپرواہی سے نہلا ہوا خود بھی اسی زینے پر چڑھنے لگا۔ گلری خالی پڑی تھی۔ اس نے بالکل جھاٹک کر دیکھا۔ وہ دونوں چنگلے پر جھکے کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے، انہیں کے قریب دو گھبیوں کے نیچے سے آتی ہوئی لتر پھیلی ہوئی تھی۔ اور آ کر لتر نے اتنا پھیلا دی اختیار کیا تھا بلکن کا وہ حصہ بالکل بیکار ہو گیا تھا۔ سرجنت حمید دوسرے دروازے سے نکل کر لتر کی آڑ چھپ گیا۔ اس طرف اندر ہر اہونے کے سبب سے ادھر والوں کی نگاہیں حمید تک پہنچا۔ تھیں۔ بہر حال وہ ایک ایسی جگہ پہنچ چکا تھا جہاں سے ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ صاف کا تھا۔

لیڈی سیتا رام کہہ رہی تھی۔

”کرٹل۔۔۔ تم شاید کوئی جادو گر ہو۔“

”کیوں۔۔۔ کیوں خیریت تو ہے۔“ کرٹل پر کاش قبھرہ لگا کر بولا۔

”مجھے بتاؤ کہ میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت تمہارے ساتھ کیوں گزارنا چاہتی ہوں۔“

نصیب ہوا ہے جس کا ٹانی دنیا میں نہیں۔

”اور تم نہ بھرے ہیروں کے تاجر.....!“ لیڈی سیتا رام قہقہہ لگا کر بولی۔
کرٹل پر کاش پہنچنے لگا۔

”آں یہ کون آ رہا ہے۔“ لیڈی سیتا رام چوک کر بولی۔ ”میرا بھتیجا سریندر کمار
اچھا کرٹل صاحب..... اب تم نیچے جاؤ..... میں بھی ابھی آئی۔ سریندر کے سامنے ہمیں ایک
دوسرا کے لئے قلعی اجنبی بننا پڑے گا۔“

”اچھا میں چلا..... لیکن یہ تو بتاؤ کہ اب کب ملیں گے۔“

”بہت جلد.....!“ لیڈی سیتا رام نے کہا اور ٹھیلی ہوئی بالکنی کے دوسرا کنارے تک
چل گئی۔

تقریباً دس پندرہ منٹ تک وہ ہاں ٹھیلی رعنی پھر وہ بھی نیچے چل گئی۔ حیدر تر کی آڑ سے
نکلا اور پوری بالکنی کا چکر بیما ہوا دوسرا زینے سے نیچے اتر آیا۔ ناق شروع ہو چکا تھا۔ کرٹل
پر کاش ایک نو عمر لڑکی کے ساتھ ناق رہا تھا۔ لیڈی سیتا رام اور سریندر ایک کنارے پیشے ہوئے
کچھ پی رہے تھے۔ حیدر دنوں کو دیکھتا ہوا بار کی طرف چلا گیا۔ اس کی نگاہیں انہیں دونوں پر جمی
ہوئی تھیں۔ سریندر ایک معمولی جسمات کا گلگھ خوبصورت نوجوان تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کا سوت
پہن رکھا تھا، جو اس پر بہت زیادہ کھل رہا تھا۔ دوسرا اوڈ شروع ہونے پر لیڈی سیتا رام اور
سریندر اٹھ کر ٹھیٹے ہوئے گلکری کے زینوں کی طرف گئے۔ دوسرا لمحے میں دونوں غائب
تھے۔ کرٹل پر کاش اب ایک دوسری عورت کے ساتھ ناق رہا تھا۔ نہ جانے کیوں حیدر کا دل چالا
کہ ان دونوں کے پیچھے جائے، وہ ٹھیٹا ہوا زینے کے قریب آیا لیکن یہ دیکھ کر ٹھیٹک گیا کہ کرٹل
پر کاش کی نگاہیں ذرا ادھر اور ہوں اور وہ زینے پر پڑھ جائے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب
نہ ہو سکا۔ کرٹل پر کاش کے قدم کچھ متحمل تھے۔ وہ اس طرح لڑکھرا رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ لی
گیا ہو۔ اس کے ساتھ ناچنے والی عورت نے شاید اُسے محسوس کر لیا تھا لہذا وہ اس کی گرفت
سے نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ یک بیک کرٹل پر کاش نے خود سے چھوڑ دیا اور لوگوں

بیک طرف بڑھا۔
جسے شیرخا کہ آخر یہ بات کیا ہے۔ یہ اوپر کیوں جا رہا ہے، کیونکہ ابھی ابھی لپڑی سیتا
نے اس سے کہا تھا کہ وہ سریندر کی موجودگی میں ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی ہوں
جید ابھی سوچ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کہ کرٹل پر کاش لڑکھرا تا ہوا نیچے اتر آیا۔ غصے سے
کرتھنے پھول رہے تھے، نچلا ہونٹ اس نے اپنے دانتوں میں دبار کھا تھا۔ وہ لڑکھرا تا ہوا
طرف چلا گیا۔ حیدر نے ادھر اور ہر دیکھا اور دبے پاؤں زینے پر چڑھتا چلا گیا۔
اب پھر وہ اسی تر کی آڑ میں چھپ گیا تھا۔ لیڈی سیتا رام اور سریندر ایک دوسرے کے
میں ہاتھ دا لے جنگلے پر بچکے ہوئے تھے۔

”سریندر دارلنگ، میں اب اس طرح زندہ رہنا نہیں چاہتی۔“ لیڈی سیتا رام بولی۔
”تو آخر اس میں پریشانی کی کون ہی بات ہے۔ دنیا کی نظر وہ میں اگر ہم چیز بھیجے رہ کر
لگ کا لفٹ اٹھا میں تو کیا حرج ہے۔“ سریندر نے کہا۔
”میں مجھے یہ پسند نہیں۔“ لیڈی سیتا رام نے کہا۔

”مجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس میں رہائی کیا ہے۔“ سریندر بولا۔
”میں اس بوڑھے ہوٹ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔“ لیڈی سیتا رام نے کہا۔
”یہ ذرا دشوار چیز ہے لیکن تم جو کہو میں کرنے کیلئے تیار ہوں۔“ سریندر بولا۔
”اوہ ہم تم کہیں دور چلے جائیں، بہت دور.... جہاں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہ ہو۔“
”اُر کہیں..... وہاں ہمارا کھانا کون پکائے گا۔“ سریندر پس کر بولا۔

”کہاں کہیں کے۔“ لیڈی سیتا رام نے کہا اور سریندر ”اوہ اوہ“ کرتا ہوا ایک طرف بہت

نالہ لیڈی سیتا رام نے اس کے پیشکی کاٹ لی تھی۔
لیڈی سیتا رام نے اس کے پیشکی سے گلکری میں آگیا۔
لیلا بیک رات کو جب وہ گھر واپس آ رہا تھا تو اس کے ذہن میں عجیب قسم کا انتشار برپا

تحا۔ عجیب و غریب عورت ہے، ایک طرف تو سمجھنے کو چھانس رکھا ہے اور دوسری طرف از پرکاش کو بیوقوف بنا رہی ہے۔ کرٹل بڑے غصے میں نیچے اترتا تھا، غالباً اس نے بھی ان کی تھی سنی ہوگی۔ دیکھنے اب کیا ہوتا ہے۔ اس کا دماغ پھر ابھینہ لگا، لیکن ان سب باتوں کا شہزادہ دانتے سے کیا تعلق۔ وہ آخران کے پیچھے کیوں لگا ہوا ہے۔ مگر پھر لیڈی سیتا رام علیاً پولیس کو شہزاد کی طرف سے شہپر میں جتنا کیا تھا اور یہ بھی تoram نگہ کے ساتھ ناجائز تھی۔

ناکلوز کرنے ایک ملاقلاتی کارڈ لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔
”ڈاکٹر محمود.....!“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ ”انہیں اندر بھیج دو۔“ حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔
”آداب غرض ہے حمید صاحب۔“ ڈاکٹر محمود نے ڈرائیکٹ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ یہ ایک اوپری عمر کا جامہ زیب آدمی تھا۔ چہرہ ڈاٹھی اور موچھوں سے صاف تھا۔ اس کے نہیں کہ عورت فروشوں سے اس کی رسم و رہا ہو۔ عجیب معمر ہے۔ اسکا پراسرار عورت آن نہیں۔
اس کی نظر وہ نہیں گزری تھی۔ کم بہت چہرہ اتنا پر وقار ہے کہ کوئی بھی اس سے ذمیل ترکیز نہیں رکھ سکتا۔ بھی عورت جو سوسائٹی میں کافی عزت کی نظر وہ نہیں رکھ سکتا۔ یہی عورت جو سوسائٹی میں کافی عزت کی نظر وہ نہیں رکھ سکتا۔ یہی عورت جو سوسائٹی میں کافی عزت کی نظر وہ نہیں رکھ سکتا۔

لیکن خوبی اہمیت رکھتا تھا۔ ویسے وہ خود متوضط بٹھے سے تعلق رکھتا تھا بھی وجہ تھی کہ وہ خود نمائی قدر گری ہوئی ہے۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے شہزاد بھی اسی عی ہو۔ وہ کافی آزاد خیال ہے۔ رقص گاہوں میں مردوں کے راسترناجی پھرتی ہے۔ اسے اپنی محبت پر نفرت کی ہلکی کافی چڑھتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

لیکن خاص اہمیت ہے۔ اس کا ملاقلاتی کارڈ ذکر ہے ہی حمید کو الجھن ہونے لگی تھی۔ ایسے لوگوں نے پہنچ کر نادہ محض قصیح اوقات سمجھتا تھا کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کی باتوں میں اس نہیں جھوٹ کی آمیزش ہوتی ہے۔ خصوصاً ڈاکٹر محمود تو بعض اوقات قدیم شاعری کے بالائی کا سرحدوں سے ٹکرانے لگتا ہے۔ وہ زیادہ تر اونچے بٹھے کی عورتوں کی باتمیں کیا کرتا تھا،

ٹانٹالس نجح کیا یہوی نے اسے یوں مسکرا کر دیکھا، فلاں سینہ کی پیوی اس کے ساتھ بھاگ دوسرے دن حمید نخت الجھن میں تھا کہ کس طرح سریتا رام نک رسائی حاصل کر بلے پر آداہ ہو گئی تھی۔ فلاں کرٹل کی یوہ بہن اس پر بُری طرح لٹو ہو رہی ہے۔ فلاں اس دلچسپ ڈرائی کا اختتام دیکھنے کی آرزو تھی۔ اس سلسلے کے دلچسپ اور جیلت ائمہ والیوں کی لڑکی کی لڑک کھالینے کے لئے تیار بیٹھی ہے، لیکن وہ اس کی ذرہ نہیں پوادھ نہیں کرتا کیونکہ خود اس کی یہوی کمی بچے جن پکنے کے باوجود بھی صرف تیرہ برس کی بھلہ بھلی تھی اور اس کے حسن کا تو یہ عالم ہے کہ شاید جو ہیں بھی اس کی قسم کھاتی ہوں گی۔

میر ڈاکٹر محمود کو دیکھ کر زبردستی مسکراتا ہوا اٹھا۔ اس سے ہاتھ ملاتے وقت خواہ خواہ گرم

سر سیتا رام

دوسرے دن حمید نخت الجھن میں تھا کہ کس طرح سریتا رام نک رسائی حاصل کر اسے اس دلچسپ ڈرائی کا اختتام دیکھنے کی آرزو تھی۔ اس سلسلے کے دلچسپ اور جیلت ائمہ والیوں کی لڑکی کی لڑک کھالینے کے لئے تیار بیٹھی ہے، لیکن وہ اس کی ذرہ نہیں پوادھ نہیں کرتا کیونکہ خود اس کی یہوی کمی بچے جن پکنے کے باوجود بھی صرف تیرہ برس کی طرح کیسے ملتے ہیں، وہ دن بھر تمام تدبیریں سوچتا رہا کہ کس طرح اسی وقت سریتا رام کے پرکاش جو پہلے سے ایک دوسرے کے گھرے دوست ہیں سریتا رام کے سامنے اجنبیوں کے

جوئی کا مظاہرہ کرتا ہوا بینجھ گیا۔

”کیا فریدی صاحب گھر پر موجود نہیں ہیں۔“ ڈاکٹر محمود نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”بھی نہیں، وہ باہر تشریف لے گئے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”بھی حمید صاحب کیا بتاؤ۔ معلوم نہیں آپ لوگوں سے اتنی محبت ہو گئی ہے۔“

یہ ہے کہ اگر زیادہ دنوں تک آپ لوگوں سے نہ طوں تو عجیب قسم کی الحسن ہونے لگتی۔

”بخدا میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔“ حمید نے کہا۔ بات یہ ہے کہ مجھے سرستارام کے

کوں کو دیکھنے کا بے حد شوق ہے۔ میں نے کئی بار کوشش کی کہ وہاں تک پہنچوں مگر کوئی معقول

”محبت ہے آپ کی.....!“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”وہ دانستہ طور پر زیادہ بات جیت نہیں پہنچتا ہے آسکا۔“

چاہتا تھا تاکہ جلد ہی پیچھا چھوٹ جائے۔“ ڈاکٹر محمود نے کہا۔

”اگر یہ بات ہے تو میں کسی موقع پر آپ کو ان سے ملاوں گا۔“ ڈاکٹر محمود نے کہا۔

”اس وقت سرستارام کے بیہاں ٹی پارٹی میں جا رہا تھا، سوچا لگے ہاتھ آپ اول۔“

”آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اتنی فرصت کہاں..... آج کل خوش قسمتی سے کوئی کیس بھی ملتا چلوں، ویسے مجھے فرصت کہا۔“ ڈاکٹر محمود نے کہا۔ ”بھی کیا بتاؤں میں تو از نہیں ہے۔ اس لئے فرصت ہی فرصت ہے، ورنہ معلوم نہیں کہ اور کس وقت پھر مصروف ہوتا

کا واقعہ لے بیجھے سرستارام کا آدمی دعوت نامہ لے کر آیا۔ میں نے نالئے کے لئے جواب

”مگر.....!“ ڈاکٹر محمود نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”اگر مگر کچھ نہیں..... میں اس وقت آپ کے ساتھ ضرور چلوں گا۔“ حمید نے کہا۔ آخر

رام کہاں مانے لگے، فوراً ہی کہلا بیجا کہ مہماں سمیت آ جاؤ۔ مرتا کیا نہ کرتا جانا ہی پڑے۔ آپ کو پریشانی کی بات کی ہے جب کہ سرستارام آپ کو مہماں سمیت دعو کر چکے ہیں۔“

”پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ سوچتا ہوں کہ اگر آپ بھیں بدلتے پر پیچان لئے گئے تو

”ہلی خرابی ہو گی۔“ ڈاکٹر محمود نے زیچ ہو کر کہا۔

”اچھی طرح سمجھتا تھا کہ یہ مہماں والی بات سو فیصدی غب ہے، لیکن وہ پھر بھی کہہ ہی بیٹھا۔“

”تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، میں آپ کا مہماں بن کر چلا جاؤں گا۔“

”ارے آپ کہاں..... آپ مذاق کر رہے ہیں۔“ ڈاکٹر محمود نے جھپٹی ہوئی ٹھیک ہوئے کہا۔

”نہیں میں سمجھ دی گی سے کہہ رہا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”اور اگر کسی نے پیچان لیا تو.....!“ ڈاکٹر محمود نے پیچھا چھڑانے کے لئے کہا۔“

”کہاں سے نکل چکا تھا..... مجبوراً اسے حمید کی بات مانی ہی پڑی۔ حمید اسے ڈرائیک روم میں

بیٹھا کرہ دی تھی۔ اب اسے اپنی حماقت پر سخت افسوس ہو رہا تھا لیکن اب ہو ہی کیا سکتا تھا۔

بھا کر خود پلنے کی تیاری کرنے کے لئے دوسرے کرے میں چلا گیا۔ ڈاکٹر محمود بیٹھا دانت نہ بڑا ہے۔ اور کیا سمجھے اور کتوں کا شوئین۔“
اوہ کا بہت بڑا تعلق دار۔ کیا سمجھے اور کتوں کا شوئین۔“
رہا تھا۔ خواہ خواہ کی بلا گلے لگ گئی۔ وہ ہمیشہ اسی باتوں سے کرتا تھا جن سے اوپر سر ہے۔ مجھے اب کوئی پریشانی نہیں۔“ ڈاکٹر محمود نے کہا۔
میں اس کی سیکی ہو۔ بھی بن بالائے مہمان کو اپنے ساتھ اسکی جگہ لے جانا سراستہ ہے۔ اول کار پر بیٹھ کر سیتا رام کی کوئی کی طرف روانہ ہو گے۔
خلاف سمجھا جاتا ہے، متوسط طبقے کی زندگی میں تو خیر ہر چیز جائز ہے، لیکن اعلیٰ طبقے کے افراد
باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں، محمود بیٹھا الجھ رہا تھا کہ ایک پرانے وضع کے مسلمان رکن، چاہا تھا۔ سریتا رام، لیڈی سیتا رام، سریندر اور دو ایک دوسرے آدمی کر سیوں پر بیٹھے
ڈرائیکٹ روم میں داخل ہو کر کہا۔ ”السلام علیکم۔“
ڈاکٹر محمود چونک کر کھڑا ہو گا۔ آنے والے کی ظاہری وجہت اُسے بُری طرح مرد لکھ رہے ہو گے۔ اس کے ساتھ ایک قدیم وضع کے اجنبی کو دیکھ کر لیڈی سیتا رام نے بُر اسا
کر رہی تھی۔
”یاہا۔ سریتا رام کا مودبھی پکجھ خراب ہو گیا۔“

”کیا فریدی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔“ آنے والے نے تکلفی سے بیٹھنے ہو۔ ”سریتا رام آپ سے ملتے۔“ ڈاکٹر محمود نے مسکرا کر کہا۔ ”آپ ہیں میرے دوست
ان بہادر جاپید مرزا اووہ کے بہت بڑے تعلق دار۔ آپ کا سلسلہ نصب واجد علی شاہ مرحوم
کہا۔

”جی نہیں۔ وہ تو باہر تشریف لے گئے ہیں۔“ ڈاکٹر محمود نے جلدی سے کہا۔
”آپ کی تعریف۔!“ اجنبی نے ڈاکٹر محمود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے ڈاکٹر محمود کہتے ہیں، جانوروں کے سپتال کا انچارج ہوں۔“
”بہت خوب۔ آپ سے مل کر بہت خوش ہوئی۔“ اجنبی نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا
آنچاہے تھا لیکن میں آج رات گاڑی سے لکھنؤ واپس جا رہا ہوں، محمود صاحب یہاں آرہے
اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

”آپ نے میری تعریف نہیں پوچھی، انتہائی بد اخلاق معلوم ہوتے ہیں آپ۔“
”نہ مرا سامنہ بنا کر کہا۔“
ڈاکٹر محمود گز بڑا کر ہکلانے لگا۔

”گھبراو نہیں پیارے ڈاکٹر۔!“ اجنبی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”جب تم مجھے نہیں پیجا
سکے تو پھر کون مائی کالال پچان سکے گا۔“

”اُرے صاحب۔!“ ڈاکٹر نے اچھل کر کہا۔ ”خدا کی قسم کمال کر دیا۔“
”اچھا تو اب اچھی طرح سمجھ لجھے میری تعریف یہ ہے۔“ حمید نہیں کر بولا۔ ”خان بہادر۔“

”خلوس ہے آپ کا۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔ ”در اصل مجھے جو چیز یہاں تک کھیچ کر لائی
گئی، آپ کے کہتے ہیں۔ مجھے بھی کتوں کا شوق ہے۔“
”تب تو آپ سے مل کر اور بھی خوش ہوئی۔“ سریتا رام نے بچوں کی طرح ہستے ہوئے

کہا۔ لیڈی سیتا رام نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ سر سیتا رام اور حمید میں کتوں ہے۔ ایک لمبی بحث چھڑ گئی۔ دونوں ہی اپنی معلومات کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کرنا چاہیے۔ طے پایا کہ چائے پینے کے بعد سر سیتا رام کے کتابخانہ کی سیر کی جائیگی۔ تھوڑی دیر کے بعد کرٹل پر کاش بھی آگیا اور وہ اس وقت پہلے سے زیادہ شاندار نظر تھا۔ اُسے دیکھ کر سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ سر سیتا رام زیادہ گرجوشی کے ساتھ اس کا نظر کرنے کے لئے بڑھے۔

”آئے آئے کرٹل صاحب..... ہم سب بے چینی سے آپکا انتظار کر رہے تھے۔“
”شکریہ، شکریہ۔“ کرٹل پر کاش مسکراتا ہوا بولا۔

”ذرا مجھے تجارتی معاملات کے سلسلے میں ایک صاحب سے ملتا ہے۔“
”اب تو رابر ملاقات ہوتی رہے گی تا۔“ سر سیتا رام نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔
”جب تک یہاں مقیم ہوں آپ کا دم غیمت ہے..... یہاں اور کوئی اچھی سوسائیتی بھی نکلنی ہی نہیں۔“

سر سیتا رام نے دانت نکال دیئے۔
کرٹل پر کاش کے رخصت ہو جانے پر بقیہ لوگ بھی ایک ایک کر کے اٹھ گئے۔
”جب بھی یہاں تشریف لایے گا غریب خانے کو نہ بھولنے گا۔“ سر سیتا رام نے حمید سے کہا۔

”ضرور ضرور..... آپ کے اخلاق نے میرے دل پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ کبھی لکھنؤ تشریف لائیں۔“

”کیا بتاؤں نہ جانے کیوں اب گھر چھوڑتے وقت کچھ انجمنی محسوس ہوتی ہے۔“
”حمدیوں ہی خواہ مخواہ پہنچنے لگا اور اس کی نگاہ لیڈی سیتا رام کی طرف اٹھ گئی، جو اسے لہٹ فور سے دیکھ رہی تھی۔

کہا۔ لیڈی سیتا رام نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ سر سیتا رام اور حمید میں کتوں ہے۔ ایک لمبی بحث چھڑ گئی۔ دونوں ہی اپنی معلومات کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کرنا چاہیے۔ طے پایا کہ چائے پینے کے بعد سر سیتا رام کے کتابخانہ کی سیر کی جائیگی۔ تھوڑی دیر کے بعد کرٹل پر کاش بھی آگیا اور وہ اس وقت پہلے سے زیادہ شاندار نظر تھا۔ اُسے دیکھ کر سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ سر سیتا رام زیادہ گرجوشی کے ساتھ اس کا نظر کرنے کے لئے بڑھے۔

”آن سے ملنے۔“ سر سیتا رام نے تعارف کرنا شروع کیا۔ ”ریکھا میری بیوی۔“
”بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“ کرٹل پر کاش نے ہاتھ ملاتے وقت قدرے جا کھا۔

لیڈی سیتا رام کے ماتھے پر پینے کی ہلکی ہلکی بوندیں پھوٹ آئیں تھیں۔ وہ ہاتھا زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اس کے بعد فرد افراد اس تعارف ہوں۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ کرٹل پر کاش کی نظر بار بار اس پر پڑ رہی ہے۔ وہ کچھ گھم گیا۔ لیکن فوراً ہی خود پر قابو پا کر مسکرا کر باشیں کرنے لگا۔ لیڈی سیتا رام بدستور خانہ تھی۔ غالباً سر سیتا رام نے بھی اسے محسوس کر لیا تھا۔ لہذا ایک موقع پر بے اختیار کہا۔

”کرٹل صاحب ریکھا کو زیادہ باشیں کرنے کی عادت نہیں اور اجنیوں سے وہ کچھ ٹھہر جھی ہے۔“
”خوب یہ تو اچھی عادت ہے۔“ کرٹل پر کاش نے مسکرا کر کہا۔ ”کم از کم ہر شریف“ میں یہ صفت تو ہوئی ہی چاہئے۔ کیا خیال ہے نواب صاحب!“
”مجاہار شاد ہوا.....!“ حمید نے کہا۔

چائے کا دور ختم ہو جانے کے بعد سر سیتا رام سب کو لے کر کتابخانے کی طرف ٹھہر گئے۔

بینا تھا۔ دیے کبھی بھی وہ اس کی بڑھی ہوئی آزادی اور لیڈی سیتا رام کے عادات و اطوار کو
مانے رکھتے ہوئے اس سے بدلت ضرور ہو جاتا تھا لیکن یہ کیفیت بالکل عارضی ہوتی تھی۔ وہ
بڑھ پڑنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ دنیا کی ساری عورتیں یا سارے مرد ایک جیسے نہیں ہوتے، عشق
بنت کے معاملے میں وہ ایک کھلنڈر اور بے پرواہ آدمی تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ قیس و فراہ قسم
کا بنت کا دنیا میں وجود نہیں تھا۔ اس نے اب سے پہلے بھی کمی عشق کے تھے لیکن وہ صرف

بُرے پھنسے

حید کو اپنی حماقت پر سخت افسوس ہوا کہ اس نے یہ کیوں کہہ دیا کہ وہ آج ہی رات کی فی ہنوں اور بے نکلی ہائے وائے ہی تک محدود رہے تھے اور ویسے وہ فریدی کو چنان کے
گاڑی سے لکھنوا پک جا رہا ہے۔ اب اس طرح فی الحال وہ دہاں نہ جاسکے گا۔ اسے فریدی کی بھی اکثر ایک آدھ عشق کر بیٹھتا تھا۔ اسکی کہانیوں کے محظی عموماً فرضی ہوا کرتے تھے۔
ہدایت یاد آگئی کہ کوٹھی کے اندر جانے کی کوشش نہ کرنا۔ معلوم نہیں اس نے یہ کیوں کہا تھا۔ جب شہزادے بھی اس کی محض دستی تھی لیکن اس درمیان میں اسے اس سے حد درجہ ہمدردی ہو گئی
سوچنے لگا۔ کہا ہوگا اپنا اپنا طریقہ کار ہے، جب فریدی کو اس کیس سے کوئی دچھی ہی نہیں تو خدا غم۔ اور یہ ہمدردی آہستہ آہستہ دوسری شکل اختیار کرتی جا رہی تھی۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہوا تھا
خواہ کیوں اس کی ہدایتوں کے چکر میں پڑ کر اپنا کام خراب کرے۔ اب وہ پھر کرٹل پر کاش کر
پیچھے لگ گیا تھا۔ دو تین دن اسی قسم کے چکروں میں گزر گئے۔ لیکن کوئی کار آمد بات نہ معلوم
ہو گی۔ ان تین چار دنوں میں لیڈی سیتا رام اور کرٹل پر کاش باقاعدہ طور پر کھلم کھلا لیک
تھی ساتھ یہ ضرور تھا کہ شہزاد کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کی بھی بازی ضرور لگا سکتا تھا۔
اپنے خون کا آخری قطرہ بھی صرف کر سکتا تھا۔

آج شام کو جب وہ آفس سے واپس آیا تو اسے فریدی کا خط ملا۔ جس میں اس نے
بے سے پہلے شہزاد کے بارے میں پوچھا تھا۔ پھر یہ ڈنگو کا نوجہ تھا اور آخر میں اپنی بیماری کا
علل کھاتھا۔ وہ ابھی تک بیمار تھا۔ نقاہت بہت زیادہ تھی اس لئے سفر کرنے کی ہست نہیں کر سکتا
تھا۔ آخر میں اس نے پھر تاکید کی تھی کہ اسے تمام حالات سے مطلع کیا جائے۔ فریدی کا خط
پڑھ کر حید کے دل میں ہمدردی کے جذبات جاگ اٹھے۔ وہ محبت جاگ اٹھی جو اسے فریدی
سے تھی، اسے فریدی سے اتنی ہی محبت تھی جتنا کہ اپنے پڑے بھائی سے ہو سکتی ہے۔ اگر فریدی
نہ اسے یہ نہ لکھ دیا ہوتا کہ تم پریشان ہو کر یہاں آنے کی کوشش نہ کرنا بلکہ شہزاد کے سلسلے میں
نیشن میں مشغول رہنا تو وہ ایک آدھ بخت کی جھٹی لے کر بھی ضرور جاتا اور جس طرح بھی
لٹک پڑتا فریدی کو دہاں سے لانے کی کوشش کرتا۔

ان دنوں اسے شہزاد کی یاد نہی طرح ستاری تھی۔ اسے اس کی بے گناہی کا پورا پورا

ناشتر کرنے کے بعد جمید نے فریدی کو خالکھنا شروع کیا۔ سارے حالات مفصل لکھے ہیں۔ ڈنگو کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ محض اس کی وجہ سے اسے اتنی باقی معلوم ہو گئیں اور وہ بہر جلد اسے کرٹل پر کاش سے قانونی طور پر چھین لے گا۔ خط ختم کر چکنے کے بعد وہ سو گیا۔ آج رات کو آرچھو میں خاص پروگرام تھا۔ ملکٹ کا دام اتنا بڑھا دیا گیا تھا کہ زیادہ صرف اعلیٰ طبقہ ہی کے لوگ اس میں حصہ لے سکتے تھے۔ کرٹل پر کاش کی دریافت کے بعد جمید روزانہ آرچھو جاتا تھا اس لئے رات کو سونے کا موقع کم ملتا تھا۔ سبھی وجہ تھی کہ آج کل در میں سونا اس کے لئے ضروری ہو گیا تھا۔

تقریباً آٹھ بجے وہ سو کر اٹھا۔ ناوقت سونے سے طبیعت کچھ سلمند ہو گئی تھی۔ لیکن کافی ”ذوں“ لکھیاں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہٹنے لگیں۔ کے ایک پیالے نے اس کے جسم میں حرارت و توہاتی پیدا کر دی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر ”یہ جولیا ہے اور میں لڑی..... ہم دونوں اسٹوڈنٹ ہیں۔“ اس نے جلدی جلدی بس تبدیل کیا اور آرچھو کی طرف روانہ ہو گیا۔

آرچھو کی رقص گاہ آج بالکل انوکھے انداز میں سجائی گئی تھی۔ چاروں طرف قہقہوں کے نے کافیں میں شہد پکا دیا ہو۔“ فوارے اچھل رہے تھے۔ جمید کی لگائیں کرٹل پر کاش اور لیڈی سیتا رام کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ لیکن وہ دونوں بھی تک نہیں آئے تھے۔ جمید اور گلری میں گیا۔ بالکل بھی خالی تھی۔ پھر ہٹلا ہوا کل پر کاش کے کمرے کی طرف گیا وہ بھی بند تھا۔ تھک ہار کر وہ ہال میں لوٹ آیا۔ ایک جگہ ایک نیز خالی نظر آئی، قریب جانے پر معلوم ہوا کہ کرٹل پر کاش کے لئے پہلے ہی سے ”مخصوص“ کر دی تھا۔ لایبر کے بعد ناق کے لئے موسيقی شروع ہو گئی۔

گئی ہے۔ ایک میز کے گرد دو ایگلو اٹھیں لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں، بقیرہ دو کریساں خالی تھیں۔“ ”میری بھی میں نہیں آ رہا ہے کہ میں ناق کے لئے کس سے درخواست کروں۔“ جمید نے ان کے قریب گیا۔

”ہم دونوں باری باری بے ناچیں گے۔“ جولیا نے کہا۔ ”اگر کوئی ہرج نہ ہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں۔“ جمید نے کہا۔ ”ضرور ضرور.....!“ دونوں بیک وقت بولیں۔ حمید ان کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ وہ یوں بھی کافی حسین تھا اور اس وقت عدم قسم کے سیاہ سنت میں وہ کوئی ذی حیثیت ایگلو اٹھیں معلوم ہو رہا تھا۔ غالباً وہ دونوں بھی اسے ایگلو اٹھیں بھی تھیں۔ حمید نے بیٹھنے والے کے لئے کچھ کھانے پینے کی چیزوں کا

”کون کی پیتے ہو.....!“

”اس کاچ.....!“ حمید نے جلدی سے کہا۔ ”لیکن میں نے اتوار کے دن پہنچ رہا تھا جو گھر ہو گئے۔ رکھی ہے۔“

”کیوں.....؟“

”میں تھوڑا ساز بھی آدمی بھی ہوں۔“

”یہ بہت بُری بات ہے۔“

”آچھی ہو یا بدی..... اصول ہر حال اصول ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”تم کوئی بُخیر ہو۔ میں اسی دلی۔“

”شیری.....!“

”اچھا تو میں تمہیں شیری ضرور پلاوں گا۔“

”تم بہت حسین ہو۔“

”ایک بار ایک بڑھانے بھی مجھ سے بھی کہا تھا۔“

”لوگ کھل کھلا کر بُخس پڑی۔“

”تم بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔“

”تم جیسی خوبصورت لڑکیوں کا قرب مجھے سب کچھ بنا دیتا ہے۔“

”باتیں خوب بنا لیتے ہو۔“

”میں روزانہ ایک درجن باتیں بناتا ہوں اور پھر انہیں پیک کر کے بکٹے کے۔“

”میں بھیج دیتا ہوں۔“

”تم ضرور پہنچے ہو۔“

”تمہاری ستاروں سے زیادہ چکدار آنکھوں کی قسم میں نئے میں نہیں ہوں۔“

”خیر ہو گا..... تم بہت اچھا ناچ لیتے ہو۔“

”غفتا حمید کی نظریں اس میز کی طرف اٹھ گئیں جو کرٹل پر کاش کے لئے مخصوص تھی۔“
کرٹل پر کاش، لیڈی سیتا رام اور سریندر ابھی آ کر بیٹھے تھے۔ لیڈی سیتا رام ”ا

پہنچ رہی تھی۔ تھوڑی درستانے کے بعد کرٹل پر کاش اور لیڈی سیتا رام ناچنے کے

لئے چاہو گئے۔

”اس کاچ.....!“ حمید نے جلدی سے کہا۔ ”لیکن میں نے اتوار کے دن پہنچ رہا تھا جو گھر ہو گئے۔“

”بُری بیمارام شراب کے نئے میں بد مست تھی۔“

”رقص کی موسيقی رفتہ رفتہ تیزی ہوتی جا رہی تھی کہ اچانک پورے ہال میں اندر ہم اچا گیا تھا۔ شاید فیوز اڑ گیا تھا۔ اندر ہرے میں عجیب قسم کا بیجان برپا ہو گیا۔ غفتا ایک عورت کی جیجے آچھی ہو یا بدی..... اصول ہر حال اصول ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”تم کوئی بُخیر ہو۔ میں اسی دلی۔“

”ارے ارے..... چھوڑو..... ارے چھوڑ..... میرا ہار..... میرا ہار.....!“ وہ بُری بیمارام جیجے رہی تھی۔ اسی کے ساتھ اور بھی کئی تیز قسم کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ چند لمحوں کے بعد بھر رہی ہو گئی۔ ایک جوان عورت جو لباس سے کافی دولت مند معلوم ہو رہی تھی ”میرا ہار میرا ہار“ ابھی تک چیخ جا رہی تھی۔ لوگ اس کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

”کسی نے میرا ہیروں کا ہار اٹارتا لیا.....!“ وہ جیخ کریوں۔

اٹتے میں فیجر بھی آ گیا۔ اس نے ہال کے سب دروازے مقفل کر دیے۔

”خواتین و حضرات!“ وہ ایک میز پر کھڑا ہو کر بولا۔ ”مجھے سخت افسوس ہے کہی بد معاش نے لیڈی اقبال کا ہار جا لیا۔ مجبوراً مجھے اس وقت ہٹک کے لئے سب دروازے مقفل کر دیئے ہیں جب تک کہ پولیس آ کر کوئی کارروائی نہ شروع کر دے۔ امید ہے کہ آپ لوگ مجھے اس گلائی پر معاف فرمائیں گے۔“

”بالکل ٹھیک ہے..... بالکل ٹھیک ہے۔“ بہت سی آوازیں سنائی دیں۔

”کچھ در بعد پولیس آ گئی۔ ایک سرے سے سب کی تلاشی شروع ہو گئی۔ تلاشی لینے والوں میں

اپنے جلدیں بھی تھا۔ جب وہ حمید کے قریب آیا تو حمید نے بھی اپنے ہاتھ اٹھادیے۔

”ارے آپ.....!“ جلدیں ٹھیک کر بولا۔ ”کیوں مذاق کرتے ہیں۔“

”وہ آگے بڑھ جائے لگا۔“

"نمہب و..... میری تلاشی بھی لیتے جاؤ۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔
جگد لیش بھی ٹھنک گیا۔

غماز کرل پرکاش نے ان دونوں کو اتنی رات گئے روکا کیوں ہے۔ حمید بھی اخہاز بنے طے کر دیا۔ کرل پرکاش کے کروں کے سامنے ایک چھوٹا سا صحن تھا، جسے قد آدم کو..... تھکپا نہیں..... مصلحت بھی ہے اور میرے لئے بالکل اجنبی ہے۔ اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اس طرح یہ حصہ ہوٹل کے بقیہ حصوں سے بالکل رہو۔" جگد لیش نے حمید کی بھی تلاشی لی اور آگے بڑھ گیا۔ حمید خود بھی اپنی تیز نظروں سے باہر بیکھرا گیا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ حمید دروازے سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اسےطمینان تھا کام لے رہا تھا۔ لیکن اسے اچھی طرح یقین ہو گیا تھا کہ چور اس وقت ہال میں موجود ہے۔ وقت اور ہر کوئی نہیں آ سکتا اس نے اپنی آنکھ دروازے کی بھی کے سوراخ سے نگاہی۔ کیونکہ عورت کے چینخے کے دو تین منٹ بعد تک ہال میں اندر ہی رہا تھا۔ اس وقت میں بوجہ اپنارام اور سریندر صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور کرل پرکاش بھل رہا تھا۔ نہایت آسانی سے باہر جا سکتا تھا۔ اس وقت کی تلاشی شخص رسکی کاروائی کیجھ رہا تھا۔

تلاشی کا سلسلہ تقریباً تین گھنٹے تک جاری رہا۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ آخر تھنک ہاڑ پولیس والوں نے دروازے کھلوادیے۔ تھوڑی دیر بعد ہال میں بالکل سنا تھا۔ صرف وہی لار

بریندر اور لیڈی سیتا رام اسے تجب سے دیکھنے لگے۔ باقی رہ گئے تھے جو آرچجوں میں مستقل طور پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ لیڈی سیتا رام اور سریندر بھی "ید کھجھے..... یہ رہا..... لیڈی اقبال کا ہاڑ.....!" ابھی موجود تھے۔ انہیں کے قریب کی ایک میز پر حمید بھی کافی پی رہا تھا۔ پولیس والے کچھ دیشم "ارے.....!" کہہ کر لیڈی سیتا رام اور سریندر کھڑے ہو گئے۔ کروپیں چلے گئے۔ لیڈی اقبال ابھی تک فیجر سے ابھی ہوئی تھی۔ فیجر غریب نری مڑا کرل پرکاش نے ایک زوردار قیچہ لگایا۔ بدھوں تھا کیونکہ اس کے ہوٹل میں یہ دوسرا حادثہ تھا اور اب کوئی چیز ہوٹل کو بدنای سے نہیں؛ "میں آپ کو اتنا گراہو انہیں سمجھتا تھا۔" سریندر نے تیز لہجہ میں کہا۔

"اوہ میرے شیر.....!" کرل پرکاش غریب ہی کیسا تھوڑا بولا۔ "تم کس سے کم ہو۔" سکتی تھی۔

"اب چلنا چاہئے۔" لیڈی سیتا رام بولی۔

"میں بھی کیا جلدی۔" کرل پرکاش نے کہا۔ "کچھ دیر چل کر میرے کمرے میں بیٹھ لے۔"

پھر چل جائیے گا..... کیوں سریندر صاحب۔" ..

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" سریندر نے کہا۔

"مطلب صاف ہے، ذرا اسے ملاحظہ فرمائیے۔" کرل پرکاش نے ایک کاغذ نکال کر اس کا طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

تینوں اٹھ کر زینوں کی طرف بڑھے۔

حمدید ان کا پیچھا کرنے کی خواہش کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ وہ اس وقت خاص طور پر کچھ کارروادہ کیا لیکن دوسرے ہی لمحہ میں کرل پرکاش کے ہاتھ میں پسول تھا۔

پرکاش کا پیچھا کرنے کا عادی ہو گیا تھا جب لیڈی سیتا رام بھی اس کے ساتھ ہوتی تھی اور اس نے آہستہ سے کہا۔ "تم غلط سمجھے۔ وقت تو سریندر بھی تھا۔ کرل پرکاش کا رقبہ۔ اس وقت ان کا پیچھا کرنے کی سب سے ٹوکرے کو گھوٹ کرنا چاہتا ہوں۔"

سریندر نے کانٹہ لوتا دیا۔ لیکن وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ لیڈی سیتارام کے پیارے ہوایاں اڑ رہی تھیں، ایسا معلوم ہوا تھا جیسے یک بیک وہ گونگی ہو گئی ہو۔ بُکھی وہ طرف دیکھتی اور کبھی کرٹل پر کاش کی طرف۔

”میں اس کانٹہ کی پوری کہانی سے اچھی طرح واقف ہوں۔“ کرٹل پر کاش نے لہاڑا ہے۔ ”میں اس کانٹہ سے بھجے تم سے بھی امید تھی..... بغیر ایک دوسرے کے کام آئے..... زندہ لا جائے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ سریندر بدقت تمام بولا۔

”خیر تم بھی پنچ ہو..... مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ ہاں اب آؤ کام کی بات کر لیں تم سے سمجھوٹہ کرنا چاہتا ہوں۔“

”کس بات کا سمجھوٹہ۔“

”ہاں اب آئے ہو سیدھی راہ پر۔“ کرٹل پر کاش میز پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

”جانتے ہو میں افریقہ سے یہاں کس لئے آیا ہوں، یہ تینوں ہار میرے ہیں میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اس ہار کی اصلی قیمت سے لیڈی اقبال بھی واقف نہیں۔ یہ ہار میری تجویز سے چڑائے گئے تھے۔ میں عرصہ تک ان کی علاش میں سرگردان رہا۔“

پتہ چلا کہ تینوں ہار اس ملک میں فروخت کئے گئے ہیں۔ میں یہاں آیا اور عرصہ تک اہم خاک چھانٹا رہا۔ آخر کار مجھے معلوم ہوئی گیا کہ تینوں ہار اسی شہر میں فروخت کئے گئے تھے۔ ایک تو میں نے حاصل کر لیا۔ باقی رہے دو ہار۔ ان کے متعلق کوئی پتہ نہیں جل سکا۔

”آجھا جی..... سیدھی طرح بتاؤ نہیں تو.....!“

”اکر میں نہ بتاؤں تو۔“

”مگر ایک کارتوں خواہ خراب ہو گا.....“ کرٹل پر کاش بولا۔ ”اس کے لمحے میں اور لرزگی محسوس ہو رہی تھی۔“

”بلاخے ہو کرٹل پر کاش کا راز معلوم کرنے والے کی سزا موت ہے۔“ کرٹل نے کہا۔

”میرا دستی کا ہاتھ بیسھہ تم لوگوں کی طرف بڑھا رہے گا۔“ کرٹل پر کاش پھر بڑھا رہے ہو تو سیدھی طرح بتادو کہ تم کون ہو۔“

لیڈی سیتارام اور سریندر کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ دونوں بے بُی سے ایک دوسرے طرف دیکھ رہے تھے۔

”جب بھی یہاں اپنے لئے خطرہ محسوس کرو، نہایت بے تکلفی کے ساتھ افریقہ آئکے ہو، مثلاً جب بھی یہاں اپنے لئے خطرہ محسوس کرو، نہایت بے تکلفی کے ساتھ افریقہ آئکے ہو، مثلاً

”کیوں..... کرٹل صاحب کیبات ہے۔“

”اڑے صاحب کیا بتاؤ۔ آج کل کے لوگوں کے جسم میں سکت نہیں اور پینے پر

میں گے تو قرابے کے قرابے صاف..... صاجزادے نے وہ اچھل کو دھوپی کر سر ہی پھوڑ بھے۔ اب انہیں ان کے گھر پھینکنے جا رہا ہوں۔ منٹ کر رہا تھا کہ زیادہ نہ پیو۔ گر کون

فجور سکرا کر سر ہلاتا ہوا اپس چلا گیا۔

”کیوں سریندر کیسی رعنی۔“ کرٹل پر کاش کار میں پیٹھ کر بولا۔

”ماتا ہوں استاد.....!“

”میں آپ کو اتنا دلیر نہیں سمجھتی تھی۔“ لیڈی سیتا رام بولی۔

”ابھی تم لوگوں نے دیکھا ہی کیا ہے..... مجھے کرٹل پر کاش کہتے ہیں۔“

کار تاریک سڑکوں پر اپنی روشنی بکھیرتی ہوئی تیزی سے سریتا رام کی کوئی کی طرف

جائے۔“ اس کا انتظام میں کروں گی۔“ لیڈی سیتا رام جلدی سے بولی۔ ”لیکن اسے، رعنی تھی۔

کس طرح لے جایا جائے گا۔“

”نہایت آسانی سے..... یہ میں کروں گا۔“ کرٹل پر کاش نے کہا اور حید پر حید کا سر پھٹ گیا تھا۔ زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ کرٹل پر کاش نے زخم صاف کر کے دی۔

”سریندر آؤ..... اسے پکڑ کر نیچے لے چلیں۔ کار تو تم لائے ہی ہو گے۔“ کرٹل

”تو کیا اسی طرح نیچے لے جائیے گا۔“ لیڈی سیتا رام جیرت سے بولی۔

”ہاں..... اسی طرح..... تم کھبراؤ نہیں..... تم ابھی مجھے نہیں جانتیں۔“

حید کو ایک طرف سے سریندر نے پکڑا اور دوسری طرف سے کرٹل پر کاش۔ سہارا دیتے ہوئے لے چلے۔

نیچے اتر کرو۔ ہاں سے گزر رہے تھے کہ فجور لپکتا ہوا ان کی طرف آیا۔

پریم کہانی

حید کو ہوش آیا تو اسے اپنے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی ہوئی معلوم ہوئی، سر لاطر دکھر رہا تھا۔ خون زیادہ بہ جانے کی وجہ سے غافت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس نے لیٹے ایٹھے اور ادھر ہاتھ پھر جلا کے۔ وہ ایک چٹائی پر پڑا تھا، تھوڑی دیر تک وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ رہا تھا میں گھوتا رہا پھر آنکھیں بند کر لیں۔ آہستہ آہستہ سارے واقعات اس کے ذہن مانچتے گئے۔ معلوم نہیں وہ اس وقت کہاں پڑا ہوا ہے۔ اس کا تو اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ نہ کہا پا سکتے ہے۔ اس نے کرٹل پر کاش کار راز معلوم کر لیا تھا۔ لہذا وہ اسے آزاد کیوں چھوڑنے

لگا۔ آخر لیڈی سیتارام غیرہ کاراز کیا تھا، جس کی طرف کرٹل پر کاش نے اشارہ کیا تھا۔ کہا۔
بر ۱
اپنے بنا دو پڑھتے تھے کہ کے اس کے سر کے نیچے رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں رکے ہوئے
رام آنکھ کے قتل کی طرف تو اشارہ نہیں تھا۔ یہ کرٹل پر کاش بھی انجھائی سنّاک آدمی معلوم
بالوں پر ڈھلک آئے۔

”تم رور عی ہو پلکی کہیں کی۔“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”میں تمہیں پانے کے لئے جدوجہد
ہے۔“ حمید کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کوئی اس کے سر پر ہجھوڑے چلا رہا ہو۔ اس پر آہستہ
پالیا۔ اب میں نہایت سکون کے ساتھ مر سکتا ہوں۔“

آہستہ غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ نہ جانے کتنا وقت گز رگیا وہ سوتا رہا۔
شہناز بچکیاں لے کر رونے لگی۔

اچاک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی کی نرم و لطیف سانس اس کے چہرے کو چھوڑی۔ ”تم مجھے اپنا دوست سمجھتی ہو۔“ حمید نے پوچھا۔
کوئی اس پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن ایسا معلوم ہوا جیسے ان:
”تم میں اسی دوستی کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ رو نہیں۔..... میں اپنے دل کو اس وقت
مر جیں بھر دی گئی ہوں۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ آنکھیں نہ کھول سکا۔ اب کسی کی نرم
انگلیاں اس کے بالوں پر آہستہ ریک ریک رہی تھیں۔

شہناز نے آنسو پوچھ ڈالے اور اپنی بچکیوں کو دبانے کی کوشش کرنے لگی۔
”حمد صاحب۔“ کسی نے آہستہ سے پکارا۔
”تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ میں شروع ہی سے تمہیں بے گناہ سمجھتا رہا ہوں۔..... جب تھرا را
وہ چوک پڑا۔ آواز جانی پہچانی معلوم ہوئی۔ اس نے پھر پکارا۔ اب کی بار حمید نے
شہناز آنکھیں کھول دیں اور انجھائی نقاہت کے باوجود بھی وہ ہر بڑا کراٹھیا۔

”گرفتاری لکھا تھا تو میں انسپکٹر شہناز سے لڑ گیا تھا۔“
”وارث گرفتاری.....!“ شہناز چوک کر بولی۔ ”وہ کس لئے۔“
شہناز نے سر ہلا دیا۔ اس کا سرخ و سپید رنگ ہلدی کی مانند پیلا ہو گیا تھا۔ آنکھوں ”تھارے غائب ہو جانے کے بعد تمہارے گھر سے ایک مشکوک خط برآمد ہوا جس
گرد حلقة پڑ گئے تھے۔ ہونتوں پر سایہ کی ہلکی سی تھہ جم گئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو جھلک، لاگرہ کی طرف سے غائب ہو جانے کی ہدایت دی گئی تھی۔“

”میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے اس قسم کے کسی خط کا علم نہیں اور نہ میرا تعلق کسی
تھے۔“
”یہ آپ کے سر میں کیا ہوا۔..... آپ کے کوٹ پر خون کے دھبے کیے ہیں۔“ شہناز ”اے ہے۔“
”اب تم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”تمہاری بے گناہی سورج کی
بی سانس میں کہ گئی۔“

”یہ ایک لمبی داستان ہے۔.....“ حمید نے کہا۔ ”مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ ابھی باس کے
میں تمہارے متعلق معلومات کرنے کیلئے بیتاب ہوں۔ تم یہاں کس طرح پہنچیں۔“

”یہ میں بعد کو بتاؤں گی۔ آپ کی حالت مجھ سے نہیں دکھی جاتی۔ میں کیا کروں۔
”میں بچھے آج تک نہ معلوم ہو سکا۔ البتہ مجھے قید کرنے والے مجھ پر مہربان ضرور
تعج.....!“ حمید نے ایک نقاہت آمیز مسکراہست کے ساتھ کہا اور پھر چٹائی پر بٹ

”اچھا تو کیا کوئی کھانا لے کر آتا ہے۔“

”نہیں..... اس سامنے والی دیوار کی جگہ میں ایک درازی کپیدا ہو جاتی ہے اور اس کھانا اندر کی طرف دھکلیں دیا جاتا ہے اور جب میں بتت اس دراز سے باہر نکال دیں، دراز خود بخوبی ہو جاتی ہے۔“

”خدا نے چاہا تو تم بہت جلد اپنے گھر میں ہو گی۔ میں نے اپنی زندگی میں ایک ہی کام لندی کیا ہے۔“
”وہ کیا.....؟“
”بھی کہ اس حادثے سے پہلے میں فریدی صاحب کو یہاں کے مختلف حالات لکھ دیئے“

”تو کیا فریدی صاحب موجود نہیں تھے۔“
”نہیں..... وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔“ حمید نے کہا اور اس کے بعد اس نے شروع سے تھوڑی بہت روشنی اندر آتی تھی۔ شخشے اس قدر دھندے تھے کہ اس کے پار کی کلکی چکر آخیر تک شہناز کو سارے واقعات بتا دیئے۔
”تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں لیڈی سیتارام کی قید میں ہوں۔“ شہناز نے حیرت کہا۔

”قطیعی!“

”لیکن آخر کیوں.....؟“ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔

”تو اس کا مطلب کیا کہ رہا ہے؟“ حمید نے کہا۔ ”دراہ تھا۔“
”وہ دراصل اپنا جرم کی دوسرے کے سر تھوپنا چاہتی تھی۔ اتفاق سے تم ہی زد میں اگیں۔“

”تو کیا لیڈی سیتارام ہی رام سنگھ کی قاتل ہیں۔“

”حالات تو یہیں کہتے ہیں۔“

”اب مجھے یہاں سے بچ نہ لٹکنے کی کوئی امید نہیں۔“

”ایسا مت سوچو..... فریدی صاحب ضرور آئیں گے اور اگر وہ نہ بھی آئے تو میری بوجوگی میں تمہیں لیکن شہناز کے اصرار پر کچھ نہ کھانا ہی پڑا۔“ شہناز نے بتتا ہو گیا۔

”آپ بہت اچھے آدمی ہیں.....!“ شہناز نے کہا۔

”بس اتنی ہی بات..... نہیں میں بہت بُرا آدمی ہوں۔“

”ہوں گے لیکن میرے لئے نہیں۔“

اب حمید نے لیٹھے ہی لیٹھے اس جگہ کا جائزہ لیتا شروع کیا۔ یہ ایک وسیع کردار طرف بڑی سی میز اور کچھ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے کی ساخت بتاری تھی کہ اسے ہے، چھت میں دو تین جگہ موٹے موٹے اور دھندے ششے لے گئے ہوئے تھے، جن کی تھوڑی بہت روشنی اندر آتی تھی۔ شخشے اس قدر دھندے تھے کہ اس کے پار کی کلکی چکر آخیر تک شہناز کو سارے واقعات بتا دیئے۔
”کیا یہ دروازہ باہر جانے کے لئے کوئی دروازہ نہیں تھا۔“ حمید دروازہ نظر آرہا تھا وہ بھی اس کمرے کے ایک کونے میں نبی ہوئی کوٹھری کا تھا۔

”کیا یہ دروازہ باہر جانے کا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں عسل خانہ ہے۔“

”تو اس کا مطلب کیا کہ رہا ہے؟“ حمید نے کہا۔ ”دراہ تھا۔“

کچھ طاقت آئے تو باہر نکلنے کی جدوجہد کی جائے۔“
استنے میں سامنے والی دیوار کی جگہ میں ایک کھلکھلے کے ساتھ دو بالشت چوڑی ہوئی جس سے ایک کشٹی جس میں ناشستہ تھا کمرے کے اندر کھکھ کا دی گئی۔ شہناز نے اٹھا۔ حمید اس دراز کو بنور دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس دراز کی باقاعدہ خلافت ہو گی۔ حمید خیالات میں اجھتارہا۔ اتنی دیر میں شہناز نے ”وپیالیاں چائے کی تیاری کیا۔“ قطعی بھوک نہیں تھی لیکن شہناز کے اصرار پر کچھ نہ کھانا ہی پڑا۔ شہناز نے بتتا ہو گیا۔

”کل نک میں بہت پریشان تھی، لیکن آج نہ جانے کیوں ایسا معلوم ہو رہا۔“
اپنے گھر ہی میں پہنچی ہوں۔“ شہناز نے کہا۔

”تو کیا واقعی تم مجھ پر بھروسہ کرتی ہو۔“

”آخ رکیوں نہ کروں۔“

”ایک بات پوچھوں..... یہ کہم نے لیڈی سیتا رام کے بیہاں کا نیوشن کیوں چھڑا کھا۔“

”مجھے ناپسند تھا۔“

”آخ رکا پسندیدگی کی وجہ۔“

”پہنچ اس حماقت پر تو عرصہ سے رو ری ہوں۔“ شہناز نے کہا۔ ”اگر کبھی آسمان دیکھنا پہ ہوا تو انشاء اللہ صحیح معنوں میں ایک شریف عورت کی طرح زندگی سر کرنے کی کوشش

”وہاں کئی بہت عی آوارہ اور او باش تم کے لوگ آنے لگتے تھے۔ اکثر وہ مجھے ہمیں لوں لگا۔“ طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ چیز مجھے ناپسند تھی۔“

”حمد پکھ اور پوچھنے کا ارادہ کریں رہا تھا کہ شہناز نے اسے روک دیا۔“

”آپ زیادہ باتیں نہ کہجئے..... سر سے بہت زیادہ خون نکل گیا ہے..... کہیں پھر پکھ آجائے۔“

ٹھے ہوئے کہا۔

”اسنے دنوں کے بعد تم میں ہو۔..... دل چاہتا ہے بس باتیں کئے جاؤ۔“

”نہیں بس آنکھ بند کہجئے..... میں سرہلا تی ہوں۔“

”حمد نے آنکھیں بند کر لیں اور وہ ہولے ہولے اس کا سر سہلانے لگی۔ حید کو اپنے میں ایک عجیب قسم کی غم آلو دز ماہٹ پھیلتی معلوم ہونے لگی۔ وہ خلوص اور پیار جس کا ہر مردا عورت سے متنبھی ہوتا ہے حید کو آج تک نہ ملا تھا۔ حید کو شہناز کے اس رویے کی میں ایک اگاث محسوں ہوئی جسے مامتا کے بعد درجہ دیا جا سکتا ہے۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسو پھر لکھ۔

”ارے..... ارے آنسو کیوں؟“

”پکھنہیں.....!“ حید نے کھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

”آپ کو میری قسم بتائیے کیا بات ہے۔“

”مجھ سے تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔“ حید نے کہا۔

”وہ کیسے؟“
”یہ تم اتنی سوچل ہوئی اور نہ یہ دن دیکھنا فضیب ہوتا۔“

”پہنچ اس حماقت پر تو عرصہ سے رو ری ہوں۔“ شہناز نے کہا۔ ”اگر کبھی آسمان دیکھنا پہ ہوا تو انشاء اللہ صحیح معنوں میں ایک شریف عورت کی طرح زندگی سر کرنے کی کوشش

”جب تک کہ ہمارے سماج کا پورا ڈھانچہ ہی نہ بدل جائے عورتوں کی آزادی کوئی معنی بیں رکھتی۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں..... اب یہ بات میری سمجھتیں بھی آگئی ہے۔“
”خیر چھوڑو ان باتوں کو..... اب بیہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہئے۔“ حید نے

”خدا خواستہ..... ایسی بات منہ سے نہ نکالے۔“

”میں تجھ کہہ رہا ہوں شہناز..... بیہاں سے فتح کر نکلنے کے لئے جلدی ہی کچھ نہ کچھ کرنا پڑے۔“

”کرنا کہ کر تھے خانے کی دیواروں کا جائزہ لینے لگا۔ وہ بڑی محنت اور جانفشاںی سے دیوار کا

”ایک حصہ ٹھوک بجا کر دیکھ رہا تھا۔ تجوڑی دیر بعد وہ پسینے پسینے ہو گیا لیکن کوئی تیجہ نہ کا۔“

”میں تجھ کہہ رہا ہوں شہناز..... بیہاں سے فتح کر نکلنے کے لئے جلدی ہی کچھ نہ کچھ کرنا پڑے۔“

”میں تجھ کہہ رہا ہوں شہناز..... بیہاں سے فتح کر نکلنے کے لئے جلدی ہی کچھ نہ کچھ کرنا پڑے۔“

”معلوم ہوتا ہے شاید مرنے کا وقت بچ جو قریب آگیا ہے۔“ حمید نے پر لیٹ گئی۔
کہا۔

شہناز کے چہرے پر ہوا سیاں اڑ رعنی تھیں، وہ مذہل ہو کر چٹائی پر لیٹ گئی۔

”کیوں..... کیا بات ہے۔“ حمید نے کہا۔

”پچھے نہیں..... یونہی چکر سا آگیا ہے۔“

”مگر او نہیں..... ضرور کوئی نہ کوئی اچھی صورت پیدا ہوگی۔“ میں اس پر لیقین رکھتا ہو
بے گناہوں کا کوئی بال بھی بیکھیں کر سکتا۔“ حمید نے کہا۔

شہناز نے کوئی جواب نہ دیا۔ حمید بیٹھا سوچتا رہا۔ دھنٹا اس کا خیال دیوار کے اس دو
طرف گیا جہاں دراڑ پیدا ہوئی تھی وہ جھک کر دیکھنے لگا۔ وہیں قریب علی فرش کی ایک ادا
اکھڑی ہوئی تھی اور خالی جگہ اتنی بھری ہوئی تھی کہ سطح فرش کے بر ابر ہو گئی تھی۔ حمید نے
اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا لیکن پھر سوچنے لگا کہ یہاں اس تجہ خانے میں اتنا گز
کہاں سے آیا کہ خالی ایسٹ کی جگہ خود بخود بھر گئی اور اگر ایسٹ نکل جانے کے بعد اس نہ
اس لئے بھری گئی ہے کہ فرش بر ابر ہو جائے تو یہ بات بالکل بے شکنی لگتی ہے۔ کیونکہ جہاں
جگہ دوسرا ایسٹ جڑی جا سکتی تھی مٹی سے اسے بھرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

حمد نے ادھر ادھر دیکھا۔ میز پر ایک چچے پڑا ہوا تھا۔ وہ اس سے مٹی کھو دنے لگا۔
مٹی نکل جانے کے بعد اچاک چچے کی سخت چیز سے ٹکرایا۔ اس نے جلدی جلدی مٹی نکلنے
کی پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔
کی۔ سخت چیز لو ہے کا ایک لٹو تھا۔ اس نے اسے گھمانے کی کوشش کی، لیکن اس میں جنم
نہ ہوئی۔ اس نے اب اسے دوسرا طرف گھمانا شروع کیا۔ ذرا سی محنت کے بعد علی لٹو گم۔
اور جہاں پر دراڑ پیدا ہوئی تھی وہاں کی دیوار کا کچھ حصہ آہستہ اور اٹھ رہا تھا۔
”شہناز یہ دیکھو.....!“ حمید خوشی میں چیخنا۔

شہناز اور حمید کھڑے تھیں ہو کر دیکھ رہے تھے۔ سامنے کی دیوار میں ایک قد آدم
نما دار ہو گیا تھا۔ چند گز کے فاصلے پر اور جانے کے لئے زینے تھے۔

دوسرा بھیانک ناج

ابھی دونوں کی جبرت رفع نہ ہوئی تھی کہ زینوں پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کرٹل

اٹ اور لیڈی سیتا رام نے زینے طے کرتے ہوئے یچھے کی طرف آہٹے تھے۔ حمید کو ایسا
لم ہوا جیسے کسی نے اسے پہاڑ پر سے زمین کی طرف لٹھ کا دیا ہو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا
کتاب کیا کرے۔ کرٹل پر کاش نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔

”بُرے چالاک ہو برخوردار.....!“ اس نے جیب سے پتوں ٹھالتے ہوئے کہا۔ ”یچھے

شہناز اور حمید ہم کر یچھے ہٹ گئے۔

”لُورِ کھا اچھے وقت پر یعنی گئے ورنہ یہ ابھی چھٹ عین دے گیا تھا۔“ کرٹل پر کاش نے
لے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”ڈار لنگ..... تم ہمیشہ ٹھیک وقت پر کام کی باقی سوچتے ہو۔“ لیڈی سیتا رام اس کے
لئے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

”تم لوگ وہاں کونے میں جا کر بیٹھو۔“ کرٹل پر کاش نے حمید اور شہناز سے کہا۔

”اگر ذرہ براہ راست کی تو یاد رکھنا یہ پتوں براغونی ہے۔“

حمد اور شہناز کو نے میں جا کر بیٹھے گئے۔

”جانی ہو رکھا ڈار لنگ یہ کون ہے۔“ پر کاش نے کہا۔

”نہیں.....!“

”سرکاری سراغ رسائیں سار جنت حمید.....!“

”اے.....!

”ہاں..... یہ مجھے صبح کو معلوم ہوا۔ کوئی بیٹا حمید صاحب اب تمہارا کیا خوش کیا جائے؟“
”کریل پر کاش..... کان کھول کر سن لو..... اگر میرا ایک بال بھی بیکا ہوا تو تم
تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا۔ چاہے تم پاتال ہی میں جا کر کیور۔ بچپو۔“ حمید نے کہا۔
”اچھا ریکھا..... بھی میں ان دونوں کا خاتمہ کئے دیتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ افریقہ
کیا رہی۔ اگر تم تیار ہو جاؤ تو میں اپنے دونوں ہار لئے بغیر ہی چلا جاؤں گا۔ تم سے زیاد
ہاروں کی قیمت نہیں ہے۔“

”مگر یہ بھی کیسے ممکن ہے۔“ لیڈی سیتارام نے کہا۔

”جو چیز تمہیں روک رہی ہے میں اسے بھی سمجھتا ہوں۔ تم اطمینان رکھو۔۔۔ میرا
سے سمجھوئے کرنا ہی پڑے گا۔“

”کیا مطلب.....!“ لیڈی سیتارام چونک کر بولی۔

”اے تم اس کا مطلب نہیں سمجھیں۔ کیا وہ کل رات والا کاغذ یاد نہیں، جو تم
سریندر کو دیا تھا۔ دیکھو..... میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارے اور سریندر کے ناجائز
آزاد نہیں سنائی دی۔“ رام سنگھ کے ہاتھ تمہارا ایک خط لگ گیا تھا، جو تم نے سریندر کو لکھا تھا، وہ آئے
لوگوں کو اسی خط کا حوالہ دیتے ہوئے دھکا کر تم سے روپیہ ایٹھتا تھا۔ آخر ایک دن سنگھ
نے اسے قتل کر دینے کا پلاٹ بنایا اور اسے قتل بھی کر دیا۔ کریل پر کاش سے کوئی بات نہیں
ہوئے پستول کی گولیاں نکال لی تھیں جب تم اوپر مجھ سے بات کر رہے تھے۔ میں کل رات ہی
کچھ گایا تھا کہ تم کوئی چال ضرور چلو گے۔ تو گویا تم اس تہہ خانے کو ہم دونوں آدمیوں کا مقبرہ
بنانا چاہتے تھے۔ خیراب بھی یہاں تین ہی لاٹیں ہوں گی۔“

لیڈی سیتارام کا چہرہ فتن ہو گیا اور وہ قمر تھر کا نبپ رہی تھی۔

”لیکن میری ریکھا..... میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں تمہاری بھنگلی
سے کوئی سروکار نہ رکھوں گا۔ محبت اندھی ہوتی ہے۔ وہ اچھائی یا برائی پکھ نہیں دیکھتی۔“
”کریل میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ اتنی براجنیوں کے باوجود بھی مجھ میں نہیں
جدبہ موجود ہے اور میں اسے صرف تمہارے ہی لئے وقف کر جکی ہوں۔ میں کیا بتائیں؟“

بجوریوں کے تحت سریندر.....!

”سریندر کے ساتھ عیاشی کرتی تھی۔“ دروازے کی طرف سے آواز آئی۔
سب کی نگاہیں اُدھر اٹھ گئیں۔ دروازے میں سریندر ہاتھ میں پستول لئے کھڑا تھا، جس
کا رخ کریل پر کاش کی طرف تھا۔

”تم دونوں یہ آرزو ہی لئے ہوئے دنیا سے چلے جاؤ گے۔“ وہ گرج کر بولا۔
کریل پر کاش نے اٹھنا چاہا۔۔۔ سریندر نے بیٹھ کر لٹو گھادیا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔
”خبردار..... اپنی جگہ سے بہنا ملت.....!“ سریندر نے چیز کر کہا۔

کریل پر کاش نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

”بچھے ہوئے..... بچھے ہوئے..... نہیں تو گوئی چلا دوں گا۔“ سریندر چیخنا۔

”چلا بھی دو میری جان۔“ کریل پر کاش رُک کر بولا۔ ”مجھے تم سے بھی اتنی ہی محبت ہے
بھی کر ریکھا سے ہے۔“

”چپ رہو..... سور کے بچے۔“ سریندر نے گرج کر کہا اور ٹریگر دبادیا۔ مگر دھماکے کی
سریندر کو دیا تھا۔ دیکھو..... میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارے اور سریندر کے ناجائز
آزاد نہیں سنائی دی۔“

کریل پر کاش نے چھر قہقہہ لگایا۔ سریندر رُک برا کر پستول کی طرف دیکھنے لگا۔

”واہ بُرخوردار..... اسی کے مل بوتے پر بہادری دکھانے چلے تھے۔ سنو بیٹا..... شر.....
ماٹھ کی لکروں میں دل کا حال پڑھ لیتا ہوں، میں نے اسی وقت تمہاری جیب میں پڑے
ہوئے پستول کی گولیاں نکال لی تھیں جب تم اوپر مجھ سے بات کر رہے تھے۔ میں کل رات ہی
کچھ گایا تھا کہ تم کوئی چال ضرور چلو گے۔ تو گویا تم اس تہہ خانے کو ہم دونوں آدمیوں کا مقبرہ
بنانا چاہتے تھے۔ خیراب بھی یہاں تین ہی لاٹیں ہوں گی۔“

کریل پر کاش نے بڑھ کر سریندر کی گردان پکڑ لی۔ سریندر بچوں کی طرح چیز رہا تھا۔ کریل
سے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

”دیکھو سریندر میں اب تم سے سمجھوئے ہی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم مجھے ریکھا کو نکال
لے وقف کر جکی ہوں۔ میں کیا بتائیں؟“

جانے میں مدد دینے کا وعدہ کرو تو تمہیں چھوڑ دوں۔“

”مجھے منکور ہے۔“ سریندر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”یوں نہیں۔“ کرٹل پس کر بولا۔ ”تم بہت بھی اکت آدمی ہو۔ تمہیں اپنا فیصلہ تبدیل کرتے دیر نہیں لگتی۔ میں کوئی اُنکی چیز چاہتا ہوں جس سے ہمیشہ تمہاری کو مجھ سے وحیتی رہے تاکہ تم بعد میں کوئی شرارت نہ کر سکو۔“

”آختم چاہتے کیا ہو.....؟“

”تم مجھے یہ لکھ کر دے دو کہ تم رام عکھے کے قاتل ہو۔ اس پر تمہارے اور ریکھا دونوں کے دستخط ہوں گے۔ تم گھبراو نہیں..... میں یہ صرف اپنے اطمینان کے لئے کر رہا ہوں۔“ سریندر کے سارے جسم سے پینہ چھوٹ پڑا۔ کبھی وہ لیڈی سیتا رام کی طرف دیکھا اور کبھی کرٹل پر کاش کی طرف۔

”میں مسودہ تیار کئے دیتا ہوں۔ تم دونوں اپنے دستخط کر دو۔“ کرٹل پر کاش نے کہا۔

”میں کیوں دستخط کروں۔“ ریکھا نے کہا۔

”ریکھا ڈار لگ۔ تم گھبرا کیوں گئی ہو۔ تمہارے دستخط سے یہ چیز اور مضبوط ہو جائے گی کیونکہ تم بطور گواہ اس پر دستخط کر دیگی۔ تبھی ہم دونوں چین سے رہ سکیں گے، ورنہ، حضرت۔“

کرٹل پر کاش نے جلدی جلدی مسودہ تیار کیا اور دستخط کے لئے سریندر کی طرف پر دیا۔ سریندر نے ماتھے کا پینہ پوچھتے ہوئے دستخط کر دیے۔ لیڈی سیتا رام نے بھی اس کی قسم کی، کرٹل پر کاش نے کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

”اب تم دونوں مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“ اس نے حید اور شہناز کی طرف دیکھ کر پھر اچاک کرٹل پر کاش نے جنگلوں کی طرح اچمل کرنا چاہتا شروع کر دیا۔ سانچہ ساتھ دہ گاتا بھی جا رہا تھا لیکن مفہوم ان کی سمجھ سے باہر تھا۔ کیونکہ زبان غیر ملکی تھی۔

وہ وحشیوں سے بہتر ہوتا جا رہا تھا۔

خوشنگوار لمحے

فریدی اور حید اپنے ڈرائیور کو روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

”ابھی تک جلد لیش نہیں آیا۔“ فریدی نے گھری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تو کیا واقعی اس کیس کی کامیابی کا ذمہ دار اسی کو بنائیں گے۔“ حید بولا۔

”میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں۔ اگر اس نے لیڈی سیتا رام کے بارے میں مجھے نہ بتایا ہاتا تو میں زندگی بھر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا اور میں نے یہ ساری دردسری محض شہناز گے لئے کول لائی۔“

”تو کیا آپ واقعی شہناز.....!“ حید بے اختیار بول پڑا۔ اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔

”تم اپنے خاصے الو ہو۔ شہناز کی تلاش مجھے محض تمہارے خیال سے تھی، تم اتنی جلدی

بدگان کیوں ہو جاتے ہو۔“

”ماف کیجئے گا..... میں سمجھا شامک۔“

”جی نہیں..... آپ براہ کرم مجھ سے پوچھئے بغیر کچھ نہ سمجھا کیجئے۔ میں اور عورت لاحول ولاقوہ۔“

”اچھا صاحب..... لاحول ولاقوہ.....!“ حمید نہیں کر بولا۔

”آؤ شہناز آؤ.....!“ فریدی دروازے کی طرف ہڑتے ہوئے بولا۔
شہناز مسکراتی ہوئی کمرے کے اندر داخل ہو رہی تھی۔

”بولو! حمید اب کیا کہتے ہو..... نہ کہہ دوں شہناز سے۔“ فریدی نے نہیں کر کہا۔
حمید بوكھلا گیا۔

”کیا بات ہے۔“ شہناز پتھری ہوئی بولی۔

”پکنہیں..... پکنہیں۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”غیر کہو شہناز کوئی نئی بات۔“ فریدی نے کہا۔

”کوئی نئی بات نہیں..... نئی باتیں تو میں آپ سے سننے آئی ہوں۔“

”ہاں اب سارے حالات بتا جائے، مجھے بھی بہت بے چیزی ہے۔“ حمید نے کہا۔
اکہیں بالکل یقین ہو جائے کہ میں وہیں گیا ہوں اس دوران میں۔ میں نے یہیں آرکچو
”حالات کوئی خاص نہیں، سوائے اس کے کہ میں نے بڑی بے دردی سے تمہارا سر نالیڈی سریتارام پر ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ وہ بہت جلد قابو میں آگئی۔ پھر میں سریتارام
دیا تھا۔“

”اس کی شکایت تو مجھے بھی ہے۔ اگر آپ ذرا سا اشارہ کر دیتے تو میں خود عما؛ از تھیں تعاقب کا موقع دینے لگا۔ تمہاری موجودگی میں ہمیشہ میں کوئی نہ کوئی ایسی حرکت
ہو جاتا۔“

”ضرور ضرور..... آپ سے یہی امید ہوتی تو اتنی قلبازیاں کھانے کی کیا ضرورت تھی؟ کہاں تھیں اور اس کے بعد سریدر اور ریکھا کی باتیں بھی سنی تھیں۔ مجھے پسلے ہی یقین تھا
”اچھا یہ بتائیے کہ وہ کافند کیا تھا، جو آپ نے سریدر کو دیا تھا اور ہار چالا۔“ سریتارام کی کوشی میں کوئی تہہ خانہ ضرور ہے اور شہناز صاحب۔ اسی میں بند ہیں اور یہ تو میں
”کیا اندازہ لگا چکا تھا کہ بے چارہ سریتارام ان واقعات سے بالکل لا علم ہے لہذا میں نے ضرورت تھی۔“

”انتاہی سمجھنے لگو تو پھر سرجنت کیوں.....“ فریدی نہیں کر بولا۔ ”اچھا شروع۔“ پاپریدہ مقام کا پہنچانے کے لئے ہار چرانے والا پلاٹ بنایا۔ یہ میں جانتا تھا کہ تم سایہ کی

”شکریہ تو مجھے تمہارا ادا کرنا چاہئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر تم میری مدد نہ کرتے تو
بپاری شہناز نہ جانے کہاں ہوتی۔“
”میں نے تو صرف زبانی مدد کی تھی، لیکن آپ نے اتنی تکلیفوں کا سامنا کر کے میرے
لئے زندگی راہ نکالی۔“

”اگر ایسا ہی ہے تو پھر شہناز کا شکریہ ادا کرو۔ نہ یہ اس طرح غائب ہوتی اور نہ میں اس
کیس میں ہاتھ دالتا۔“

”اچھا صاحب..... شہناز بہن کا بھی شکریہ۔“ جلدیش نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔
”اچھا جلدیش..... لیڈی اقبال کا ہار بھی لیتے جانا، یہ کارنامہ بھی تمہارا ہی رہیگا۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ جلدیش نے حیرت سے کہا۔
فریدی نے اُسے ہار کی چوری کے سارے واقعات بتائے۔ جلدیش کا منہ حیرت سے کھلا
بواختا۔

”لیکن میں لیڈی اقبال سے کہوں گا کیا۔“
”سیدی ہی بات ہے..... کہہ دینا کہ شاید بھاگتے وقت چور کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔“
مجھے ایک نالی میں پڑا ملا۔

”آپ کے احسانات کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔“ جلدیش نے کہا۔
”اچھا یہ تو بتاؤ کہ سنہا کا کیا حال ہے۔“

”منہ لٹکا رہتا ہے..... بات بات پر مجھ سے الجھ پڑتا ہے۔“
”خیرو ہ تو ہوتا ہی تھا.....!“ حمید نے کہا۔

چاروں چائے پینے لگے۔ کبھی کبھی حمید اور شہناز نظریں چاکر ایک دوسرے کو دیکھ لیتے
اور ایک قسم کی شرمیلی مسکراہٹ دنوں کے ہونتوں پر قص کرنے لگتی۔

ختم شد

طرح میرے پیچھے گلے رہتے ہو۔ لہذا تم آج بھی ہماری گفتگو سننے کی ضرور کوشش کرو گے
ایسا ہی ہوا بھی۔ اگر تمہیں اس بات کا پہلے سے علم ہوتا تو واقعات میں اتنی بے سانگی ہرگز
پیدا ہو سکتی۔“

”وہ تو سب کچھ ہے لیکن مجھے چکر آنے لگے ہیں..... اس کا کیا علاج ہوگا۔“ حمید
کہا۔

”اوہ اس کا علاج تو.....!“ فریدی اتنا کہہ کر شہناز کی طرف دیکھنے لگا اور شہناز نے
کرس جھکایا۔

”ہاں بھی..... اب تم نے کیا سوچا ہے۔ کیا کافی کی ملازمت جاری رکھو گی۔“ زر
نے شہناز سے کہا۔

”اب جیسی آپ رائے دیں۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں جو مجھے کوئی معقول مشورہ دے سکے
بواختا۔“

”میرے خیال سے اب ملازمت ترک کر دو۔ اس واقعے کے بعد سے تمہاری
بدناہی ہو چکی ہے۔ ہر چند کہ تم بے گناہ تھیں، لیکن اس قسم کی بدنامی کے اثرات مشکل علی
مثے ہیں۔“

”تو پھر بتائیے میں کیا کروں۔“
”میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اور حمید ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔ میرا
تو..... کیوں حمید صاحب آپ کی کیا رائے ہے۔“

حمدش رمانے کی ایلنگ کرنے لگا اور شہناز جو سچ مج شرما نہیں تھی، ضبط کرنے کے
بھی اپنی بُنگی نذر وک گکی۔

استئے میں انسپکٹر جلدیش آگیا۔ اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔
”آؤ بھی جلدیش صاحب، خوب وقت پر آئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”حید زدرا
کے لئے کہہ دو۔“

”میں آپکا شکریہ کس منہ سے ادا کروں انسپکٹر صاحب..... کہ آپ نے میرا کیہا۔“

جاسوسی دنیا نمبر 4

تجویری کا راز

پیشہ

جاسوسی دنیا کا چوتھا ناول آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا
ہے۔ اب یہ آپ کے لئے کوئی نئی چیز نہیں رہ گئی ہے۔ ہندو
پاکستان کا تقریباً ہر اردو پڑھنے والا جاسوسی دنیا سے روشناس
ہو چکا ہے اور ہر ایک کو اس کا اعتراف ہے کہ فی زمانہ دنیا کی کوئی
زبان اتنا دلچسپ لٹریچر اتنی کم قیمت پر پیش نہیں کر رہی ہے۔

آپ اس ناول کو پلاٹ اور تکنیک کے اعتبار سے سابقہ
ناولوں سے کہیں زیادہ دلچسپ پائیں گے، محیر المتعقول واقعات
دل دہلا دینے والے مناظر، جرأت و ہمت سے لمبزیز کارناٹے،
مرجحٹ حمید کی دلچسپ حرکتیں اور آپ کے ہر دلمزیز انسلکٹز فریدی

(مکمل ناول)

کا عجیب و غریب رول، آپ کے پسندیدہ جاسوس آپ کو عجیب و غریب حرکتیں کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ میرا دعویٰ ہے کہ آپ ایک بار کتاب اٹھانے کے بعد اختتام پر پہنچے بغیر کتاب ہاتھ سے نہیں رکھ سکتے۔

اس ناول میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی خون نہیں ہوا پھر بھی ایسے واقعات سے لبریز ہے کہ دلچسپی بڑھتی ہی جاتی ہے۔

بہر حال ناول آپ کے سامنے ہے آپ خود فیصلہ کیجئے کہ میں اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔

حیرت انگیز ڈاکہ

ابن صفیہ

تقریباً رات کے سارے گیارہ بجے تھے۔ سارے شہر میں خاموشی طاری تھی۔ بازار میں اداکا پان کی دوکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ شاید پان والوں کو ان گاگوں کا انتظار تھا جو سینڈ شود کیم لائٹ وقت پان خریدا کرتے ہیں۔ کبھی کبھار ایک آدھر ٹرک سنائے کا سینہ چیرتا سنان کلک پر دوڑتا نظر آ جاتا تھا۔ سردی اپنے پورے شباب پر تھی۔ سردی یعنی کی وجہ سے شہر اتنی ٹھیک سنائے سے ہم آخوش ہو گیا تھا ورنہ گرمیوں میں عموماً شاہراہوں پر تقریباً رات بھر اندر رفت رہتے ہیں مگر اس وقت یہ عالم تھا کہ شہر کے مشہور سینہ اگر وال کی کوئی شہر کے سب سے بالائی روڑ پر واقع ہونے کے باوجود بھی پراسرار آدمیوں کو اپنے اندر داخل ہونے سے نہ روک کر

یہ دوں ایک چھوٹی سی خوبصورت کار میں بیٹھ کر آئے تھے جسے وہ ٹرک کے درستے کار سے پر چھوڑ کر کوئی کی دیوار سے آ لگے تھے۔ اس دیوار کے قریب بہت زیادہ اندر ہی را تھا۔ نادروں نے چونکہ سیاہ رنگ کا لباس پہن رکھا تھا اس لئے وہ اس تاریکی میں اس طرح گم

ہے کہ سینھ اگر وال کو خبر تک نہ ہوئی۔
”سینھ جی.....!“ ایک نے آہتہ سے کہا۔
سینھ اگر وال چوک کر مرا..... اس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ ایک
زیو اور بکال لیا۔
”من سے آوازن لٹکے.....!“ زیو اور والے نے تجھمانے لجھے میں کہا۔
سینھ اگر وال کے چہرے کا رنگ اڑ گیا لیکن وہ جی کر اکر کے بولا۔
”تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔“
”ڈرو نہیں..... اگر خاموشی سے بیٹھے رہے تو ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔“ دوسرا نے کہا۔
”تم لوگوں نے یہاں آ کر غلطی کی.....!“ سینھ اگر وال نے کہا۔ ”یہاں تمہیں بچھ زیادہ
دنوں ہنسنے لگے۔
”ہم لوگ معمولی چور یا ڈاکو نہیں.....!“ دوسرا آدمی بولا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کی
لٹکڑ کہا۔ ”تم یہیں ٹھہرو۔“
وہ ایک چھوٹے سے دروازہ کی طرف بڑھا۔
”اڑھ کہاں جاتے ہو.....!“ اگر وال نے کہا۔ ”وہ میرے سونے کا کمرہ ہے۔“
”اور وہیں تم نے اپنی تجوری رکھ چھوڑی ہے۔“ دوسرا نے کہا۔
”لیکن اس کی کنجی نیچے ہے۔“ اگر وال بولا۔
”مجھے کنجی نہیں چاہئے.....!“ دوسرا نے کہا اور دروازہ کھول کر کمرے میں چلا گیا۔
ایک آدمی زیو اور لئے ہوئے بدستور سینھ اگر وال کے پاس کھڑا رہا۔
سینھ اگر وال نے کئی بار اسے دھوک دے کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہر بار پستول کی عال
الا کی کبھی سے نکل رہا۔
”دیکھو سینھ صاحب! اگر تم نے زیادہ گڑ بڑ کی تو تمہیں یہیں ختم کر دیا جائے گا۔ تم یہ نہ

ہو گئے تھے جیسے دودھ میں پانی۔ ان میں ایک زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا اور دوسرا اس کے کافلنے
پر چڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد بیٹھا ہوا آدمی آہتہ آہتہ سے اٹھنے لگا۔ اور والے نے بار
تیرہ فٹ اونچے روشنداں میں ہاتھ ڈال کر اسے معمبوٹی سے پکڑ لیا۔ دوسرا لمبے میں
روشنداں کے اوپر تھا۔ اس نے روشنداں کا شیشہ اٹھا کر اندر جھاناک۔ کمرے میں نیلے رنگ کی
وہندی روشنی والا بلب روشن تھا۔ شائد اس شخص کی قسمت یا وہ تھی کہ اسے ٹھیک روشنداں کا
نیچگی ہوئی ایک اونچی میز میں، وہ آہنگی سے اس کے اوپر اتر گیا۔
اب باہر ایک آدمی رہ گیا تھا۔ وہ آہتہ آہتہ رینگتا ہوا صدر دروازے کے قریب
پہنچا۔ صدر دروازے پر ایک بلب روشن تھا یہاں اس کی روشنی میں اس کا چھپنا محل تھا۔ لہذا
نیچے سڑک پر آ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے چھتر کے کالکانوں سے اونچے کر کے تھے اور فک
ہیٹھ چہرے پر اس طرح جھکی ہوئی تھی کہ اس کے خدوخال تاریکی میں چھپ کر رہ گئے تھے۔
تھوڑی دیر کے بعد دروازے میں ذرا سی درز ہوئی اور باہر کھڑا ہوا آدمی اور اڑھ دیکھا
تیزی سے چلتا ہوا صدر دروازے کے قریب آیا۔ صدر دروازہ کھلا اور وہ بھی دیکھتے ہی دیکھ
کوئی کے اندر تھا۔

دونوں ایک دوسرا کا ہاتھ پکڑے تاریکی، میں چھپتے چھپاتے آہتہ آہتہ آگے
رہے تھے۔ چاروں طرف تاریکی پچھلی تھی۔ ایک جگہ انہیں اوپر کی منزل میں کسی کمرے کا
دروازے کے وہندے لیشیوں میں روشنی دکھائی دی۔ یہ اندازہ لگانے کے لئے کہ وہ اس لڑ
کھاں ہیں انہوں نے تاریق روشن کی۔ یہ ایک بہت بڑا ہاں تھا جس میں بے شمار صوفی پڑ
ہوئے تھے۔ دیواروں پر قد آدم تصویریں تھیں اور فرش پر قیمتی قالین، اوپر جانے کے لئے
طرف سنگ مرمر کے زینے تھے، ہاں میں سناٹا تھا۔ وہ دونوں آہتہ آہتہ زینوں پر چڑھ
لگے، انہوں نے اس کرے میں جھاک کر دیکھا جس کے دروازوں کے لیشیوں سے روشنی
رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا ان میں سے ایک نے دروازے کو آہتہ سے کھولا۔
اگر وال دیوار کی طرف منہ کے بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ یہ دونوں اتنی آہنگی سے کرے ملا۔

سمجھنا کہ یہ مخفی دھمکی ہے۔ یہر یو اور بغیر آواز کا ہے کسی کو کافیں کان خبر نہ ہوگی، اور ہم تم
مار کر جلیے بینیں گے۔“

”وہ تو تھیک ہے لیکن تم لوگ خواہ جخک مار رہے ہو!“ سیٹھ اگر والے نے
”تجھوڑی میں دو تین ہزار سے زیادہ جھیپس نسل سکے گا۔“

”غیر..... یہ ہمارا اپنا سودا ہے، جھیپس اس سے کیا؟“

سینھ اگر والے خاموش ہو گیا لیکن اس کی آنکھیں اپنے سوتے کے کمرے کے دروازے
لی طرف لئی ہوئی تھیں۔ گھنٹہ گھر کی گھری نے بارہ بجائے، دوسرا آدمی ابھی تک اگر والے
سنے کرنے کے لئے ہی میں تھا۔ سڑک پر سینٹھ شود کیچ کر لوٹنے والوں کی آمد و رفت شروع ہوئی۔
تحتی تھوڑی دیر کے بعد دوسرا آدمی کرنے سے نکل آیا۔

”کہتے استاد کیا رہا۔“ پہلا آدمی بولا۔

”تمیک ہے.....!“ دوسرا نے کہا۔ ”لاڈ پستول اب مجھے دو اور تم سینھی کو کہتا
باندھ دو اور انکے منہ میں کپڑاٹھوں دو۔ تاکہ یہ ہمارے جاتے ہیں شورت چاپا شروع کر دیں
استاد نے چیختے ہوئے دروازہ کھول دیا اب پہلے آدمی نے بھی اپنے استاد کی تقلید شروع
پہلے آدمی نے دوسرے کے ہاتھ میں پستول دے دیا اور خود ریشم کی ٹکلی ڈوڑتے لری تھی اور وہ بھی چیخ رہا تھا۔
اگر والے کو کرسی میں جکڑنے لگا۔

”میرے منہ میں کپڑا مت ٹھونسو میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہیں چیخوں گا۔“ سینھ اُسے باہر نکل گئے۔
نے کہا۔

”سینھ جی..... اگر تم اتنے ہی ایماندار ہو تو ہمیں تکلیف کرنے کی ضرورت ”ارے وہ کار میں بیٹھ گئے..... پکڑو..... پکڑو..... وہی تو ہیں.....!“ سینھ اگر والے
ہوتی۔“ دوسرا آدمی نے کہا۔

پہلے آدمی نے اس کے منہ میں کپڑاٹھوں دیا۔
دوسرے ہال میں پیچے ہی تھے کہ بچاؤ بچاؤ، دوڑو دوڑو کی آوازیں آئیں۔ مل مکڑوں نوٹ اڑر ہے تھے۔ جمع بے تباش نوٹوں کی طرف جخک پڑا اور کار جواب اشارت
ہو گئیں۔ شاید اگر والے نے کسی طرح سے اپنے منہ سے کپڑا انکال لیا تھا اور اب وہ جانے کیلئے یہ جادہ جا۔ نظر وہیں سے غائب ہو گئی۔
رہا تھا۔ وقتاً اندر ہرے میں دو تین آدمی دوڑتے ہوئے معلوم ہوئے۔

”شاپید سینھ جی کے کمرے سے آواز آ رہی ہے۔“ ایک آواز سنائی دی۔

”ہاں چلو اور پر چلیں.....!“ دوسری آواز آئی اور زینہ پر قدموں کی آہٹ معلوم ہونے لگیں۔

”استاد اب کیا کیا جائے۔“ ایک نے کہا۔

”چلو جلدی کرو..... صدر دروازہ کی طرف۔“

”مگر شاید باہر بھی آدمی جمع ہو گئے ہیں۔“

”دوسروں نہیں..... آگے بڑھو..... میں سب تھیک کر لوں گا۔“

دوسرے تیزی سے صدر دروازہ پر پہنچے جو اندر سے بند تھا۔ باہر بھی شور سنائی دے رہا تھا۔

”شاپید لوگ دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔“

استاد نے دروازہ پر پہنچ کر چیننا شروع کر دیا۔

”ہمے مارڈا لा..... مارڈا لा..... بچاؤ بچاؤ..... بچاؤ.....!“

لوگ باہر سے دروازہ پیٹھے لگے۔

استاد نے چیختے ہوئے دروازہ کھول دیا اب پہلے آدمی نے بھی اپنے استاد کی تقلید شروع

کرنے لگا۔

لوگ ”کیا ہے..... کیا ہے.....“ کہتے ہوئے اندر گھنے لگے اور یہ دوسرے بچاؤ بچاؤ چیختے

”میرے منہ میں کپڑا مت ٹھونسو میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہیں چیخوں گا۔“ سینھ اُسے باہر نکل گئے۔

سڑک کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر دوسرے کار میں بیٹھ گئے۔

”سینھ جی..... اگر تم اتنے ہی ایماندار ہو تو ہمیں تکلیف کرنے کی ضرورت ”ارے وہ کار میں بیٹھ گئے..... پکڑو..... پکڑو..... وہی تو ہیں.....!“ سینھ اگر والے

ہوتی۔“ دوسرا آدمی نے کہا۔

پہلے آدمی نے اس کے منہ میں کپڑاٹھوں دیا۔

دوسرے ہال میں پیچے ہی تھے کہ بچاؤ بچاؤ، دوڑو دوڑو کی آوازیں آئیں۔ مل مکڑوں نوٹ اڑر ہے تھے۔ جمع بے تباش نوٹوں کی طرف جخک پڑا اور کار جواب اشارت

ہو گئیں۔ شاید اگر والے نے کسی طرح سے اپنے منہ سے کپڑا انکال لیا تھا اور اب وہ جانے کیلئے یہ جادہ جا۔ نظر وہیں سے غائب ہو گئی۔

رہا تھا۔ وقتاً اندر ہرے میں دو تین آدمی دوڑتے ہوئے معلوم ہوئے۔

نئی الجھنیں

لگتی۔ دونوں آگروال نے جب یہ دیکھا تو وہ بھی چور، چور چلاتے ہوئے دروازے کی طرف چلا۔ اسی حالت میں انہوں نے صدر دروازہ کھولا اور باہر نکل گئے۔ باہر نکلتے وقت انہوں نے چنان شروع کر دیا۔ ابرے مارڈا لالا، ابرے مارڈا لالا..... لوگ سمجھے کہ شاکر وہ بھی اسی کوٹھی کے رہنے والے ہیں لیکن اگروال کے چلانے پر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور وہ بدمعاشوں کی بڑی طرف بڑھے ہی تھے کہ ان دونوں نے دو تین ہزار روپوں کے نوٹ مجھ کی طرف پھینک دیے، لوگ دونوں کی طرف پلٹے اور وہ دونوں کار اسٹارٹ کر کے چلتے۔

”بھی بہت خوب.....!“ فریدی بے تحاشہ بنتے ہوئے بولا۔ ”وہ چاہے جو کچھ بھی رہے ہوں لیکن میں ان کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا بھی کمال کر دیا۔“

”بھی نہیں اور سننے.....!“ جملش نے کہا۔ ”اڑھر وہ لوگ فرار ہوئے اور ادھر کسی نے پہنچے سے اگروال پر پستول سے حملہ کر دیا۔ فائر گھر کے اندر سے ہوا تھا، گولی داہنے بازو کو چھید گئی۔ خربیت یہ ہوئی کہ بڑی پر کوئی ضرب نہیں آئی وہ اس وقت ہبتال میں ہیں۔“

”تو یہ فائز ان دونوں کے فرار ہو جانے کے بعد ہوا تھا۔“

”جی ہاں.....!“

”اچھا تھوڑی تو بالکل صاف ہو گئی ہو گئی سینھ صاحب کی۔“

”یہی تو تجب کی بات ہے کہ ان لوگوں نے تھوڑی میں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”سینھ اگروال کا بیان ہے کہ تھوڑی کی ساری چیزیں جوں کی توں موجود ہیں اور کرے سے کوئی اور چیز بھی چوری نہیں ہوئی۔“

”تب تو یہ کیس واقعی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔“

”بہت دلچسپ.....!“ جملش نے کہا۔

”خیر بھی اب تو چائے کا وقت بھی ہو گیا۔“ فریدی نے کہا۔ ”حید چائے منگواؤ۔ تو ہتر نے کیا کیا۔“ فریدی نے جملش سے پوچھا۔

دوسرے دن صبح جب سار جنت حید اور اسپکٹر فریدی سیر کے لئے جانے کی تیاری کر تھے تو کرنے سب اسپکٹر جملش کا ملا جاتی کارڈ لا کر دیا۔

”مجھے افسوس ہے اسپکٹر صاحب کرنیں ناوقت مغل ہوا۔“ جملش نے اندر دائل ہوا ”آؤ..... آؤ بھی کوئی بات نہیں۔“ فریدی نے سکنا کر کھا۔

”خربیت تو ہے آپ۔ کچھ بد حواس سے نظر آ رہے ہیں۔“ حید نے کہا۔

”خربیت کہاں حید بھائی.....!“ جملش نے بیٹھنے ہے کہا۔ ”اسپکٹر صاحب کا سے میرے افرنجھے بہت زیادہ سمجھنے لگے ہیں اور یہ چیزیں میرے لئے وباں جان بن گئی فریدی ہنسنے لگا۔

”آخر کھو تو کیا بات ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا عرض کروں..... رات ایک عجیب و غریب واردات ہو گئی۔ جس کی تیقش ذمہ ڈال گئی ہے اور میں جو کچھ ہوں میں ہی بہتر جانتا ہوں۔ ابھی مجھ میں اتنی صلاحیت ہے کہ کسی معمولی چوری کا سراغ لگا سکوں۔“

”خیر..... چلو آگے کہو۔“

”کل رات سینھ اگروال کے یہاں دو آدمی گھس آئے اُن میں سے ایک سینھ کے سر پر پستول تانے کھڑا رہا اور دوسرا ان کے سونے کے کمرے میں گھس گیا جہاں خوبی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے واپس آ گیا۔ دونوں نے اگروال کو کری میں کے منہ میں کپڑا اٹھوں دیا۔ وہ دونوں کمرے سے نکل کر تھوڑی بھی دور گئے ہوں گے اُن منہ سے کسی طرح کپڑا انکال لیا اور چیختے لگا۔ اس وقت سازی حصے بارہ بجے ہوں۔ ختم ہوئے تھے اسکے سرک پر بھی کافی آمد و رفت ہو گئی تھی۔ اگروال کے چیختنے پر تو ان کے گھر والے بیدار ہو گئے اور دوسرا طرف سرک ران کے صدر دروازے کے

کراچی پڑے گا۔ واردات کے متعلق سوالات کی بوچھاڑ کر دے گا کچھ دریک ناک بھروس پر زور دے گا اور پھر اٹھ کر ٹھیلے گا۔ لیکن ان سب باتوں کے خلاف اس وقت فریدی کا راویہ دیکھ کر اسی خیرت ہوئی۔ اصل موضوع کو چھوڑ کر وہ سن جانے کہاں کے بکھیرے نکال بیٹھا تھا اور اب حید اور فریدی میں بالکل بخی قسم کی باتیں چھڑ گئی تھیں۔ فریدی اسے چارہ تھا اور وہ جلا جلا کر جواب دے رہا تھا۔ جلدیش نے پھر اصل موضوع کی طرف آنے کی کوشش کی۔

”ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔“ جلدیش نے چائے کی پیالی رکھتے ہوئے کہا۔ ”فرم جرم آئے کس نیت سے تھے۔ کیا انہوں نے محض اس لئے اتنا براخطرہ مول یا تھا کہ مکان میں صرف ٹھیل کرو اپس پلے جائیں۔“

”اتی معمولی سی بات بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آئی۔“ حید نے کہا۔ ”مقدم اصل میں یہ اگر وال کو قتل کرنا تھا، جرم یقیناً دو سے زیادہ رہے ہوں گے۔ ورنے بھاگ دوڑ کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور تیرے نے سینٹھ پر گولی چلانی اور اسی ہنگامہ میں وہ بھی نکل بھاگا۔“

فریدی مسکرانے لگا۔

”کیا بچپنے کی باتیں کر رہے ہو۔“ فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔ ”اگر قتل ہی کرنا تھا تو اتنا شور چانے کی کیا ضرورت تھی ان دونوں نے جس طرح خاموشی سے سینٹھ اگر وال کو کسی ملابادہ کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھوٹ دیا تھا اسی طرح اس کا گاہکوٹ کر اسے مار بھی سکتے تھے۔“ وہ لوگ جو اتنی ذہانت کا ثبوت دے کر نکل بھاگے ہوں اتنے لغو پاٹ نہیں بناسکتے۔“

”یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہ رہے ہیں۔“ جلدیش جلدی سے بولا۔

”اصل میں جو چیز زیادہ حرمت انگیز ہے وہ یہ کہ اتنے چالاک آدمیوں نے سینٹھ کو اتنی باقیتی کے ساتھ کیوں بے بس کیا کہ وہ ان کے پیٹھ پھیرتے ہی آزار ہو کر چینخنے لگا۔“ جو لوگ اتنے ذہین ہوں کر تعاقب کرنے والوں سے چیچا چھڑانے کے لئے ان پر نوٹ بر سادیں انکی نہیں معاف رکھتے۔ رات میں جو عین چار گھنٹے سولیتا ہوں اس سے بھی جاؤں۔“

”لات نہیں کر سکتے۔“

”آئندہ یہ بات بھی سوچتا آیا تھا کہ فریدی ایسا عجیب و غریب کہا۔“

”کرتا ہی کیا..... مجھے آتا ہی کیا ہے۔ خواہ مخواہ لوگوں پر رب ڈالنے کے لئے شیشہ سے مجرم کی انگلیوں کے نشانات تلاش کرتا رہا۔ دو چار اٹھے سیدھے سوالات پیغمبر کے گمراہ والوں سے کئے۔ خود سینٹھ کا بیان لیا اور اس۔“

”خیر کوئی پریشانی کی بات نہیں..... کام کرنے ہی سے آتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ تو میں بھی سمجھتا ہوں..... مگر.....!“

”اوہ..... مگر کیا..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”لوچائے پو.....! رات بھر جا گے ہو۔ ناشتہ کر کے بھیں سورہ اور اب تو تم اپنے حلقتہ کے آفس انچارج ہو۔ تم اتنی محنت نہ کرنی چاہئے۔ اتنی جلدی ڈی۔ ایس۔ پی یا ایس۔ پی بننے کے خواب نہ دیکھو۔“

”اگر آپ اسی طرح بھج پر مہر بان رہے تو اس دن کو بھی دور نہیں سمجھتا۔“ جلدیش نے

”جلدیش صاحب..... آپ خواہ مخواہ غلط بھی میں پڑے ہوئے ہیں۔“ حید نے کہا۔

”شخص خود آج تک چیف انسپکٹر نہ ہو سکا وہ کیا کسی کو ترقی دلا سکے گا۔“

”شاید تم اس لئے کہ رہے ہو کہ آج تک سارجنٹ ہی رہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”میں آپ کے اس خیال کی تردید نہیں کر سکتا.....!“ حید نے جواب دیا۔

”حید تم آج انسپکٹر ہو سکتے ہو لیکن یہ سمجھ لو کہ پھر ہم تم ایک جگہ نہ رہ سکسے گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اچھا یہ بتاؤ تمہیں انسپکٹری عزیز ہے یا فریدی۔“

”اب میں کیا عرض کروں..... خود ہی سمجھ بیجھ۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں چاپلوں واقع ہوا ہوں۔“

فریدی اور جلدیش ہنسنے لگے۔

”اچھا تو پھر انسپکٹر بننا ہی دیا جائے۔“

”خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔“

یہاں آتے وقت جلدیش راستہ بھریے سوچتا آیا تھا کہ فریدی ایسا عجیب و غریب کہا۔

”خیر کچھ سکی..... آپ کی مدد کے بغیر یہ گاڑی چلتی نظر نہیں آتی۔“
”میں پہلے ہی کہہ چکا کہ تمہاری مدد ضرور کروں گا۔ مگر اس سلسلہ میں کوئی ایسا اقدام نہیں
رکھا جس سے تمہاری اس شہرت کو دھکا لگے جو تم نے رام سنگھ وائے کیس میں حاصل کی ہے۔“
”اچھا تو پھر اب میں چلوں۔“ جنکلیش نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”وزرا اس نوٹ کا نمبر تو مجھے لکھوا دو۔“ فریدی نے الماری پر سے نوٹ بک اٹھاتے
ہے کہا۔ جنکلیش نے نوٹ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ نمبر لکھ کر فریدی نے وہ نوٹ اسے پھر
کھینچتے ہوئے واپس کر دیا کہ تم بینک مت جانا، ورنہ خواہ خواہ اپنی ناجربہ کاری کی وجہ سے کام
اب کر دو گے۔ جنکلیش کے چلے جانے کے بعد وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

”کہنے کیا خیال ہے۔“ حمید نے سکرا کر کہا۔
فریدی بھی بے اختیار مسکرا پڑا۔

”تمیری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر گولی کس نے چلائی۔“ فریدی نے کہا۔
”بیوی تو سوچنے کی بات ہے۔“ حمید بولا۔ ”لیکن آخر یہ آپ کو سوچی کیا تھی۔“

”ہر بات اگر تمہاری سمجھ میں آنے لگے تو بات ہی کیا رہ گئی۔“ فریدی نے کہا۔
”آپ نے یہ بھی نہ سوچا کہ اگر پکڑ لئے گئے تو کیا حشر ہو گا۔“

”برخوردار دوہزار روپے کا خون اس لئے نہیں کیا تھا کہ پکڑ لئے جائیں۔“
مگر عین وقت پر آپ کو سوچی خوب..... میرے تو تھا میر پھول گئے تھے۔

”میں وقت پر نہیں سوچی..... میں اس کے لئے پہلے ہی سے تیار ہو کر گیا تھا۔ ورنہ یونہی
ثانیہ دوہزار کے پیڑل جیب میں لئے پھرنے کی کیا تک ہے۔“

”بہر حال خدا کا شکر ہے کہ بخیر و خوبی نکل آئے۔“ حمید نے کہا۔

”اور یہ سارا ہمارا مغضّ تمہاری وجہ سے ہوا، میں نے تو تم سے اسے باندھنے کیلئے کہہ کرخت
کیا صورت ہو گی۔ رام سنگھ وائے کیس کی اور بات تھی معاملہ کسی نہ کسی طرح نبھ جائے گا۔
دوسریاں پیش آ سکتی ہیں اور پھر اگر کسی طرح بھائٹا پھوٹ گیا تو تمہاری بڑی بھند ہو گی۔“
”اس کا باپ تو واقعی آواز نہ نکالتا۔ لیکن خدا را یہ بتائیے کہ آخر آپ نے یہ سب کس

”یہاں کون سی ایسی بات ہے جو سوچنے والی نہیں ہے۔“ ”حید بولا۔
”ہاں یہ تو بتاؤ۔“ فریدی نے جنکلیش سے کہا۔ ” مجرموں نے جو نوٹ پھیکھ کر خدا
سے کوئی نوٹ تھیں بھی بھی دستیاب ہوا۔“

”میں ہاں..... ایک سور و پے کا نوٹ ہے!“ جنکلیش نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا
نکالتے ہوئے کہا۔ ”یہ نوٹ ایک پان والے کو ملا تھا جس کی دوکان سیمہ اگر وال کی کوئی
قریب ہی ہے۔“ فریدی نوٹ لے کر دیکھا رہا۔

”اس پر امپریل بینک کی مہر پڑی ہوئی ہے۔“ فریدی بولا۔
”میرا ارادہ ہو رہا ہے کہ اس نوٹ کو لے کر امپریل بینک جاؤں۔“ جنکلیش نے کہا
”بہت ممکن ہے کہ یہ اب سے ایک ماں قتل وہاں سے ایشو کیا گیا ہو۔ اس طرح
چنانچال ہے۔“

”پھر آخر بتائیے کہ میں کیا کروں۔“ جنکلیش نے کہا۔
”دھیرج دھیرج.....!“ فریدی پس کر بولا۔ ”آخر تی جلدی کیوں ہے۔ اس
معنوی قسم کی وارداتوں میں مہینوں خاک چھاننی پڑتی ہے۔“

”تم ایک ہی دن میں تاج محل کیوں تیغ کرڈا تنا چاہتے ہو۔“
”اچھا تو صاحب..... اب میں جا کر سوتا ہوں۔ یہ کیس میرے بس کاروگ نہیں
بھی نہیں کہہ سکتا کہ اپنی ناہلی کا ثبوت دوں، اگر آپ نے مجھے حلقة کا آفیسر انچارج بنایا
جناں میں پھنسوایا ہے تو آپ ہی اسے بھی سنبھالئے۔“

”بھی میں تمہاری مدد کے لئے ہر وقت تیار ہوں.....!“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن
کیا صورت ہو گی۔ رام سنگھ وائے کیس کی اور بات تھی معاملہ کسی نہ کسی طرح نبھ جائے گا۔
دوسریاں پیش آ سکتی ہیں اور پھر اگر کسی طرح بھائٹا پھوٹ گیا تو تمہاری بڑی بھند ہو گی۔
میں تمہیں ہر قسم کے مشورے دینے کے لئے تیار ہوں۔“

پروردہ کے نوٹ بھی رہنے دیجئے تھے حالانکہ مجھے یہ فرم کرنا چاہئے تھا۔ پینک سے سو پرے کے نوٹ نمبر لکھے بغیر ایشوں نہیں کئے جاتے۔ اگر جلکدیش نے اس کے متعلق چھان میں بیع کر دی ہوتی تو بڑی مشکل آپری۔ میں نے پرسوں میں پینک سے پروردہ میگوائے تھے۔

ہمید ہے کہ میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے وہ خود پینک نہ جائے گا۔

”اگر یہی بات تھی تو پھر آپ نے وہ نوٹ اسے واپس کیوں کردیا۔“

”گہراوں نہیں..... وہ پھر میرے پاس واپس آجائے گا۔“ فریدی نے کہا۔

”وہ کیسے.....؟“

”نہایت آسانی سے..... میں نے جو پروگرام اس وقت بنایا ہے اس پر عمل کئے بغیر کام پلے گا لیکن اس کے لئے خصوصاً تمہیں ہست سے کام لینا پڑے گا۔“

”آپ پھر گول مول باتیں کرنے لگے۔“

”اچھا تو خیر سنو..... اب ہمیں متواتر کئی دنوں تک مختلف مقامات پر اپنی رات والی تدریبانی پڑے گی۔“

”ارے واہ..... ارے واہ..... واہ.....!“

”لیں نکل گئی جان.....!“ فریدی نے کہا۔ ”اس کا ذمہ میں لیتا ہوں کہ تم پکڑے نہ

لو گے۔“

”میں کہتا ہوں آخ رآپ کو ہو کیا گیا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”بھی تمہیں اس سے کیا بحث..... اگر میرا ساتھ دے سکتے ہو تو خیر، میں زبردستی مجبور نہ ادا گا۔“

”میری جان عجیب مصیبت میں پڑ گئی۔“ حمید بولا۔

”میں اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ اگر تم انکار کرنا چاہو تو بخوبی کر سکتے ہو۔ مجھے لاکر لمال نہ ہو گا۔“

”خیر جہاں آپ وہاں میں..... لیکن اتنا تو بتا دیجئے کہ آپ کے بیان کے مطابق جب

لئے کیا تھا۔“

”ابھی نہیں..... جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اگر وال پر گولی کس نے چالائی تھی، تم

پچھے نہ بتاؤں گا۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس وقت تک اختلاج میں بٹلا رہوں۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں، تم اس دوران میں خیرہ مردار یہ اور عرق میک استعمال کر سکتے ہو۔“ فریدی نے

کربولا۔

”اچھا یہی بتا دیجئے کہ آپ نے اس تجھی سے کیا چیز نکالی تھی جس کا اسے بھی علم نہیں۔“

”کمال کیا تم نے اسے علم کیوں نہیں..... وہ اچھی طرح جاتا ہے۔ لیکن بتانے کی ہر

نہیں کر سکتا۔“

”چلنے اب تو آپ نے اور بھی المجادیا۔“ حمید نے کہا۔ ”آخر آپ مجھ سے یہ راز کیا

چھپا رہے ہیں جبکہ میں آپ کا شریک کا رہ گی ہوں۔“

”بات دراصل یہ ہے کہ اگر میں تمہیں بتاؤں تو اس معاملہ میں تمہاری ساری دلچسپی ہو جائے گی اور تم اچھی طرح کام نہ کر سکو گے۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی دلچسپی ختم ہونے دوں گا۔“ حمید نے کہا۔

”دلچسپی لینا یا نہ لینا اپنے بن کی بات نہیں۔ جتنی زیادہ جو چیز ہماری نظروں سے پڑے رہتی ہے اتنا ہی ہم اسے بے نقاب کرنے کے خواہش مند رہتے ہیں اور اس کے ظاہر ہو جائے۔“

”کے بعد خود بخود ہماری دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔“

”بہر حال تو آپ نہیں بتائیں گے۔“ حمید نے بے دلی سے کہا۔

”ارادہ تو یہی ہے اور ساتھ ہی یہ امید بھی ہے کہ تم براہنہ ماںو گے۔“

”اس پر غور کروں گا کہ برماںوں یا نانے ماںوں!“ حمید نے کہا۔ ”اچھا یہی بتا دیجئے

آخ رآپ نے جلکدیش سے نوٹ کا نمبر کیوں لیا ہے۔“

”ہاں یہ بتا سکتا ہوں، مجھ سے ایک بڑی حماقت ہوئی۔ وہ یہ کہ میں نے ان بندوقاں

کل رات آپ کو کامیابی ہو گئی تو پھر اب اوہ را بڑھ لے گا جو ان ساتھ ہوں گا جا ہے آپ وہ کام غلط رہے ہوں یا صحیح۔ کہنا تو صرف اتنا ہے کہ جب قانون کے محافظتی قانون ملنگی پر آمادہ باشیں تو پھر اور وہ کام اللہ ہی مالک ہے۔“

اس بات کو میں شائد تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ فریدی نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔ ”لیکن کسی مشکل میں پھنس جائیں۔“

”لیکن اس طرح وہ نوٹ ہمیں کیسے مل سکے گا۔“

”جب ہم لوگ اسی طرح کی دو تین عجیب و غریب وارداتیں اور کر گذریں گے تو یہ ہائے۔ لیکن میں ابھی تمہیں اس راستے آگاہ نہیں کر سکتا۔“

خواہ مخواہ سول پولیس کے ہاتھ سے نکل کر ہم تک آئے گا۔ کیا یہ عجیب بات نہ ہو گی کہ وہ ذکر مقصود لوگوں کے گھروں میں گھس کر تجویزیں کا جائزہ لیتے پھرتے ہیں۔“

”سوچا تو آپ نے خوب ہے۔ لیکن.....!“

”دیکھو میاں صاف بات..... لیکن وہیں کامیاب نہیں۔ جو کچھ میں کرنے جا رہا۔“

اسے متعلق میں نے پہلے ہوا سے بہت کچھ سوچ رکھا ہے اور اب تو صرف ہمت کی بات ہے۔

”خیر صاحب! جیسا بھی کچھ ہو گا دیکھا جائے گا لیکن اتنا تو آپ بھی سمجھتے ہوں گے۔“

شوروں کے بعد بھاگ نکلنے والی ترکیب تو اب کام نہ دے گی کیونکہ اس وقت

لیکن کوئی چیز غائب نہ ہو اور تجویزیں کو کھولنے والے صاف قیف نکل جائیں۔ اور یہ بھی اس کی شہرت سارے شہر میں ہو گئی۔ اس لئے اب لوگوں کو چکر نہ دیا جا سکے گا۔“

”یہ ضروری نہیں کہ میں وہی پرانی لکیر پیٹار ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اویں تو اب

لیا۔ آن بھی وہ دیر سے بیٹھا فریدی کا دماغ چاٹ رہا تھا۔

اب آپ ہی تائیے کر میں کیا کروں۔ بڑی بد نتیجی ہو رہی ہے میری۔“ جملہ نے کہا۔

”اچھا بھی تم پریشان کیوں ہوتے ہو۔ آج میرا ارادہ ہے کہ رات میں تمہارے حلقوں کا تیزی سے کام شروع کر دیتا ہے۔“

”بھلا اس حقیقت سے کس کافر کو انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن.....!“

”پھر وہی لیکن.....!“ فریدی نے جھلا کر کہا۔ ”آخ تمہیں لیکن کا خط کیوں ہو گیا۔“

”اویں کیا آپ ہم لوگوں کے ساتھ گشت سمجھ جاؤ۔“ میں تو بار بار تم سے کہ رہا ہوں کہ اگر تمہاری ہمت نہ پڑتی ہو تو صاف انکار کر دو۔ میں اکیا

یہ کام کر لوں گا۔“

”آپ کی بات میں آپ جائیں..... یا جانے خدا..... میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔“

”اپنی بساط کے مطابق کافی سمجھ لیتے ہوئے میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میرے بعد تم ہی میری بلگہ لو گے۔“

”اچھا تو اب مجھے بھی گھٹا شروع کر دیا۔“ حمید نے فس کر کہا۔

”غیر چھوڑو ان باتوں کو۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ بتاؤ آج کہاں ہاتھ مارا جائے گا۔“

”لکھ اب پیچھا بھی چھوڑیے۔“

”پیچھا تو اس وقت تک نہیں چھوٹ سکا جب تک کہ یہ کس میرے ہاتھ میں نہ آجائے۔“

”اس بار شاید ان گدوں نے بھی قسم کھارکی ہے کہ معاملہ ہم تک نہ پہنچنے دیں گے۔“

شرارت نہ ہو۔ کیونکہ میرا اتنا جلد ترقی کر جانا ہر ایک کو لکھ رہا ہے۔ کیا ممکن نہیں کہ جید نے کہا۔

”کب تک..... کسی دن کوئی ایسی حرکت کر نہیں گا کہ معاملہ خود بخوبی ملتا ہوا ہم تک چلا۔“

”تم نے بات تو بہت معقول سوچی ہے۔“ فریدی نے فس کر کہا۔

”تو کیا کوئی نیا گل کھلانے کا ارادہ ہے۔“

”یقیناً..... اگر دو دن کے اندر اندر یہ کس میرے پر دنیں ہوتا تو مجبوراً مجھے لکھ لگے ہیں۔“

”بھی ہاں بھی تو بات ہے اور بھی وجہ ہے کہ انکا ہاتھ لگانا کچھ دشوار سامنہ ہو رہا۔“ صاحب کے بلکل میں بھی گھٹا پڑے گا۔

”اس دن مجھے معاف ہی رکھئے گا۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”واہ بیٹا..... بڑے اچھے رہے۔ جب امتحان کا وقت آیا تو جان نکل گئی۔ تھی تو دیکھی جائے گی تھماری بہادری۔“

”اے آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ میں کوئی بچ تو ہوں نہیں کہ معاملات کو نہیں

”لاخول ولا قوۃ.....!“ حمید نے کہا۔ ”کتنی بار آپ کو یقین دلا چکا ہوں کہ میں انہیں بدل ہوں گے۔ آپ کچھ ساعت نہیں کرتے۔“

”میں جانتا ہوں کہ تم مذاق کرتے ہو۔“

”میں نہیں..... آپ اس طرح مت جان لیا کیجھ۔ میں انہیں بزدل واقع ہوا ہوں۔“

”اچھا کو اس بند، آج سینھ کرم چند کے بیان..... کیا کیجھ۔“

اتنے دنوں سک خاک کیوں چھانی پڑی۔ میں تھا گشت کروں گا۔ میں نے ان بھائے کو ”اللہ تعالیٰ پر“ میں مرتب کر لیا ہے۔“

”تو اچھی بات ہے۔ میں اب مطمئن ہو گیا ہوں ممکن ہے رات میں کہاں آپ ملاقات ہو جائے کیونکہ آج کل میں بھی رات بھر مارا پھرتا ہوں۔“ جلدیش نے کہا۔

”بات ہی ایسی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور یہ عجیب بات ہے کہ یہ ساری وارا تمہارے ہی طبقے میں ہو رہی ہیں۔“

”یہی تو بڑی حیرت کی بات ہے۔“ جلدیش نے کہا۔ ”نه جانے ان دونوں کو کیوں کیوں اتنی پر خاش ہو گئی ہے۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ کہیں یہ ہمارے ہی محلہ کے کسی ازا

شرارت نہ ہو۔ کیونکہ میرا اتنا جلد ترقی کر جانا ہر ایک کو لکھ رہا ہے۔ کیا ممکن نہیں کہ میں سے کوئی میری بدنای کے لئے کوشش ہو۔“

”تم نے بات تو بہت معقول سوچی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”بہت ممکن ہے کہ میں آئے گا۔“ فریدی نے فس کر کہا۔

”تو کیا کوئی نیا گل کھلانے کا ارادہ ہے۔“

”کفرمت کرو.....! ہاتھ تو وہ اس طرح لگیں گے کہ بس دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔“

بار پھر کہہ دیتا ہوں کہ راز داری شرط ہے۔“

”اے آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ میں کوئی بچ تو ہوں نہیں کہ معاملات کو نہیں آپ مطمئن رہئے کسی کو کافی کافی خبر نہ ہونے پائے گی، اچھا تو اب میں اجازت چاہوں جلدیش کے چلے جانے کے بعد فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

”خوب یہ تو فیnar ہے ہیں آپ بیچارے کو.....!“ حمید نے کہا۔

”یہ تو فیnar نہیں بیارہا ہوں بلکہ میں اس کے لئے ترقی کے دروازے کھولنے کا کر رہا ہوں۔“

”تو اور کیا..... اس طرح لوگوں کے گھروں میں گھٹتے چھرنے کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“
”بہت خوب..... یعنی دریافت ہے۔ کیا کہتا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”آپ چاہے جتنا بنا میں مجھے تواب یقین آگیا ہے کہ یہ آپ کی کچھ بھوئی جنی زندگی
”اس سے کچھ ہوتا ہی نہیں..... ارے اس سے یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات گول گل یہ کی ایجاد ہے۔“ حمید بنجیدگی سے بولا۔

”ذیکر میاں حمید تم ابھی صاحب زادے ہو۔“ فریدی پھنس کر بولا۔ ”تم اس طرح کی
ہنگوکر کے مجھ سے میرا راز نہیں اگلو سکتے۔ یہ ساری باتیں تمہیں اسی وقت معلوم ہو سکیں گی
”اچھا اچھا ہر ہے دیجھے..... آج میں اکیلے ہی جاؤں گا۔“

”مارڈا لالا.....!“ حمید بوكلا کر بولا۔ ”آج یقیناً کچھ میں جائیں گے۔ ارے اس کی لگل
تو کتوالی کے قریب ہی ہے۔“

”ہو گی.....!“ فریدی نے کہا۔ ”اس سے کیا ہوتا ہے۔“

”اس سے کچھ ہوتا ہی نہیں..... ارے اس سے یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات گول گل یہ کی ایجاد ہے۔“
جانے کا خطرہ ہوتا ہے، کچھ کر بند کر دیجئے جانے کا احتمال رہتا ہے..... اور.....!“

”اچھا اچھا ہر ہے دیجھے..... آج میں اکیلے ہی جاؤں گا۔“

”خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے.....!“ حمید نے کہا۔

”اچھا تو کیا واقعی آپ اسے حق سمجھے..... بزرگوار اس پھر میں نہ رہنا۔ تم تو کیا تمہارا
مکھیاں بھی چلیں گی۔“

”اور اگر تم اس راز کو معلوم کرنے کے لئے اتنے ہی بے چین ہو تو پھر تمہیں دعی کرنا
”آپ شوق سے میری مکھیوں کو اپنے ہمراہ لے جاسکتے ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ پانچ جو میں کھوں۔“

لیکن مجھے معاف ہی کر دیجھے تو زیادہ بہتر ہے۔“

”بہت اچھا..... دیکھا جائے گا۔“ فریدی نے جھنگلا کر کہا اور آنکھیں بند کر کے آرام
کری پر لیٹ گیا۔

”حید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ دھڑا دھڑا مگر انے لگا اس کے چہرے پر شرات کے آنار پا
ہو گئے تھے۔“

”لیجھے..... آپ تو پھر نا راض ہو گئے۔ میں کب کہتا ہوں کہ میں آپ کا ساتھ نہ دوں گا۔“
”اچھی بات ہے تو اسی بات پر اب تیاری شروع کر دو۔ اس وقت پانچ بجے ہیں۔ تھیک
”میرے خیال سے تو آج بھی وہیں چلا چاہئے جہاں کل گئے تھے۔“ حمید بولا۔

”یہ نیا خیال آپ کے ذہن میں کیسے پیدا ہوا۔“ فریدی نے بدستور آنکھیں بند کی
”میں ہاں..... ہرے رنگ کا پاپا شکر دیا ہے۔“

”وہ جو ہاں سوری ہی کیا چیز تھی..... خدا کی قسم.....!“ حمید نے کہا۔

”اچھا ہی.....!“ فریدی نے آنکھیں کھول دیں۔

”کیوں..... کیا آپ کو پسند نہیں آئی۔“

”تو کیا میں وہاں اسی کو پسند کرنے گیا تھا۔“

”تراؤ نہیں..... البتہ کچھ ضرور بحثتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”آؤ ذرا چل کر اسے دیکھ لیں۔“
فریدی اور حمید کمرے سے نکل کر گیراج کی طرف آئے۔ حمید نے گیراج کا تالا کھولا۔ یہ

”اوہ تو یہ کہو کہ تم آج فلم سہاگ رات دیکھنا چاہتی ہو۔“ فریدی نے کہا۔
 ”میں ہاں.....!“
 ”تو جا کر دیکھ آؤ، اچھی فلم ہے۔“
 ”میں کیلئے دیکھ آؤں، کیا آپ لوگ نہ چلیں گے۔“
 ”نہیں بھائی..... ابھی دو تین دن تک ہم لوگ بہت زیادہ مشغول رہیں گے۔“ فریدی
 ”اچھا میں ابھی آتا ہوں۔“

زیری ہاہر چلا گیا۔

شہناز اس طرح منہ پھلانے بیٹھی ہوئی تھی جیسے وہ حیدر سے روٹھی ہوئی ہو۔
 ”یکوں کیا بات ہے، کیا مجھ سے ناراض ہو۔“ حیدر نے کہا۔

”میں کون ہوتی ہوں ناراض ہونگوںی، بھلا اپنے گھننوں سے کوئی ناراض بھی ہوتا ہے۔“
 ”پھر وہی بات، آختم مجھے اتنا ستائی کیوں ہو۔“

”یہ لمحہ..... یہ دوسرا ریسی، میں ہوتی کون ہوں ستائے والی۔“
 ”آخمن نے کیا کیا ہے جو اس طرح کی باتیں کر رہی ہو۔“

”میری باتیں اسی طرح رہی گئی ہیں آپ کو، اچھا جیسے چلی جاتی ہوں۔“

”اے بھی بیٹھو..... ارے میں نے کیا کہہ دیا جو اس طرح ناراض ہوتی ہو۔ ارے
 چھوٹو سمجھی۔“

”نہیں صاحب..... میں واقعی بڑی بے حیا ہوں کہ خواہ خواہ آپ کے پیچھے گئی ہوں۔“

”خدا کے لئے بتاؤ تو سمجھی کہ میرا کیا قصور ہے۔ خواہ خواہ اس طرح سے بگرنے کی کیا
 اس ہے۔“

”میری تو ہر بات اسی طرح خواہ خواہ کی ہوتی ہے۔“

”ویکھو میں اپنا سر پھوڑ لوں گا۔“

”نہیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں، میں انشاء اللہ بھی آپ سے نہ ٹلوں گی۔“

گیراج ہمیشہ بند رہتا تھا۔ اس میں ایک چھوٹی سی کارچی ہے فریدی مخصوص موقعوں پر استعمال
 کرتا تھا۔ اس کے بہت سے ملنے والوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ فریدی کے پاس دو کاروں
 ہیں۔ ملازمین میں سے صرف ڈرائیور کو اس کا علم تھا لیکن اسے بھی آج تک اس کار کو چالانے کا
 اتفاق نہ ہوا تھا۔ شہر میں ہونے والی وارداتوں کے سلسلہ میں آج تک فریدی کی اوور حیدر اسی کا ر
 استعمال کر رہے تھے۔ روزانہ اس کے اوپر ایک نیارنگ پھر دیا جایا کرتا تھا۔ یہ خدمت حیدر کے
 پسروں تھی۔ وہ کسی نہ کسی طرح اسے الائسید ہالیپ پوت کر کر کہ دیا کرتا تھا۔

دونوں نے گیراج میں جا کر کار کا جائزہ لیا اور پاپر ٹکل آئے۔

”ارے یہ اس وقت..... یہ محترمہ کھاں سے ٹکپ پڑیں۔“ فریدی نے چاٹک کی طرف
 دیکھتے ہوئے کہا۔

حیدر نے بھی پٹک کر دیکھا، شہناز بیرونی چاٹک سے اندر آ رہی تھی۔

”کیوں کیا آپ کو اس کا آنا گراں گزرتا ہے۔“ حیدر نے کہا۔

”نمیں بھی۔ اس وقت کی بات ہے، معلوم نہیں کتنی دریک بیٹھے، ساڑھے نو تو ہوئی
 چکے ہیں۔“ فریدی بولا۔

”خیر شکر ہے کہ آپ لوگ ملے تو.....!“ شہناز قریب آ کر بولی۔ ”میں کل بھی آتی تھی۔“

”کیا بتائیں آج کل ہم لوگ بہت بُری طرح مشغول رہتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”چلو اندر چلو۔“

وہ تیوں ڈرائیونگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔

”میں اس لئے آتی ہوں کہ آج سہاگ رات کا آخری دن ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“ فریدی شرات آمیز بھی کے ساتھ بولا۔

شہناز اپنے جملہ کی حماقت پر جھینپ گئی۔

”میرا مطلب یہ ہے کہ کل پلازا میں دوسرا فلم لگ جائے گی۔“ شہناز جھینپ ہوئے ادا
 میں بولی۔

ہل کر سہیں وہ پکڑنے لئے جائیں، سینہ اگر وال کے یہاں جب وہ گھے تھے تو بہت سے نوٹ
اٹ کر چلے گئے، عجیب و غریب لوگ ہیں۔“

”لوگ انہیں برا بھلا تو ضرور کہتے ہوں گے۔“ حمید ہلا۔

”نہیں یہ بات نہیں، لوگ تو ان کی دلیری کی تعریف کرتے ہیں۔“

یہ بھی عجیب بات ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”اگر کبھی ہم لوگوں کے تھے چڑھ گئے تو ہم بے
لئے گولی چلا دیں گے۔“

”آخ رخ یہ کیوں..... انہوں نے کسی کو کوئی نقصان تو پہنچایا نہیں۔“

”یہی کیا کم نقصان ہے کہ آج کل لوگ رات رات بھروسہ نہیں۔“ فریدی نے کمرے

میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”اچھا ان لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔“ شہناز نے فریدی سے پوچھا۔

”یہی کہ وہ لوگ پولیس کو اس چکر میں ڈال کر کوئی بڑی واردات کرنا چاہتے ہیں۔“

فریدی نے بتایا۔

”آپ کا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے، بہت سے لوگوں کا بھی خیال ہے۔“ شہناز نے تائید کی۔

”ہاں یوں بات کرو، بات یہ ہے کہ آج ہل ایک خاص مسئلہ درجیش ہے۔ شہر میں جو روا

ہو رہی ہیں اسکے متعلق تو تم سن ہی چکی ہو گی، آج کل رات بھروسہ لوگوں کو گشت کرنا پڑتا ہے۔“

”واقعی یہ وارداتیں عجیب ہیں، سارے شہر میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ میں نے تو آنا

ندرے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔“ خیر پھر کسی لیکن تم آج جا کر سہاگ رات دیکھ آؤ۔“

”مجھے کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ آپ سے باقیں کر کے آپ کا سر پھوڑواڑاں کوں۔“

”خدا کی قسم میں ہار گیا، لو بولتا ہوں..... گکڑوں کوں، گکڑوں کوں.....“

”ارے ارے چپ رہئے۔ فریدی صاحب کیا کہتیں گے۔“ شہناز صہب ار پولی۔

”نہیں صاحب..... میں تو بولوں گا..... گکڑوں کوں.....!“

”خدا کے لئے چپ رہئے، یا آپ کیا کرنے لگے۔“

”فریدی صاحب پوچھیں گے تو کہہ دوں گا کہ تم اس وقت مجھ سے صرف مرغ کیا

سننے کے لئے آئی تھیں... گکڑوں کوں..... گکڑوں کوں.....!“

”خدا کے لئے چپ رہئے..... یا آپ کیا کرنے لگے۔“

”اچھا وعدہ کرو کہ اب میں یہی باقیں کرو گی۔ ورنہ میں یونہی چیخے جاؤں گا۔“

”اچھا بابا..... میں ہار گئی لیکن یہ بتائیے کہ آپ دو تین دن سے آئے کیوں نہیں،“

میرے ساتھ فلم دیکھنے کے لئے کیوں نہیں چلتے۔“

”ہاں یوں بات کرو، بات یہ ہے کہ آج ہل ایک خاص مسئلہ درجیش ہے۔ شہر میں جو روا

ہو رہی ہیں اسکے متعلق تو تم سن ہی چکی ہو گی، آج کل رات بھروسہ لوگوں کو گشت کرنا پڑتا ہے۔“

”واقعی یہ وارداتیں عجیب ہیں، سارے شہر میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ میں نے تو آنا

اس قسم کی وارداتیں نہیں سنیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ڈاکو گکڑوں میں کیوں گستے پہنچتے

جب کرو وہاں سے کوئی چیز نہیں جاتے۔“

”یہی تو حیرت کی بات ہے.....!“ حمید پلکنیں جھپکاتے ہوئے بولا۔“ اس معالہ

فریدی صاحب جیسا مشاق جاسوس بھی حیران ہے۔“

”لوگوں کا خیال ہے کہ ڈاکوؤں کو کسی خاص چیز کی تلاش ہے۔“ شہناز بولی۔

”ہم لوگ بھی یہی سوچ رہے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”اوور یہ بھی عجیب بات ہے کہ یہ ڈاکو نہ تو کسی پر حملہ کرتے ہیں اور نہ اس کے

جھاڑیوں میں

رات تاریک تھی۔ فضائیں سیاہیاں اڑ رہی تھیں۔ وقت کا دیوتا شائد اس وقت کرہ زہری

سے دیا کی طرف جماں کر رہا تھا۔ سردی ہڑیوں میں گھستی معلوم ہو رہی تھی۔ شاید اس وقت

انہوں کے خواب تک مجھ دھوکہ کر رہے گئے ہوں گے۔

”بیا بات ہے.....!“ لاری سے کسی نے اوپنچی آواز میں پوچھا۔

”تم آدمی دوڑ کر لاری کے قریب گئے اور کچھ کہتے رہے۔

لاری سے آٹھ دل سپاہی اور ایک سب انپکڑ اتر پڑے۔

ب انپکڑ چاہک میں کھڑے ہو کر سپاہیوں سے بولا۔ ”وہ دیکھو وہاں کارکسی کھڑی

کیا یہی شہ صاحب کی تو نہیں۔“

”میں سرکار..... ہماری سب گاڑیاں گیراج میں ہیں۔“

انپکڑ نے تاریج کی روشنی میں کارکا جائزہ لینا شروع کیا۔

”مگر یہ تو ہرے رنگ کی ہے۔ ڈاکوؤں کی کارتو سیاہ رنگ کی سنی جاتی ہے۔ رجم خان تم

کراس کامبر تو دیکھو۔“

”یہ جدیش معلوم ہوتا ہے، تو یہ چھنے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”خاموش رہو.....!“ فریدی بولا۔

جبلش کتے کی لاش پر جھکا ہوا تھا۔

”ابیں بھی کسی نے اس پر گولی چالی ہے۔“ جبلش نے پاس کھڑے ہوئے آدمیوں کی

وہ شاید کوئی کے ملازموں کے نام لے کر چھنچ رہا تھا۔ پھر وہ چختا ہوا کوئی آزاد نہیں سنی۔“

”اُج شاید ہے کہ نکل چلنے، ورنہ بڑی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔“ حمید نے

کفرانے کی آواز سنی تھی لیکن گولی کی آواز مجھے نہیں سنائی دی۔“

”داروغہ جی..... گاڑی کا نمبر وہ معلوم نہیں ہوتا.....!“ اس آدمی نے لوٹ کر کہا جو

انبرد میخنے گیا تھا۔

جبلش نے کاشیبلوں کو باغ کے اندر بلالیا۔

اسنے میں تاریک برآمدے کے سارے بلب روشن ہو گئے اور باغ میں کافی ابجالا ہو گیا۔

”فُرور کوئی نہ کوئی نہیں چھپا ہوا ہے۔ آٹھ لالا کرو۔“

”یہ بہت بُرا ہوا.....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”اچھا آؤ..... اب چہار دیواری کو

گھنٹہ گھرنے دو بجا تے اور سیٹھ کرم چند کے پائیں باغ کے چاہک کے سامنے ایک چھوٹی سی ہرے رنگ کی کار آ کر کی۔ فریدی اور حمید سیاہ رنگ کے کپڑوں میں ملبوس غایل سے اپنے چہرے چھپائے اتر کر چاہک کے اندر داخل ہوئے۔ ڈھٹا غراہٹ کی آواز شائکی اور ایک بڑا سا کتا ان پر جھپٹ پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ فریدی کے سائلر لگے ہوئے پہنچ کی دو گولیوں نے اسے ہیش کے لئے خاموش کر دیا۔ کتے کی غراہٹ کی وجہ سے شائک کی چوکیدار اوٹھتے اوٹھتے چونک پڑا تھا۔

”ٹائیگر، ٹائیگر.....!“ اس نے کتے کو آواز دی۔

بھوکنکی کی آواز نہ پا کر دہ کھانتا ہکھانتا چاہک کی طرف بڑھا۔

”میرے خیال سے اب بھاگنا چاہئے۔“ حمید نے چنکے سے کہا۔

”ہشت..... میرے چھپے آؤ۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور ماتی کی گھنی جہاڑیوں میں

چھپ گیا۔ حمید اس کے چھپے تھا۔

چوکیدار نے تاریج روشن کی اور ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔

”اُرے یہ ٹائیگر کو کیا ہو گیا۔“ وہ خود ہی بڑھا یا۔ ”اُرے خون! اسے کس نے مارا۔“ اب

وہ شاید کوئی کے ملازموں کے نام لے کر چھنچ رہا تھا۔ پھر وہ چختا ہوا کوئی کی طرف بھاگ۔

”اُب بھی غیمت ہے کہ نکل چلنے، ورنہ بڑی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔“ حمید نے

آہستہ سے کہا۔

”یہی تو بہترین موقع ہے گھر میں داخل ہونے کا۔“ فریدی نے کہا۔

”آج شاید پکڑے ہی جائیں گے۔“ حمید بولا۔

”بکومت.....!“

”فُرور کوئی نہ کوئی نہیں چھپا ہوا ہے۔ آٹھ لالا کرو۔“

”خاصا شور و غل شروع ہو گیا تھا۔ ڈھٹا غراہٹ پولیس کی لاری چاہک کے سامنے آ کر کی۔“

چلانگنا کوئی مشکل کام نہیں۔ قل اس کے کر حیم خان کا رنگ پیچے ہیں اس پر پیچ جانا چاہیے۔ ”جمید نے کہا۔

چار دیواری مالتی کی باڑ سے بالکل ملی ہوئی تھی اور جھاڑیوں سے پیچی تھی۔ اس لے دنوں بغیر کسی کی نظر پرے ہوئے باہر نکل گئے۔

حیم خان کا رکھنا کار کا دروازہ کھول کر اندر قدم رکھنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی کا زور دار گھر کی بائیں کٹھی پر پڑا۔ حیم خان کے منہ سے چین نکل گئی اور وہ اچھل کر سڑک کے کنارے اور پھر تم تیزی سے آگے بڑھ جاتا۔

جاگرا۔ دوسرا لمبے لمحے میں کار اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ جکلیش وغیرہ حیم خان کی چین سن کر چکرے ”اں سے کیا ہو گا۔“ ”جمید نے کہا۔

تھے کہ کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ سب شور مچاتے ہوئے دوڑے گرد کار اتی ”میں پولیس کی لاری روک کر تمہیں نکل جانے کا موقع دوں گا۔“ راستہ تو تم نے دیکھا ہی میں سینکڑوں گزر آگے جا چکی تھی۔

”چلو چلو..... جلدی لاری میں بیٹھو۔“ جکلیش چیختا ہوا لاری کی طرف چھپتا۔ بدھوای ”جمید خاموش رہا۔

لوگوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ ان کا ایک ساتھی سڑک کے کنارے بیٹھوں پڑا ہے۔ پولیس ”رفتار دھیمی کرو.....!“ فریدی نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ”لاری نظر نہیں لاری کا رکھنا تھا۔“

”دیکھا آپ نے..... میں نہ کہتا تھا۔“ ”جمید نے ہاتھتے ہوئے کہا۔

”تم تو اچھے خا سے چند ہو، یہ نہیں دیکھتے کہ مزہ کتنا آیا۔“ فریدی فس کر بولا۔

”گھبرا یے نہیں، ابھی اور آئے گا مزہ..... آج خدا ہی عزت رکھتے تو معلوم ہے، پہلی جھاڑیوں کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی پولیس کی لاری دکھائی دی اس نے اپنے نالے اسی طرف فائر کرنے شروع کر دیے جدھر جمید کی کار گئی تھی۔

”ذور نہیں چیٹا..... وہ لوگ ہماری گرد کو بھی نہ پاسکیں گے.....!“ فریدی نے کہا۔

”دیکھتے نہیں کہ وہ ہم سے کسی قدر چیچے ہیں۔ بن تم رفتار بڑھاتے رہو۔“

”اور جو ایکسٹر ہو جائے تو۔“ ”جمید نے کہا۔

”اس کی پرواہ تم مت کرو۔ اس وقت ایکسٹر کا کوئی امکان نہیں اور پھر ہم تو جگلا۔“ ”جکلیش جکلیش.....!“ فریدی چینا۔ ”دوڑو..... ورنہ یہ۔“ وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ کسی طرف جاری ہے ہیں۔

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ اسی طرح اندر ہادھن بھاگتے رہیں گے اور وہا پولیس والے جھاڑیوں کے اندر گھس پڑے۔ جھاڑیوں میں عجیب قسم کا خلفشار برپا تھا۔“

ہمارا چیچا کرتے رہیں گے۔ جب ہماری گاڑی کا پڑوں ختم ہو جائے گا تو ہم دھر لئے جا کر اسیں رویا اور وہاں کی چنگاریاں چکنے لگیں۔

”بھی اب اس کا تذکرہ مت کرو۔ جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔ تم میں سے کسی سے اتنا ہی نہ ہو سکا کہ گولی چلا کر لاری کا ایک آدھ تاریخی برست کر دیتا۔“ جملش نے کہا۔

حیرت

دوسرے دن صبح کتوالی میں ایس پی کے کمرے میں چیف اسپکٹری آئی ڈی، سار جنت پید، ایس پی اور اسپکٹر جملش بیٹھے جادلہ خیال کر رہے تھے، میز پر وہی رات والی خون آلود ہیئت رکھی ہوئی تھی۔

”جمید تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ فلٹ ہیئت فریدی کی ہے؟“ چیف اسپکٹر نے کہا۔

”اے صاحب! مجھ سے زیادہ اسے کون پہچانے گا۔ دیکھئے اس کے اندر جو سانپ کا سر ہوا ہے یہ فریدی صاحب نے میرے ہی سامنے فاؤنڈشن پن سے بنا�ا تھا۔“

”آخراں ہوں نے یہ بنا�ا ہی کیوں تھا۔“ ایس پی بولا۔

”یونکی بیٹھے باقی کر رہے تھے فاؤنڈشن پن ہاتھ میں تھا۔ ٹوپی گود میں رکھی تھی، باقی پڑی ہوئی میں جس پرتاہ خون کے دھبے تھے۔“ جملش الٹ پلٹ غور سے دیکھنے لگا۔

”کیا بتاؤں.....!“ چیف اسپکٹر نے کہا۔ ”میں نے سینکڑوں بار سمجھایا کہ خواہ تنوہ ہر طالب حیرت کی بات ہے کہ آخفریدی صاحب کیا ہو گے۔“ میں نے انکی صاف آواز پھالی۔

”لئی کیا حشر ہو۔“

”اے صاحب کیا بتاؤں ساری غلطی میری اپنی ہے۔ نہ میں ان سے دوستانہ طور پر مدد کا طالب ہوتا اور نہ وہ اس مصیبت میں مبتلا ہوتے۔“ جملش نے گلوکیرا آواز میں کہا۔

”جید کے چہرے پر ہو ایساں اڑ رعنی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔“ اور صاحب ایسے ڈاک تو آج تک میری نظر وہ سے نہیں گزرے۔“ ایس پی بولا۔

پولیس پارٹی نے بھی فائروں کا جواب دینا شروع کر دیا۔ تھوڑی در بعد جاگرف سرمن فائر ہونے بند ہو گئے۔ اب پولیس والے آہستہ آہستہ آگے کی طرف ریکٹ رہے تھے۔ فقط موڑ اشارت ہونے کی آواز سنائی دی۔ پولیس والے اٹھ کر سڑک کی مار بھاگے۔ پولیس کی لاری اندر ہیری سڑک پر روشنی بکھیرتی ہوئی آگے کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔ ”لو یونی مصیبت آئی۔“ جملش جلا کر ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ”مجنہ، زبردست چوٹ دے گئے۔ اب تم سب لوگ اپنی فون کریوں کو روپیٹ لو..... لاری گل۔“ ”تو سرکار اس میں ہمارا کیا تصور ہے۔ کی ایک کی ڈیوٹی موڑ پر لگادی ہوئی۔“ کاشیل نے کہا۔

”ہاں ہاں اب محضی پر تو سارا الزام آئے گا۔“ جملش نے کہا۔ ”مگر آخفریدی ماں کیا ہو گئے۔ میں نے ان کی آواز صاف پہچانی تھی، آؤ انہیں تلاش کریں۔“

”اور صاحب لاری کا کیا ہو گا۔“ ایک کاشیل بولا۔

”ہو گا کیا..... اور اب ہوئی کیا سکتا ہے۔ تن پر تقدیر بیٹھو، جو کچھ ہو گا دیکھا جائے۔“ وہ سب دوبارہ تار چوں کی روشنی میں جھاڑیوں میں کھس پڑے۔ قرب و جوار کا چھان مارا مگر کسی کا کوئی سراغ نہ ملا۔ جہاں فریدی کھڑا تھا وہاں انہیں ایک فلٹ ہیٹا پڑی ہوئی میں جس پرتاہ خون کے دھبے تھے۔ جملش الٹ پلٹ غور سے دیکھنے لگا۔

”چلو یہ ایک کام کی چیز ہے..... شاید اسی سے کوئی سراغ نہ ہے۔“ جملش نے کہا۔ ”بڑی حیرت کی بات ہے کہ آخفریدی صاحب کیا ہو گے۔“ میں نے انکی صاف آواز پھالی۔ ”حضور آپ کو دھوکا ہوا ہو گا.....!“ ایک کاشیل بولا۔

”ناممکن..... میرے کان مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاک انہیں کے گئے، معلوم نہیں بے چارے پر کیا افادہ پڑی۔“

”ہو گا سرکار..... مجھے تو لاری کی فلر کھائے جا رہی ہے۔ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔“ کاشیل نے کہا۔

”ابھی تک، پھر اسے نہیں آ سکا کہ آخر وہ چاہتے کیا ہیں۔ حیرت تو اس پر ہے کہ لاری بھی یہاں چھوڑ گئے، بلا کے دلیر واقع ہوئے ہیں۔“

”اسی چیز نے تو فریدی کو خچالا نہ پیٹھنے دیا، بھلا اس سے اتنا صبر کہاں ہو سکتا تھا کہ باقاعدہ طور پر یہ کیس اپنے ہاتھ میں آنے کا انتظار کرتا۔“ چیف اسپکٹر نے کہا۔

”کچھ بھی ہو، مجھے تو برا دکھ ہو رہا ہے.....!“ ایں پی بولا۔ ”وہ سارے صوبہ میں تو کہاں ہندوستان میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اگر خدا نخواستے اسے کچھ ہو گیا تو یہ سارے ہندوستان کے لئے ایک ناقابل علاقی نقصان ہو گا۔“

”اب میں کیا بتاؤں۔“ چیف اسپکٹر نے کہا۔ ”میرا تو داہنبا بازو ٹوٹ گیا۔ یعنی مائے ہیا متنی رکھتا ہے۔ وہ کوئی چیز ہے جسے فریدی سینہ اگروال کی تجویی سے نکال کر لایا تھا۔“

”مجھے کب بات کہنے میں کوئی ہمچکیا بہت نہیں۔ میرے ہمکہ کا بھرم اسی کے دم سے قائم تھا۔“

”اس میں کیا شک ہے۔“ ایں پی بولا۔ ”اچھا صاحب تو یہ کیس اب میں آپ کے گلے اور کہ دھندا تھا۔ آخ رسینہ اگروال نے پولیس کو دھوکے میں کیوں رکھا ہے۔ جبکہ حقیقت کوئی

کے پرداز کرتا ہوں اب یہ ہمارے بس کاروگ نہیں رہا۔“

”خبر اب میں چلوں گا،“ وقت میرا مودودی ٹھیک نہیں۔ چیف اسپکٹر اٹھتے ہوئے بولا۔ آفس کا وقت ہو گیا تھا۔ حید نے کھانا کھا کر کپڑے بدلتے اور کاغذات جیب میں رکھ کر آپ کیس کے سارے کاغذات سار جنٹ حید کے حوالے کر دیجئے۔ بہت جلد تفیض شرمنا ل جانے کے لئے باہر نکلا۔ فریدی کی بڑی کارکی دن سے خراب تھی۔ اس لئے آج کل بس کرادوں گا۔ یا بہت ممکن ہے کہ خود میں اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لوں۔ کونکہ فریدی کا اس بیوک آفس جانا پڑتا تھا۔ وہ چوراہے تک پیدل آیا اور انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد طرح غائب ہو جانا میرے لئے بہت تکلیف دہے۔“

چیف اسپکٹر کے پلے جانے کے بعد حید نے کاغذات لئے اور وفتر جانے کی بجائے آفس پہنچ کر وہ سید حاچیف اسپکٹر کے کمرے میں گیا۔ وہ کچھ لکھ رہا تھا۔ حید کو دیکھ کر سید حاگھر آیا۔ سب سے پہلے اسے وہ کام انجام دیا تھا جس کے لئے اتنی دردسری مول لیا گیا۔ جو کاشاڑہ کر کے پھر لکھنے لگا۔

”تھی۔ سورو پے کا نوٹ انہی کاغذات میں تھی تھا اس نے وہ نوٹ نکال کر اس کی جگہ دہرا۔“ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بات ہے۔“ چیف اسپکٹر قلم رکھ کر کری کی پشت سے نیک نوٹ نصی کر دیا۔ لیکن اب زحمت یہ آپڑی تھی کہ نوٹ کا وہ نمبر کس طرح متایا جائے جو جکلٹا لائے ہوئے بولا۔

”نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا۔ حید تھوڑی دریک کچھ سوچا رہا پھر اس طرح چونکا جیسے اے کہ“ ”کیا عرض کروں.....!“ حید نے کہا۔ پاد آگیا ہو۔ وہ انھا اور فریدی کے عجائب کے کمرے سے ایک شیشی نکال لایا، جس میں بڑی ”کیا تم اس سے پہلے سے واقع تھے کہ فریدی جکلش کے کہنے پر اس کی تفیض رنگ کی کوئی سیال شے تھی۔ یہ ایک سیاہی اڑانے کا نارو نایاب لوشن تھا، جسے فریدی نے الگ الگ چیف اسپکٹر نے کہا۔

”میں نہیں..... میرے خیال سے تو انہوں نے اسے تالے کے کچھ یونی سے
دیے تھے۔“

”مگر جلدیش تو کہتا ہے کہ فریدی نے اسے موقع واردات پر آواز دی تھی۔“

”ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو لیکن یہ بات میرے علم میں نہیں۔“

”اچھا وہ کاغذات لائے ہو۔“

”جی ہاں.....!“ حمید نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ لیکن یہکہ اس
چہرے پر مردنی چھا گئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یکے بعد دیگرے وہ اپنی ساری جیبوں کی
لے رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر پینے کی بوندیں ابھر آئیں۔

”کیوں کیا بات ہے۔“ چیف انپکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

”مم..... مم..... معلوم..... ہوتا ہے گلکھ..... کسی نے جیب سے نکال لیا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”جی ہاں! میں نے اسی جیب میں رکھے تھے۔“

”نکال کیا تم نے..... یہ جیب کبھی اس طرح کے کاموں میں استعمال ہوتی ہے
میں تو کوئی پچھہ بھی چیز نہیات آسانی سے نکال سکتا ہے۔“

”جی کیا بتاؤں..... مگر..... مگر.....!“

”اب مگر مگر کیا کر رہے ہو۔ جاؤ تلاش کرو.....!“ چیف انپکٹر تیز لہجے میں بولا۔
حمدی بوکھلا کر کمرے سے نکل آیا۔

”اوکی طرف رینگنے لگا۔ نہیں وہ چیف انپکٹر کو ٹھیک ٹھیک بتا دے گا کہ اسے یہ کاغذات بس
اور بس کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے چوراہے کے سپاہی سے اس بس کی
تفصیلات پوچھیں اور یہکی پھر چل پڑی۔ تھوڑے دیر میں اس نے بس کو جالیا۔ بس قریباً
نکل۔ بہت ممکن ہے کہ کسی یہ راز کھل ہی جائے تو وہ نہیات آسانی سے کہہ سکے گا کہ کسی نے
خالی ہو چکی صرف دو چار مسافرہ گئے تھے۔ حمید سیٹوں کے نیچے کاغذات تلاش کرنے
کا لالا بہت کچھ دور ہو گیا۔“

”آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔“ بس کندھیکٹر نے پوچھا۔

”بھی میری جیب میں کچھ کاغذات تھے جو غالباً اسی بس میں نکل گئے۔“

”کیا کوئی لفافہ تھا۔“

”جی ہاں..... سرخ رنگ کا بڑا لفافہ۔“

”یہ لجئے.....!“ بس کندھیکٹر نے اپنے چہرے کے تھیلے سے ایک لفافہ نکالتے ہوئے

”ایک صاحب نے مجھے دیا تھا۔“

حمدی نے سب سے پہلے کاغذات نکال کر دیکھے پھر یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ سب
رات موجود ہیں، اس نے بس کندھیکٹر سے اس آدمی کے متعلق دریافت کیا جس نے اسے
دیا تھا۔

”اس کی شکل صورت تو مجھے یاد نہیں البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ کسی اچھی سوسائٹی کا آدمی تھا۔“

”اس نے کیا کہ کر یہ لفافہ آپ کو دیا تھا۔“

”یہی کہ شاید کسی کا اگر گیا ہے، آپ اسے احتیاطاً اپنے پاس رکھئے!“ کندھیکٹر نے کہا۔

خوفناک وہماکے

پیدنے جو تے کو ایک اخبار کے نگرے میں لپیٹ کر کار میں رکھ دیا۔
میرے خیال سے تو یہاں کسی قسم کا سراغ ملنا مشکل ہی ہے۔“ حمید نے کہا۔

تو پڑاب کیا کیا جائے۔“ جلدیش بولا۔

سینہ آگر وال اور وہ دوسرے لوگ جن کے یہاں وارداتیں ہو چکی ہیں ان سے ملتا
”چیف انسپکٹر نے کہا۔

نیوں دن بھر ادھر ادھر مارے مارے پھرتے رہے لیکن کوئی خاص بات نہ معلوم ہو سکی۔
وال کی تجویری کا حمید نے خاص طور سے جائزہ لیا اس نے سینہ آگر وال سے بہت
حوالات کئے۔

کیوں سینہ صاحب ڈاکوؤں کے فرار ہونے کے بعد آپ نے اپنی تجویری اچھی طرح
ہائے۔“ حمید نے پوچھا۔ ”تجویری آپ نے بند پائی تھی یا کھلی۔“

”کھلی.....!“

”لیکن کوئی چیز گئی نہیں تھی۔“

”نہیں۔“

”ختیرت کی بات ہے۔“ چیف نے کہا۔

”اچھا یہ بتائیے کیا؟ ڈاکوؤں نے تجویری کی کنجی آپ سے حاصل کی تھی۔“

”نہیں۔“

”تالا توڑا تھا۔“

”یہی نہیں۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے آپ کی تجویری کنجی سے کھوئی تھی۔“

”اب اس کے تعلق میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“

”بہت ممکن ہے۔“ حمید نے چیف انسپکٹر سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”ڈاکوؤں نے کوئی ایسی

الا ہوجس کا اظہار خود سینہ صاحب کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔“

آفس پہنچ کر اس نے کافی تے چیف انسپکٹر کے حوالہ کر دیے اور خود اپنی میرے پاؤں
تھوڑی دیر بعد چیف انسپکٹر کے کمرے میں اس کی طلبی ہوئی۔

”کہو بھی..... پھر تم نے اب کیا سوچا۔“ چیف انسپکٹر نے کہا۔

”کیا عرض کروں، میری تو عقل ہی جواب دے چکی ہے۔“

”بات ہی ایسی ہے۔“ چیف انسپکٹر نے کہا۔ ”میرے خیال سے تو چلو پہلے موقعہ“
تک ہو آئیں اس کے بعد سینہ آگر وال کے یہاں چلیں گے۔“

”بہتر ہے.....!“

چیف انسپکٹر نے جلدیش کوفون کیا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ پندرہ میں منت بودھ
پہنچ گیا اور پھر تینوں موقعہ واردات کی طرف روانہ ہو گئے۔

”جی ہاں، کار رکاوے..... بس بھی وہ مقام ہے۔“ جلدیش نے کہا۔

کار رکی اور تینوں جہازیوں کے قریب اتر پڑے، چیف انسپکٹر بہت غور سے زمین
ایک ایک حصہ کا جائزہ لے رہا تھا۔

”ارے یہ جوتا کیما.....!“ چیف انسپکٹر نے جہازیوں میں سے ایک جوتا کا لے
کہا۔ حمید چوک پڑا۔

”یہ بھی فریدی صاحب کا ہے۔“ حمید نے بے ساختہ کہا۔

”عجیب معاملہ ہے۔ اس پر بھی خون کے دھبے ہیں، خدا خیر کرے۔“ چیف انسپکٹر
پریشانی کے لجر میں کہا۔

”صاحب میرا خیال تو ہے کہ شاید وہ مصلحت غائب ہو گئے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”جب وہ کوئی زیادہ خطرناک کام کرتے ہیں تو اسی طرح غائب ہو جاتے ہیں، مگر
ہے کہ مجھے بھی اس کی اطلاع نہیں ہونے پاتی۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔“ چیف انسپکٹر نے کہا۔ ”میں اسے اپنے بیٹوں کی طرح
رکھتا ہوں۔“

اگر وال اس جملہ پر بوکھلا گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کے چہرے کی ساری لفڑیں جید ایک لمحہ تک کھڑا سوچتا رہا پھر جیب سے دیا سلاٹی نکال کر ایک تلی جلانی اور اس پھین لی ہو۔

”یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔“ سینٹھ اگر والے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ”ارے.....!“ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ اس طرح چلنے لگا جیسے کسی چیز کو بجا کیا شہر میں جتنی وارداتیں ہوئی ہیں سب اسی قسم نہیں۔ شہر میں اور لوگ بھی اور ادم رکھ رہا ہو، سونچ بورڈ نزدیک ہیں تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بجلی جلا دی، وہ حیرت سے ہیں جن کے پاں ڈاکو گئے، جو ریاں کھولیں اور جوں کی توں کھلی چھوڑ کر چلنے لگے۔ ان میں کفرش کو گھور رہا تھا۔ فرش پر بے شمار چھوٹی چھوٹی گولیاں بکھری ہوئی تھیں۔ حید نے کسی نے بھی نہیں کہا کہ ان کے بیہاں سے کوئی چیز چوری ہو گئی ہے۔“

”یہ بات تو بالکل ثابت ہے۔“ چیف نے کہا۔

حید دل ہی دل میں فریدی کی ذہانت کی واہ دینے لگا۔

”شام کو تقریباً ساڑھے چھ بجے وہ گھرو اپس آیا۔ اندھیرا چیل چکا تھا، اسے یہ دیکھوئی لکھی ہوئی نظر آئی۔ دیا سلاٹی چینک کر اس نے جلدی سے بجلی جلانی اور جو ری ہو تو کروں پر سخت غصہ آیا کہ انہوں نے ابھی تک برآمدے کی بجلی نہیں جلانی تھی۔ وہ جلانا پڑا۔ اس کی دانست میں جتنی چیزیں پہلے تھیں اتنی ہی اب بھی موجود تھیں۔ وہ پریشانی میں برآمدے میں داخل ہوا۔ پہلا ہی پیر اندر رکھا تھا کہ دھماکے کی آواز سنائی دی، حید اچھل کر کیا ارگنے لگا۔ دعطاً اسے نوٹوں کے بندل پر ایک کاغذ رکھا ہوا نظر آیا۔ اسے اچھی طرح طرف ہو گیا۔ دوسرا پیر زمین پر پڑا تھا کہ بیک وقت دو دھماکے سنائی دیئے۔ حید پھر اچھلا۔ لمحہ صبح اس نے سرکاری کاغذات والا نوٹ بدلتے کے لئے جو ری کھولی تھی اس وقت پھر دھماکہ ہوا۔..... جیسے جیسے وہ برآمدے میں اچھلتا پھر رہا تھا دھماکوں کی رفتار بڑھتی جا رہی تھی۔ وال موجوں نہیں تھا۔ اس نے کافی اٹھایا اس پر انگریزی میں ٹاپ کی ہوئی تحریر تھی۔

سارے نوکر بھاگ کر ادھر ہی چلے آئے تھے اور سب حیرت سے اسے اچھلاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ ”جاہوں کے بچے ہر دھماکے کے ساتھ حید کے پیروں سے چنگاریاں لکھتی معلوم ہوتی تھیں، آخر کار وہ بولکار نیزے استاد نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔ اس وقت وہ میری قید میں ہے۔ جو چیزوں وہ برآمدے کے بیچ کو دیا۔ سارے نوکر اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔

”ابے گدھو..... تم نے برآمدے کی بجلی کیوں نہیں جلانی۔“ وہ گرج کر بولا۔

”سرکار..... ابھی بیہاں روشنی کر کے گیا ہوں!“ ایک توکر نے کہی ہوئی آواز میں بتا۔

”میرے پیچے لگنے کی سزا موت ہے۔“

”اچھا چلو جا کر بجلی جلاو۔“ حید نے کہا۔

”بیٹے اس کاغذ کو احتیاط سے ایک طرف رکھ دیا اور جو ری کا ڈھکن بند کر کے تیزی وہ ڈرتے ڈرتے برآمدے میں گیا۔ وہ سونچ کی طرف بڑھتی رہا تھا کہ اس کے پیروں سے باہر نکل گیا۔ ابھی وہ برآمدے ہی میں تھا کہ سڑک پر ایک کار اسٹارٹ ہونے کے نیچے دھماکہ ہوا اور وہ چیخ کر نیچے آیا۔

سارے نوکر گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے، حید چخنا ہی رہ گیا لیکن کسی نے پلٹ کر دی۔ ناجبلہہ میں اپنے ہاتھ میں کاٹ لیا۔ فریدی کی کار بھی گزدی پڑی تھی، چھوٹی کار

نکانے کی بہت نہ پڑی کیونکہ اس پر ابھی تک ہر ایسی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ آخ، بکھارہ سامنے
نے اسی طرف دوڑنا شروع کر دیا جو ہڑوہ کارگی تھی۔ خوش قسمتی سے تھوڑی ہی دیر پاکیزہ
لیکسی کھڑی ہوئی مل گئی۔ حمید دروازہ کھول کر اس میں بیٹھ گیا۔

”کہاں چلتے گا.....!“ ڈرائیور نے کہا۔

”ادھر کوئی چالکیشی رنگ کی کارگی ہے۔“

”جی ہاں ابھی ابھی گذری ہے۔“

”اس کا پیچھا کرو۔“

ڈرائیور نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر لیکسی استارٹ کر دی۔

تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک چالکیشی رنگ کی کار دکھائی دی۔ اس کی رفتار بہتر
ہوتی جا رہی تھی۔ حمید نے بھی لیکسی کی رفتار ناصلہ کی مناسبت سے کم کرادی۔ کار چالکے باہر
میں گھوم گئی۔ حمید کی لیکسی جیسے ہی گلی کے سامنے پہنچا اس نے چالکیشی رنگ کی کار سے
عجیب التلاقت آدمی کو اترتے دیکھا۔ حمید نے آگے بڑھ کر لیکسی کو روکایا اور کرایہ دے کر ازا
گلی میں میوپلی کی لالیشوں کی دھنڈی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کار ابھی تک وہیں کھڑا
اور اس میں سے اترنے والا آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا آگے کی طرف جا رہا تھا۔ یہ
چھپاتا اس کا تعاقب کر رہا تھا اور ابھی مشکل سے سات بجے ہوں گے لیکن گلی بالکل ن
تھی۔ کار سے اترنے والا پہنچنے لگیوں سے گذرتا ہوا جانے کہاں جا رہا تھا۔ پھر دوسرا ہ
پ آگیا، یہاں بھلی کے ققنوں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اب حمید نے غور سے دیکھا، اتنی خدا
مشکل آج تک اس کی نظریوں سے نہ گذری تھی۔

بھیانک چہرہ

اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سارے جسم میں سفناہت دوڑ گئی ہو۔ نہ جانے
کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ واپس لوٹ جائے۔ ابھی وہ اتنی تندب میں پڑا ہوا تھا کہ خدا

آدمی ایک ہوٹل میں گھس گیا۔ حمید شش و پیٹھ میں پڑ گیا کہ وہ اندر جائے یا نہ جائے۔ پھر دھنٹا
اے اپنی اس کمزوری پر غصہ آنے لگا۔ یہ کیا حماقت ہے۔ آخر خوف کی کیا وجہ ہے اور پھر اس کا
پیٹھی ایسا ہے کہ کسی وقت بھی جان خطرے میں پرستکتی ہے۔ حمید بھی ہوٹل میں داخل ہو گیا۔
ٹریب اور تباہا کو کے دھوئیں کی طبی بوسارے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں زیادہ تر متوسط
طبقہ کے ادباش لوگوں کا مجھ نظر آیا کرتا تھا شہر کے بنیام ہوٹلوں میں سے یہ بھی ایک تھا۔
یہاں آئے دن نت نتی وار داتیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن ایسا معلوم نہ تھا، پویس نے اس کی
طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔

بات دراصل یہ تھی کہ اس کا مالک سنتو ش ایک ہی اثر آدمی تھا۔ آئے دن بڑے بڑے
اندوں کی دعوئیں کیا کرتا تھا۔ اوپری سوسائٹی میں اسے کافی مقبولیت حاصل تھی۔ حمید ہوٹل کے
اندر چلا تو گیا لیکن اسے یہ سورج کراں بھجن ہونے لگی کہ وہ یہاں کرے گا کیا۔ کیونکہ یہاں آنے
والے زیادہ تر شرابی تھے۔ کوئی شریف آدمی مشکل ہی سے ادھر کارخ کرتا تھا۔

حمدی شراب نہیں پیتا تھا۔ لیکن اب تو آہی گیا تھا اور اسے پکھنہ پکھ تو کرنا ہی تھا۔ وہ ایک
خالی میز پر جا بیٹھا۔ بھیانک چہرے والا آدمی ٹھیک اس کے سامنے بیٹھے ہوا تھا۔ ایک بار اس کی
اور حمید کی نظر میں گئیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے جسم سے بر قی تاریں کر دیا
ہو۔ اس کا چہرہ انتہائی خوفناک تھا۔ موٹی سی ناک درمیان میں دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ نہ تنے
کافی چوڑے تھے جن کے گرد گھنی موج چھیس بہت زیادہ ڈراؤنی معلوم ہوتی تھیں۔ موج چھیس اتنی
مدد کے نیچے الگاروں کی طرح دکتی ہوئی آنکھیں کسی تاریک قبرستان میں جلتے ہوئے
چاخوں سے کم خوفناک نہ تھیں۔ سانس لیتے وقت اس کے نہنے پھولتے پکلتے ہوئے معلوم
ہوتے تھے۔ رخساروں پر کئی گہرے زخموں کے نشانات تھے۔ اس نے بیرے کو آواز دے کر
ٹریب مگوائی اور پوری بوتل اتنی جلدی ختم کر دی جیسے اس نے شراب کی بجائے پانی پیا ہو۔ اس
ٹریب اتنے بھوٹے پن کے ساتھ پی تھی کہ ابھی تک اس کی تھوڑی سے قطرے نہیں۔

رہے تھے۔ اس نے انہائی لاپرواں کے ساتھ ہاتھ سے منہ پونچھا اور کرسی سے بیک لٹا کر لے
بحدا ساپاپ سلگانے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا۔

..... تو یہی حضرت تھے جنہوں نے فریدی کی تجوری کھوئی تھی۔ انہائی چالاک آدمی معلوم
ہوتا ہے۔ اس نے برآمدے میں اس لئے پانچ ڈال دیے تھے کہ آنے والوں کی آہن مل
سکے۔ بالا کا مکار معلوم ہوتا ہے۔ اب حمید اسی فکر میں تھا کہ اس سے وہ چیز کس طرح حاصل کی
جائے جو اس نے فریدی کی تجوری سے نکال لی تھی۔ لیکن صبح تو اسے تجوری میں کوئی چیز نہیں
دکھائی دی تھی۔ پھر آخراں نے اس میں سے کیا نکالا۔

دفعتا حمید چونک پڑا۔ ایک بیرا انہیات خاموشی سے اس کی میز کے قریب آ گیا تھا۔

”بیسر اور مشن چاپ۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ بیرا اسے کوئی اندازی پہنچانا
مکرنا تا ہوا چلا گیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ ایک کشی میں گولڈن اینگل کی ایک بوتل اور کچھ مشن چاپ لے کر
واپس آیا۔ ”صاحب اگر کاک شیل پیس تو لاوں، ٹھاٹر کی ہے، اور ابھی تیار ہوئی ہے۔“ بیرے²
نے میز پر کشی رکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

”نہیں.....!“ حمید نے کہا اور بوتل اٹھا کر دیکھنے لگا۔ بیرے نے بوتل اس کے ہاتھ
سے لے کر کاک نکالی اور میز پر رکھ کر گلاس آگے سر کا دیا۔

”کچھ اور صاحب.....!“ اس نے جھک کر مود بانہ کہا۔

”نہیں.....!“ حمید نے کہا اور گلاس میں بیسر انٹھیںے لگا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس
نیکانٹھوں سے اس خوفناک آدمی کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کئے کری پر شم دراز تھا، حمید اپنا
گلاس بھر کر اس میں ناچھتے ہوئے بلیلوں کو بغور دیکھنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ مشن چاپ کھانے
لگا۔ گلاس جوں کا توں بھرا ہوا کھا تھا۔ پینے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

تجھوڑی دیں بعد بیرا پھر ادھر سے گذر۔

”اے بیرا.....! مل لاو۔“ حمید نے اسے روک کر کہا۔

”دیکھوں صاحب کیا قصور ہوا۔“

”نہیں بھائی..... اس میں قصور کی کیا بات ہے۔“

”ابھی تو آپ کی سب چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔“

”تعہیں اس سے کیا۔“

”بہت بہتر حضور۔“

بیرا میل لے کر واپس آیا۔ حمید نے پلیٹ میں کچھ نوٹ رکھ دیے۔ بیرا سلام کر کے چلا
ایک۔ حمید نے سگر ہٹ سلاکائی اور کرسی کی پشت سے بیک لٹا کر منہ سے دھوئیں کے دائرے
للانے کی کوشش کرنے لگا۔

بھیا کم چھرے والا یک چونک کر کا ونڈر کی طرف دیکھنے لگا جہاں ایک خوش پوش
آدمی کھڑا باری میں سے باتمیں کر رہا تھا۔ وہ بھی انھوں کا طرف چلا گیا۔ خوش پوش آدمی کے
زیب کھڑے ہو کر اس نے گر جدار آواز میں کہا۔ ”بلی.....!“

بارہ مین نے ایک بیرے کو آواز دی۔

”صاحب کا کتنا ہوا۔“ اس نے بیرے سے پوچھا۔

”سازار سے بارہ.....!“ بیرے نے کہا۔

خوفناک چھرے والا دس دس کے دونوں کاؤنٹر پر رکھ کر واپس ہونے کے لئے مردا۔

”صاحب بقیرہ روپے تو لیتے جائیے۔“ بارہ مین بولا۔

”بیقری تمہارا بخشش.....!“ خوفناک چھرے والا نے بھرا جائی ہوئی آواز میں کہا۔

ابھی وہ ہوش کے باہر قدم نہ نکالنے پا یا تھا کہ ایک توی یہیکل آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑ
لے۔ خوفناک چھرے والا نے اسے اس طرح گھوڑا جیسے کچا کھا جائے گا۔ توی یہیکل آدمی مسکرایا
اڑاں کا ہاتھ پکڑ کر لاو نخ کی طرف جانے لگا۔ بھیا کم چھرے والا انہیات سکون اور اطمینان
کا ہاتھ جا رہا تھا۔ حمید بھی انھوں کے پیچے چلا جب انہیں اندر داخل ہوئے پانچ منٹ گذر
کر تو وہ بھی لاکھڑا تا اور ہچکیاں لیتا ہوا لاو نخ میں داخل ہو گیا۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے

ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ حمید نے ایک بھوٹا سا گانا گانا شروع کر دیا۔ تو قوی ہیکل آئی نے آ کر اس کی گردن دیوچ لی۔

”کیوں ہلچا چاتا ہے۔“ اس نے کہا۔

”هم گانا گانی ہے بھائی، ہم تم کو بھی سائے گی“ حمید نے پیچکی لی اور شرابی کا پارٹ ادا کرنا شروع کیا۔

”معلوم ہوتا ہے بہت چڑھ گئی ہے۔“ اس نے کہا۔

”کہاں چڑھ گئی ہے۔“ حمید نے نیچے سے اوپر تک اپنا جسم ٹوٹ لئے ہوئے کہا۔

”واہ بیٹا.....!“ قوی ہیکل آدمی بے اختیار پس پڑا اور حمید بے سدھ ہو کر ایک صون پر گزکیا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بالکل بے ہوش ہو گیا ہو۔ لیکن ہنکیاں بدستور جاری تھیں۔

قوی ہیکل آدمی پھر بھیاں کچیرے والے کے پاس جا بیٹھا۔

”تم نے اس کامنی بیگ اڑایا تو بہت صفائی سے مگر استادوں کی نظرؤں سے کہاں چھپ سکتے ہو۔“ اس نے کہا۔

”اچھا جی.....!“ بھیاں کچیرے والہ بولا۔

”آدمی تاؤ باز معلوم ہوتے ہو۔“

”تو پھر.....!“

”نکالو.....آدھے آدھے کی رہی۔“ قوی ہیکل آدمی نے کہا۔

بھیاں کچیرے والہ نہ نہیں لگا۔

”تونہ جانے کیسی بات کر رہا ہے، تلاشی لے لے مرے یار، تجھے دھوکا ہوا ہے۔“

بھیاں کچیرے والے نے کہا۔

دوسرے آدمی نے اچھی طرح اس کی جامد تلاشی لی۔ وہ کھڑا مسکراتا رہا۔

”سچ مجھے دھوکا ہوا۔“ اس نے پیٹھ کر شرمندگی کے لبھ میں کہا۔

”احمداب دیکھ..... یہ رہا منی بیگ۔!“ بھیاں کچیرے والے نے نہ جانے کہا۔

نی بیک نکال کر اس کے چہرے کے سامنے نچاتے ہوئے کہا۔
اپا ہیک قوی ہیکل آدمی نے پستول نکال لیا۔

”خیردار..... منی بیک میرے حوالے کر دو۔ میں جاسوس ہوں۔“

”ابے جا، تیرے میںے بہت سے جاسوس دیکھے ہیں، ابھی ابھی ایک جاسوس کے پڑھے کو اوپنکا کر آرہا ہوں۔ ابے پہلے اپنی صورت تو دیکھ۔“ بھیاں کچیرے والے نے اس کا پستول والا ہاتھ پکڑ کر اس کی کپٹی پر اس زور کا گھونسہ رسید کیا کہ پستول اس کے ہاتھ میں آ گیا اور قوی ہیکل آدمی ایک ٹنکے کی طرح اچھل کر دور جا گرا۔ بھیاں کچیرے والے نے قہقہہ لگایا، پھر وہ آہستہ آہستہ اسکی طرف بڑھا۔ قوی ہیکل آدمی ابھی تک چاروں شانے چت فرش پر پڑا ہوا تھا۔
”اٹھ میرے لال!“ بھیاں کچیرے والہ چکارتا ہوا بولا۔ ”چل جنہے دودھ پلا لاؤں۔“

قوی ہیکل آدمی بھگلی بلی کی طرح چپ چاپ اٹھ بیٹھا۔
”میں نے ابھی تک یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس میں ہے کتنا۔“ بھیاں کچیرے والے نے نی بیک کھولتے ہوئے کہا۔ ”چے چ..... صرف دوسرو پے..... کوئی غریب آدمی معلوم ہوتا ہے۔ بیچارے کامنی بیک پھر اس کی جیب میں رکھ دینا چاہئے۔“

”کیوں..... واپس کیوں کرو گے۔“ قوی ہیکل آدمی بولا۔

”ابے میں کوئی معمولی چورا پکایا گرہ کٹ نہیں ہوں۔ اتنی چھوٹی چھوٹی رقمیں تو میں محل کے لوگوں کو بات دیتا ہوں۔“

”یار تم تو بڑے کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ چلو تمہیں اپنے استاد سے ملاوں۔“

”وہ بھی تیری ہی طرح لوٹا ہو گا۔“

”ہے تو لوٹا ہی، پر بڑا بھیاں کے ہے۔“

”ابے جا، کچھ تو ہے کچھ تیرا استاد ہو گا۔ اچھا چل..... اب اس کا روپیہ اس کی جیب میں ال دیں، ورنہ بیچارا مفت میں پریشان ہو گا۔“

”واقعی تم عجیب آدمی ہو۔“

”اچھا ب با تین مت بناؤ۔“ اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ وہ میرے قریب رک گیا اور اسے ایک ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ ”دیکھ لیا میرا نمودن، چیزوں کی طرح عمل کر رکھ دوں گا۔“ کہہ کر وہ لاڈنگ کے باہر چلا گیا۔ قوی ہیکل آدمی بھی اس کے ساتھ تھا۔

نتیجہ

حمد تھوڑی دیر تک اسی طرح بے سعدہ پڑا رہا۔ اس کا دل بڑی شدت سے ذہرک رہا۔ اس نے ایک اچھی خاصی حماقت کی تھی۔ تجویز میں اس نے جو تحریر پائی تھی اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ تجویز کھولنے والا اسے اچھی طرح جانتا ہے۔ ایسی صورت میں اسے بغیر بھی بد لے اس کے سامنے ہرگز نہ آنا جائے تھا۔

ایسی غیر معمولی قوت رکھنے والا آدمی آج تک اس کی نظریوں سے نہ گزر ا تھا۔ اس کو نہ کہا جائی بلکہ کرنٹ کا دچکا۔ جس نے اتنے کھم شیخم آدمی کو اتنی دور اچھال دیا تھا۔ خود اس کی پنڈلی میں جہاں اس نے ٹھوکر ماری تھی اس طرح کا درد ہورہا تھا جیسے ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ اس نے کئی بار اٹھنا چاہا لیکن ہمت نہ پڑی۔ خوف محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں پھر اس سے نہ بھیڑ ہو جائے۔ آج سے قبل اس کے دل میں کبھی اتنی بزدلی کے خیالات نہ پیدا ہوئے تھے۔

تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد وہ ہمت کر کے اٹھا، آہستہ آہستہ شرایبوں کی طرح لڑکہ را باہر نکلا۔ پنڈلی کی چوٹ لٹکڑانے پر مجبور کر رکھی تھی۔ بہر حال اس وقت حید کی حالت کسی پھو قسم کے شرابی کی سی ہو رکھی تھی۔ وہ دونوں دہانیں تھیں۔ حید سڑک پر آگیا اور جیکسی کر کے پہنچا۔ سب سے پہلے وہ تجویز والے کمرے میں گیا۔ ایک چیز ابھی تک اس کے ذہن میں پیدا نہ کی ہوئی اور وہ یہ کہ آخر تجویز میں سے کیا چیز عابث ہوئی۔

اس نے تجویز کا جائزہ لینا شروع کیا۔ نچلے خانے میں غور سے دیکھنے پر اسے ایک

ایک تپی سی دراز نظر آئی۔ وہیں قریب ایک کیل ابھری ہوئی تھی جس کا وہاں پر موجود ہوتا بظاہر کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔ حید اس پر ہلکی ہلکی انگلی پھیرنے لگا۔ بے خیال میں شائد اس کیل پر دماؤ پڑ گیا۔ دفعتاً ایک کھلا ہوا اور وہ دراز پھیلنے لگی۔ یہ ایک پوشیدہ خان تھا۔ حید نے اس میں ہاتھ ڈال دیا، وہ خالی تھا۔ حید سوچنے لگا۔ ضرور اسی خانہ سے وہ کوئی چیز لے گیا ہے۔ فریدی نے آج تک اسے اس خانہ کے متعلق نہ بتایا تھا۔ حالانکہ تجویز کی چابی عموماً اسی کے پاس رہا کرتی تھی۔ حید نے تجویز بند کر دی۔ اس کے بعد کمرے کو مغلبل کر کے کھانے کے کمرے میں آیا۔ فریدی کے اچانک غالب ہو جانے کی وجہ سے سارے ملازم پر بیشان نظر آ رہے تھے۔ مگر پر ایک عجیب سماں تھی سنائیا چھایا ہوا تھا۔ کبھی کبھی کتوں کے بھوکنے کی آوازیں کپاڑوں میں گونٹھتی تھیں۔

حید کھانا کھانے جانی رہا تھا کہ شہناز آگئی۔
”کہے حید صاحب، خیریت تو ہے۔ یہ فریدی بھائی کا کیا معاملہ ہے۔ مجھے ابھی ابھی

علوم ہوا ہے۔“ شہناز نے پوچھا۔

”معاملہ اتنا خنث نہیں کہ چند جلوں میں بتا سکوں۔ بیٹھو کھانا کھاؤ۔۔۔۔۔۔ سب کچھ بتائیں ہوں۔“ حید نے کہا۔

”کھانا کھا کر آئی ہوں۔“ شہناز نے کہا۔

”تھوڑا اور سکی۔“

”نہیں۔۔۔۔۔۔!“

”تمہاری خوشی۔“

”آپ تو دراز اسی بات پر من بخالا لیتے ہیں۔“ شہناز تک کربوں۔

”تم غلط سمجھیں۔۔۔۔۔۔ میں ذرا بڑے نوالے کھانے کا عادی ہوں اسلئے من کا پھولنا یقینی ہے۔“

”تو آخر اپ اس طرح منہ بگاڑ کر کیوں با تین کر رہے ہیں۔“

”کیا آج لانے کا ارادہ کر کے آئی ہو۔“

لے بدے اس کے پیچھے جانا ہی نہیں چاہئے تھا۔
تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔
”ارادہ تو یہی ہے۔“ حمید نے ہکا۔
”آخ کیوں.....؟“

”اس لئے کہ فریدی صاحب کو اسی نے غائب کیا ہے۔“
”بھی میرا دل تو کہتا ہے کہ وہ فریدی صاحب ہیں۔“ شہناز بولی۔
”یہ بھی ناممکن ہے.....!“ حمید نے کہا۔ ”مجھ سے زیادہ فریدی صاحب کو کون جانتا
وہ اتنے طاقت ور ہرگز نہیں۔“
”اچھا خیر چھوڑیے ان باتوں کو..... آپ کے اوپر تو ہر وقت سراغ رسانی کا بھوت سوار

”کھانا کھا کچنے کے بعد حمید نے پوری داستان کہہ سنا۔ لیکن اپنے اور فریدی کے ذکر اے۔“ شہناز بولی۔
”ڈالنے کے واقعات نہیں بتائے۔“

”میں کیا بتاؤں..... میں نے آج تک اتنا بھی ان چھرہ نہیں دیکھا۔“ حمید بولا۔
”کہیں وہ فریدی صاحب ہی نہ ہوں۔ کیا آپ کریل پر کاش والا واقعہ بھول گئے۔“ حمید
کہا۔ شہناز نے کہا۔

”خیال تو مجھے بھی آیا تھا، لیکن یہ ناممکن ہے۔ فریدی صاحب بھیں ضرور بدل سکتے ہیں
لیکن وہ اتنی طاقت کیاں سے لا سیں گے۔ سوچ کر جیرت ہوتی ہے بھی اس کا مقابلہ کروز
پڑتے ہی اس بُری طرح اچھلا تھا جیسے ربوکی گیند۔“

”واقعی تجب کی بات ہے۔“
”اور تو اور یہ دیکھو.....!“ حمید نے اپنی پتلوں کا ایک پائیچا سمیتے ہوئے کہا۔ ”غلام۔
نگراتا ہے۔ وہ عورتوں سے دوستی تو کر سکتا ہے لیکن مستقل طور پر کسی عورت کا پابند ہونا پسند
نہیں۔“

”آخراں کی وجہ.....!“ شہناز بولی۔
”مگر آٹے دال کا چکر..... اور کیا۔“ حمید نے زنانہ لجھ میں کہنا شروع کیا۔ ”آج
مچھوپکھ ہوا میری حماقت سے ہوا۔ جب میں یہ جانتا تھا کہ وہ مجھے پہچانتا ہے تو مجھے

”لیجھے صاحب چلی جاتی ہوں۔“ شہناز اٹھتے ہوئے بولے۔
”ار..... ارے..... نہیں بھائی۔“ حمید نے اٹھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔
”نہیں میں عرصہ سے دیکھ رہی ہوں کہ آپ کو میری صورت دیکھ کر کچھ جھنپٹا ہے میں
محسوں ہوتی ہے۔“

”تو میں نے کیا کہہ دیا بابا.....!“ حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔
”کچھ نہیں..... آپ تو بڑے بھولے ہیں۔“
”نہیں..... میں الو کا پٹھا ہوں۔“

”کیوں اپنے مہ میاں مٹھو بن رہے ہو۔“ شہناز بے اختیار بنتے ہوئے بولی۔
”خیر تمہیں نہیں تو آئی۔“ حمید نے کہا۔

”کھانا کھا کچنے کے بعد حمید نے پوری داستان کہہ سنا۔ لیکن اپنے اور فریدی کے ذکر اے۔“ شہناز بولی۔

”میں کیا بتاؤں..... میں نے آج تک اتنا بھی ان چھرہ نہیں دیکھا۔“ حمید بولا۔
”کہیں وہ فریدی صاحب ہی نہ ہوں۔ کیا آپ کریل پر کاش والا واقعہ بھول گئے۔“ حمید

”شہناز نے کہا۔“

”بیرا دل۔“

”ہی تو وہ آدمی کا پڑھا ہے.....!“ حمید نے جلدی سے کہا۔ ”آخر کیوں۔“

”اُس لئے کہ آپ مجھ سے کافی سچنے کھنچ رہتے ہیں۔“

حید پچھے کہنے والاتھا کہ ایک نوکر ہاتھ میں ایک لفافہ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

”بھی ابھی ایک آدمی دے گیا ہے۔“ نوکر نے لفافہ حمید کو دیتے ہوئے کہا۔

لماں پر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ حمید نے خط جو انگریزی میں تاپ کیا ہوا تھا لفافہ سے رپڑھنا شروع کیا۔

”میں دوسری مرتبہ تمہیں متذہب کر رہا ہوں کہ میرے پیچھے مت لگو، ورنہ انجام کے ذمہ دار ہو گے تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ میرے خلاف تمہارے پاس کسی قسم کا کوئی یجوت تھا۔“ استاد بخیریت ہیں، میرا جو مقصد تحاصل ہو گیا۔ مجھے تم سے یا ان سے کوئی دشمنی میں انہیں جلد چھوڑ دوں گا۔ انہیں میرے خلاف کوئی شکایت نہیں۔ اگر میں انہیں اس غائب نہ کر دیتا تو وہ حضرت قتل کر دیے جاتے۔ تم دونوں کے کرقوت سے میں ابھی طرح ہوں۔ تمہارے استاد کا قاتل وہی تھا جس نے سینہ اگر وال پر گولی چلائی تھی۔ وہ آج بیکی کی تلاش میں ہے۔ اگر تم میں تھوڑی سی بھی عقل ہو تو اب میرا پیچا مت کرنا۔ میں مارنے کی تلاش میں ہوں اس سے زیادہ مجھے اب کچھ نہیں کہنا۔“

حید نے خط پڑھ کر شہناز کی طرف بڑھا دیا۔ خط پڑھتے ہی شہناز کے چہرے پر اٹھ کے آثار پیدا ہو گئے۔

”تو پھر آپ کا کیا ارادہ ہے۔“ شہناز یوں۔

”اے ایسے ایسے بہت دیکھے ہیں۔“ شیر طاقت سے مارتا ہے اور گیدڑ مکاری سے۔ ایسا

انہیاں کو کہ عمر بھر یاد کریں۔“

”تو آپ اس کا پیچا کریں گے۔“

”لیکن.....!“

ساری نہیں ہے۔ کل بلا دل کم ہو گے۔ یہ لپ اسکی اچھی نہیں۔ میں تو کئی کیوں پڑھ کر کروں گی، نہیں میاں کے جوتے پھٹ گئے۔ منے میاں کو زکام ہو گیا۔ منی کو چھکیں آری یہ شہناز پہنچے گی۔

”غاباً آپ کو بھی اپنا فن بہت زیادہ عزیز ہو گا۔“ شہناز یوں۔

”مجھے..... نہیں تو، میں اس عکس میں فن کے لئے جگہ نہیں مار رہا ہوں۔ اس

ٹھاقتیں فریبی جیسے لوگ ہی کرتے ہیں۔“

”پھر آخر آپ کس لئے اس عکس میں آئے ہیں۔“

”عورت کے لئے.....!“ حمید نے کہا۔

”کیا مطلب۔“ شہناز تیز لہجے میں یوں۔

”کوئی خاص مطلب نہیں۔ کسی بیکار آدمی کو تو کوئی اپنی بیٹی دیتا نہیں۔“

”اوہ.....!“

”اور تم کیا سمجھی تھیں۔“

”کچھ نہیں۔“

”غیر..... بہر حال..... ہاں تو پھر میں اپنی شادی کب کر رہا ہوں۔“

”میں کیا جاؤں۔“

”ارے تو کیا تم میرے ساتھ شادی نہ کرو گی۔“

”دیکھنے فضول باقی نہ کیا سمجھے۔ اگر میرا بیٹھنا گوار ہو تو صاف صاف کہہ دیجئے۔“

”اچھا جی..... یہ باقی فضول کب سے ہو گئی؟“

”جب سے آپ نے اپنارویہ بدلتے ہیا۔“

”میا تھیں کوئی میرے خلاف بہکایا کرتا ہے۔“

”ہاں.....!“

”کون ہے وہ الوکا پڑھا۔“

”وہ تو ٹیک ہے، مگر کیا پیدل جاؤ گی۔ اب اس وقت شاکر قریب کوئی سواری بھی نہ مل۔“

”زبیدی صاحب کی کار بگڑی پڑی ہے۔ کل اسے ورکشاپ بھجوادوں گا۔“

”تو کیا ہوا.....!“ شہناز نے کہا۔ ”مُہلی ہوئی چلی جاؤں گی۔“

”میں اسے تھیک نہیں سمجھتا۔ چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“

”تکی اور پوچھ پوچھا!“ شہناز نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”تو کیا اسی طرح چلتے گا۔ جن نہیں

ہیں لجھے بہت سردی ہے۔“

”چھا بھی۔“

”توں آہستہ آہستہ نیلی روڈ کی طرف چل دیئے۔ سڑک پر بالکل سناتا تھا۔ تھوڑی بھی دور

مل گئے کہ پیچھے سے ایک ٹیکسی آگئی۔ حمیر نے آواز دب کر اسے رکوادیا۔

”وقتی تم بڑی خوش قسمت ہو کر اس وقت ٹیکسی مل گئی۔“

”یہی روڈ!“ شہناز نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے کہا اور پھر کھڑکی سے سر نکال کر بولی۔

”جو کچھ میں نے کہا اس کے خلاف نہ ہونے پائے۔“

”اچھا.....!“ حمید نے کہا۔ ”شب تختیر۔“

”شب تختیر۔“

”ٹیکسی جل پڑی۔ نیلی روڈ پر پہنچ کر ڈرائیور نے پوچھا ”کدھر.....!“

”پورہ سوئیں.....!“ شہناز نے بتایا۔

”ٹیکسی شہناز کے مکان کے سامنے رک گئی۔ ڈرائیور نے اتر کر دروازہ کھولا اور شہناز

اسے باہر آئی۔

”یلو.....!“ شہناز نے پس سے ایک نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

”میں کراینیز نہیں لیتا۔“

شہناز چوک پڑی۔ اس نے نیچے سے اوپر تک اسے دیکھا۔ یہ ایک لمبا ٹنگا آدمی تھا۔

ٹنگے اسر کے کارکان کے اوپر تک کھڑے کر رکھے تھے اور نائٹ کیپ چہرے پر جھکا

”اوور میرا کہنا بھی نہ نہ مانیں گے۔“

”بس اسی لئے تو فریدی صاحب شادی نہیں کرتے۔ عورت مرد کی سب سے

کمزوری ہے۔“

”خیر..... جو آپ کا دل چاہے کہئے۔“ شہناز نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ ”اگر آپ نے

کہنا نہ مانا تو اچھا نہ ہوگا۔“

”معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اس سے ملی ہوئی ہو۔“

”ذیکر نہ ماق میں مت نہ لائے۔“ شہناز نے کہا۔ ”اب مجھے بھی زبردستی کرنی پڑے۔“

”وہ زبردستی کس قسم کی ہوگی۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”وہ بھی دیکھ لجھے گا۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نہیں چاہتیں کہ میری جان خطرے میں پڑے۔“

سر برلا دیا۔

”آخ رکیوں؟“

”بس یونی!“

”کوئی وجہ!“

”نہیں بتاتی وجہ۔“

”تو ہم بھی نہیں بازا آتے۔“

”اگر نہیں بازا آتے تو میں زہر کھالوں گی۔“

”تو کیا واقعی تم مجھے اتنا ہی چاہتی ہو۔“

”یہ میں نے کب کہا ہے۔“

”غیر تم اپنی زبان سے کبھی نہ کہو گی۔“

شہناز کے ہونتوں پر شرات آمیز مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

”آؤ..... گیارہ نج گئے۔“ شہناز نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اب چنانجا

رکھی تھی۔

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔“ شہناز نے اسے گھوڑتے ہوئے تیز لپجھ میں کہا۔ ”اور کہنیں تمہارا بھی غائب ہو جانا ہم سب کے لئے تکلیف دہنہ ہو جائے۔“ چیف انپکٹر ”میری اجرت صرف اتنی ہے کہ آپ سارجنٹ حید کو میرا پیچھا کرنے سے کلام بلا۔“ تم لوگوں کا اس طرح بغیر کچھ کہنے سے کوئی کام شروع کر دینا مجھے قطعی بایپسند ہے اور روک دیجئے، ورنہ مفت میں اس کی جان جائے گی۔“

”تو کیا آپ..... تو کیا آپ.....!“ شہناز نے لرزتے ہوئے کہا۔ چیف نے ایک کافر حید کی طرف بڑھا دیا جس کے اوپر کسی کی انگلیوں کے نشانات

”بھی ہاں..... میں وہی ہوں جس کا تذکرہ آپ سے سارجنٹ حید نے کیا تھا۔ یا تم انہیں پہچان سکتے ہو۔ چیف نے پوچھا۔

بولا۔ ”مجھ سے ذرنشی کی ضرورت نہیں۔ میں بالا وجہ کسی کو پریشان نہیں کرتا۔ لیکن اپنے لارڈ حید تھوڑی دیر تک ان نشانات کو دیکھتا رہا پھر فی میں سر ہلا کر چیف کی طرف سوالیہ میں آئے ہوئے آدمیوں کو معاف کر دینا میرے بس سے باہر ہوتا ہے۔ اچھا باب جائے۔“ میں داخل ہوا۔

چیف نے لھٹکنی بھالی۔ ایک سارجنٹ کرے میں داخل ہوا۔ ”حید کو اچھی طرح سمجھائیے گا..... شب بخیر۔“

لانٹ نے کار اسٹارٹ کر دی۔ شہناز تھیک کھڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی کار کو دیکھ رہا تھا۔ ”ایف دوس ساست۔“

سارجنٹ چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک پیڑے کا تحیلا لاؤ کر میز پر رکھا۔ چیف نے کھول کر میز پر الٹ دیا۔ بہت سے کاغذات میز پر کھڑے گئے اس نے ان میں سے ایک کاغذ اس پر انگلیوں کے نشانات تھے۔ اس نے وہ کاغذ بھی حید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”نوں کو طاو۔“

دوسرے دن حید ذرا دیر سے آفس پہنچا۔ ابھی وہ بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ چیف انہیں بے ہواب دیا۔ ”دلوں ایک ہی آدمی کی انگلیوں کے نشانات معلوم ہوتے ہیں۔“ حید نے غور کرتے ہیاں ٹلپی ہوئی۔

”جانتے ہو کس کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔“ چیف نے کہا۔

”حید کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ منہ فت ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہیں یہ نشانات تجویزی پر نہیں حاصل کئے گئے؟ اگر ایسا ہے تو تیرے پھنسے، اس نے چیف کے چہرے کو بغور لیا۔ وہ مکار رہا تھا۔ حید کو ایسا محسوں ہوا جیسے کسی نے اس کے دماغ پر گھونسہ رسید کر دیا۔ نہ لال کے چہرے کی بدلتی ہوئی رنگت دیکھ کر بولا۔“

”غمراو نیکر..... سب خوبیت ہے۔ فریدی زندہ ہے۔“ چیف نے کہا۔

کچھ نئی باتیں

”آج تم دیر میں آئے۔“

”بھی ہاں دیر ہو گئی بات یہ ہے کہ کل کافی رات گئے تک ایک مشتبہ آدمی کے پیچھے رہا۔“

”کس کیس کے سلسلہ میں۔“

”انہیں عجیب و غریب ڈاکوؤں کے کیس کے سلسلہ میں؟“

”میرے خیال سے تو ابھی میں نے یہ کیس کسی کے سپرد نہیں کیا۔“

”کیا عرض کروں۔ فریدی صاحب کا اس طرح غائب ہو جانا میرے لئے بہت۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔“

”دیکھو فریدی کی عرضی ایک ماہ کے لئے رخصت کے لئے آتی ہے۔“ چیف نے
کافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”یثاثات میں نے اس غرض سے حاصل کیا
عرضی چونکہ تاپ کی ہوئی ہے اور اس پر فریدی کے دستخط بھی نہیں ہیں اس لئے مجھے خیال
ہوا کہ شاید یہ بھی بدمعاشوں کی کوئی چال ہے۔ اس لئے اس پر انگلیوں کے ثناٹات دیکھ
ضرورت پیش آتی۔ میرا خیال ہے کہ فریدی پوشیدہ طور پر تفتیش کر رہا ہے اور یہ معاملہ
ہے کہ وہ پتے ٹکائے بغیر چکانیں بیٹھے کتا۔“

حید کے ذہن میں وہ بھی انک چڑھنے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ بھی اس کی چال
ہوتی ہے۔ ورنہ فریدی صاحب تو غائب ہونے کے بعد اپنی پر چھائیں تک سے بھڑکتے
اسی صورت میں ان کا باہر سے چھٹی کی درخواست دے کر جانا کہ میں یہاں موجود ہوں
و سختکار عرضیاں منکور نہیں ہوا کرتیں۔ میرا خیال ہے کہ اس عرضی کے سلسلہ میں اس کے ساتھ
کوئی زبردستی کی گئی ہے۔ فریدی نے عملًا اس پر دستخط نہیں کئے تاکہ ہماری توجہ خاص طور پر اس
کی جانب مبذول ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔“

”یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔“ حید نے کہا۔

”صرف سوچنے سے کام نہ چلے گا۔ ہمیں اس کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔ ابھی تک جو کچھ
گئی ہوا ہے میں اس سے مطمئن نہیں ہوں اور یہ طریقہ اختیار کر کے ہم آگے بڑھنے ہی نہیں
سکتے۔ ابھی تک اس سلسلہ میں صرف اتنا ہی معلوم ہوا ہے کہ واردات والی رات کو پولیس کی وہ
لاری انٹیشن کے چھانک پر دیکھی گئی تھی جسے ڈاکوازا لے گئے تھے جو شخص اس لاری کو چلا رہا تھا
اس کے متعلق سننے میں آیا ہے کہ وہ اس تصویر سے بہت ملتا جلتا ہے۔“ چیف نے میز کی دراز
سے ایک تصویر نکال کر حید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اُرے یہ تو وہی ہے۔“ حید کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

”کون.....!“

”بہر حال حالات ناساز گار ہیں۔“ چیف نے کہا۔

”جی ہاں.....!“

”اچھا کل رات تم پچھا کس کا کر رہے تھے۔“

”ایک بہت ہی بھی انک آدمی کا جسے میں نے ناولی میں دیکھا تھا۔“

”ناولی.....وہی جس کا مالک مستو ش ہے۔“

”جی ہاں.....!“

”اس پر تو عرصہ سے ہم لوگوں کی نظریں ہیں لیکن کبھی ایسا بہانہ ہاتھ نہیں آتا کہ
قلع قلع کیا جاسکے۔ وہ عیاشی کا ایک کھلا ہوا اڈہ ہے۔ لیکن کوئی ایسا بیوت نہیں ملتا جس کی
کلائی کارروائی کی جاسکے۔“

”درامل یہی چیز مجھے وہاں لے گئی تھی۔ مجھے شہر ہے کہ اس ہوٹ میں عیاشی سے بھی
زیادہ بھی انک کوئی کام ہوتا ہے میرے پاس اس کا کوئی بہوت نہیں لیکن میرا دل کہتا ہے کہ ان
وارداوں کے سلسلے میں اس ہوٹ کا بھی کوئی نہ کوئی حصہ ضرور ہے۔“ حید نے کہا۔

”ایک بات میری بھی میں نہیں آتی کہ فریدی کے غائب ہوتے ہی اچانک یہ وارداتیں
ہوئیں کیوں رک گئیں۔ جب کہ متواتر یہ سلسلہ جاری تھا۔“ چیف نے کہا۔
”حید پھر بوكھلا گیا۔“

”میرے خیال سے تو اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے۔ فریدی کے غائب ہوتے ہی
حاصل فہریہ پولیس کے سپرد کر دیا گیا ہے۔“

”اچھا ایک اور چیز میری بھی میں نہیں آرہی۔“ چیف نے کہا ”کہ آخر فریدی کی عرضی پر
اس کے دستخط کیوں نہیں ہیں۔ ایک جاہل سے جاہل آدمی بھی یہ جانتا ہے کہ تاپ کی ہوئی بغیر
و سختکار عرضیاں منکور نہیں ہوا کرتیں۔ میرا خیال ہے کہ اس عرضی کے سلسلہ میں اس کے ساتھ
کوئی زبردستی کی گئی ہے۔ فریدی نے عملًا اس پر دستخط نہیں کئے تاکہ ہماری توجہ خاص طور پر اس
کی جانب مبذول ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔“

”رات جس کامیں پیچھا کر رہا تھا۔“

”بہت اچھے۔“ چیف انپکٹر خوشی سے چینا۔ ”تو کیا وہ تمہیں ناولی میں ملا تھا؟“

”جی ہاں۔“

”تو یہ کہو کہ مجھ ناولی آج کل بدمعاشوں کا زور ہو رہا ہے۔“ چیف نے کہا۔

”جانستے ہو، یہ کون ہے۔“

جید نے فتنی میں سر ہلا دیا۔

”والاور خان مشہور پشاوری قاتل، اس نے بہت سے خون کئے ہیں۔ دس سال ہوئے یہ افسوسات میں بھاگ گیا تھا۔ اس کے بعد سے قلعی اپتہ رہا۔ اچانک پھر دکھائی دیا۔ یہ بتاؤ کرم نے اس کی رہائش گاہ کا بھی پتہ لگایا نہیں۔“

”اس کی نوبت ہی نہیں آنے پائی۔ وہ شاپر مجھے پیچھا نہ کھانے۔“

اس کے بعد جید نے ہوٹل کی ساری داستان بیان کر دی۔

”بھی وہ بے بیہ پناہ طاقت کا آدمی ہے۔ ایک بار اس نے صرف ایک گھونسہ میں ایک آدمی کی جان لی تھی۔ خیر اگر واقعی وہ اس شہر میں موجود ہے اور اس واردات میں اس کا بھی ہاتھ ہے تو بھی کرنہیں جاسکتا۔“

چیف نے گھٹی بھائی۔ ایک آدمی اندر آیا۔

”انپکٹر بیز جی کو سلام دو۔“ چیف نے کہا۔

انپکٹر بیز جی کو آناد کیا کہ جید کھڑا ہو گیا۔

آج آپ کو ہمیں ایکسری دیکھنا ہے۔“ چیف نے سب انپکٹر بیز جی سے کہا۔

”جی ہاں..... میں جاہی رہا تھا۔“ سب انپکٹر بیز جی اگر بیزی میں بولا۔ ”لیکن صاحب تجھے کوئی ایسا آدمی دیکھے جو واقعی کام کا ہو۔“

”جید کو لے جائیے۔“

— ”بہتر ہے۔“ سب انپکٹر نے جید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہی ایکسری کے آنے میں ابھی کافی دیر تھی۔ جید اور انپکٹر بیز جی پلیٹ فارم پر ٹھیکنے لگے۔ دعٹا جید ایک آدمی کو دیکھ کر ٹھنک گیا۔ وہ کوئی مارواڑی سیئھ تھا۔ اس کا سامان پلیٹ فارم پر کھا ہوا تھا۔ غالباً وہ بھی وہی ایکسری کے انتظار میں تھا۔ جید کو ابھی طریقہ یاد تھا کہ اس نے اسے نہ دیتے رات کو ناولی میں دیکھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی جید کے ذہن میں فوراً خیال گو نجت لگا تھا کہ وہ کیوں نہ آج اس مہارواڑی کے بھیس میں ہوٹل جائے۔ انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ بارواڑی اس ہوٹل کا کوئی مستقل گاہک ہے کیونکہ بچپنی رات وہ کافی دیر تک ہوٹل کے فجر سے باشیں کرتا رہا تھا اور دونوں کا الجھ بچھے اس قسم کا تھا جس سے بے تکلفی کی بوآتی تھی۔ جید سوچنے لگا کہ ضرور یہ کوئی لمبا سفر کرنے جا رہا ہے۔ تبھی تو اس کے ساتھ اتنا سامان ہے۔ مگر یہ کیسے بچھے ایجادے کو وہ خود سفر کرے گا۔ بہت ممکن ہے۔ کہ وہ کسی کو رخصت کرنے آیا ہو۔

جید کی نظریں اس مارواڑی سیئھ پر تھیں اس کا سامان ایک فرشت کلاس کمپارٹمنٹ میں رکھا جا رہا تھا۔ پورا کمپارٹمنٹ ریزورٹ تھا۔ جید نے ریزرویشن کارڈ پڑھا ڈبھی تک کے لئے ریزرو ہوا تھا۔ مارواڑی کو اس ذہبے میں تنہا بیٹھنے دیکھ کر جید کی جان میں جان آئی۔ وہ رات کے لئے پروگرام بنانے لگا۔

تحوڑی دیر بعد انہی نے سیٹی دی اور گاڑی آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

”کہنے صاحب سب ٹھیک تھا۔“ جید نے انپکٹر سے پوچھا۔

”ٹھیک ہی تھا کیونکہ ہمارا لوگ کا ڈیلوٹی لگایا جاتا ہے۔“ انپکٹر بیز جی نے کہا۔

آج جید کے لئے اس وقت ایششن آتا بہت ہی کاراً مدد ثابت ہوا۔

ہنگامہ

جید شام کو جب گھر لوٹا تو شہزاد کو اپنے انتظار میں پایا۔ جید کو دیکھتے ہی وہ اچھل پڑی۔

رات کا واقعہ اتنے سہی ہوئے لبچے میں بتانے لگی جیسے اسے ڈر ہو کر کہیں وہ خوفناک چھرے والا
بیہل آس پاس چھپا ہوا اس کی گفتگو نہ سن رہا ہو۔

”میں نے خود میں اپنا فصلہ بدل دیا ہے کون خواہ تجوہ اپنی جان خطرے میں ڈالے“
حید نے کہا۔

”مجھے یقین کامل ہے کہ فریدی صاحب بخیریت ہیں اور پوشیدہ طور پر اپنا کام کر رہے
ہیں۔“ شہناز نے کہا۔

”میں تو اب تک آگیا ہوں۔ خود بلاوجہ خطرے میں چنانچہ پڑتے ہیں اور ساتھ میں
لیٹھنیں۔“ حید نے خونگوار لبچے میں کہا ”اور پھر بعد میں شکایت کرتے ہیں کہ
تم نے میری ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کی۔ میں تو بہت جلد اس خدمت سے استعفی دے دوں گا۔
میلے پاس اتنا روپیہ اکٹھا ہو گیا ہے کہ آسانی کوئی تجارت کر سکتا ہوں۔“

”بس بنانے لگے ہوائی قلعے۔“ شہناز پس کر یوں۔ ”کتنا سرمایہ اکٹھا کر لیا ہے آپ
نے۔ آپ کی تجوہ ہے ہی تھی۔“

”میرے پاس میں ہزار روپیہ ہے۔“

”میں ہزار..... کہاں ڈاک کر مارا تھا۔“

”ایک مر جہے ایک کیس کے سلسلہ میں میں نے اور فریدی صاحب نے سادھو بن کر
چالیس ہزار روپیہ کیا تھا۔“

”تو اس میں سے میں ہزار روپے آپ کو ملے تھے۔“

”میں پورے چالیس ہزار، فریدی صاحب اس قسم کی رقین نہیں رکھتے اور پھر انہیں کی
کس بات کی ہے۔ لکھنؤ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، لاکھوں روپے کی جائیداد ہے۔“

”تو بقیہ میں ہزار کیا ہوئے؟“

”میں ہزار تو الگ ہیں۔ ان کو تو میں ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ بقیہ میں ہزار میں سے صرف
ٹک ہزار رہ گئے ہیں۔“

”دُس ہزار..... باقی کیا ہوئے۔“

”کمال کر دیا۔..... اے بھائی وہ خرچ ہو گئے۔ بھلا کوئی ہندوستانی جاؤں صرف تجوہ کے
بل پر اتنی نوابی کر سکتا ہے۔“

”تو یہ کہئے کہ آپ تجوہ کے پیسوں سے مزہ کر رہے ہیں۔“
”تجوہ کے کیوں۔“

”تجوہ نہیں تو اور کیا۔ سادھو اور فقیروں کو تجوہ نہیں دی جاتی تو اور کیا؟ بچا رے
غربپول کی گاڑھے پینے کی کمائی کو آپ لوگوں نے دھوکہ دے کر لوٹ لیا۔“

”ایسا تو نہیں۔“ حید نے کہا۔ ”مہارانی صاحبہ کا عطیہ ہے۔ چار سال ہوئے ہم لوگ
ایک قاتل کی تلاش میں بناں گئے وہاں پتہ چلا کہ وہ ایک بہت بڑے گروہ کا سراغنہ ہے اور یہ
بھی معلوم ہوا کہ اس کے ساتھی اور وہ خود عوام سادھوؤں کے بھیں میں رہتا ہے۔ لہذا ہم لوگوں
نے اپنا جاں پھیلانا شروع کر دیا۔ فریدی کی شعبدہ بازیوں کی وجہ سے ہم لوگ بہت جلد مشہور
ہو گئے۔ ایک بار فریدی نے کمال کر دیا۔ رات کا وقت تھا۔ فریدی کے دربار میں معتقدین کا
ٹھکک تھا۔ دفعتا زور کی آندھی چلی، سارے جراغ گل ہو گئے لیکن فریدی صاحب کا چہرہ
اندر میں بچکا رہا تھا۔ بس پھر کیا تھا نہرے گو بختے لگے۔ آندھی ختم ہو جانے کے بعد جراغ
”بارہ جلائے گئے۔ اب ان کا چہرہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا تھا۔ اس دن کے بعد سے سارا
ہمارا الٹ پڑا۔ دور دور سے لوگ درشن کے لئے آنے لگے۔ روزانہ ہزاروں روپے کی
بیہت چھوٹی تھی، لیکن فریدی صاحب سب کو واپس کر دیتے تھے۔ ایک دن مہارانی صاحبہ ان
کے درشن کو آئیں۔ یہ بچاری اس وقت حاملہ تھیں کہ قدم اٹھانا دو بھر ہو رہا تھا۔ ان کے ساتھ
ایک بڑی تھی اور وہ یہ کہ ان کا ہر بچہ مردہ پیدا ہوتا تھا۔ فریدی صاحب نے انہیں بہت زیادہ
نہ کر دعا دی۔ جاتے وقت انہوں نے کچھ نذر کرنا چاہا مگر چونکہ میں فریدی صاحب کی
نوات سے واقعہ تھا اس لئے میں نے ان کے بولنے سے قبل ہی رانی صاحبہ سے کہر دیا کہ
ال کا نام بھی نہ لجئے گا اور نہ مہاتما جی نا راض ہو جائیں گے۔ مہارانی صاحبہ لوٹ گئیں۔ ان کے

کہ شہناز یہ سن کر کہ ابھی اسے پھر چیف انپکٹر کے بیان جانا ہے چلی جائے گی اور وہ اطمینان ہے آج رات کے پروگرام پر غور کرے گا۔ لیکن شہناز نے مسند ہوئی۔ حید کو اختلاج ہونے لگا۔ آخر کس طرح اس سے چھٹکارا حاصل کرے۔ اگر اسے ذرا سماں بھی شبہ ہو گیا کہ وہ پھر دلادر خال کے چکر میں جا رہا ہے تو وہ اس کا تاثر بند کر دے گی۔ شہناز کی زبردستیوں پر اکثر اسے غصہ آنے لگا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ فریدی واقعی بڑا عقائد ہے جب محظوظ کے ہاتھوں یہ مال بوجاتا ہے تو یوں کتنی خطرناک ثابت ہوتی ہوگی۔

”ارے بھی ذرا جلدی کھانا تیار کرو۔“ حید نے فوکر کو آواز دے کر کہا۔ ”مجھے جلد ہی مال بوجاتا ہے تو یوں کتنی خطرناک ثابت ہوتی ہوگی۔“

”ایسی بھی کیا جلدی۔“ شہناز بولی۔ ”ذیوٹی تو پوری عنی کرائے ہیں اب ذرا دریعنی سکی۔“

”ہم لوگ چیزیں گھنٹے ذیوٹی پر رہتے ہیں۔“ حید نے کہا۔

”سب کہنے کی باتیں ہیں۔“

”نبیں کرنے کی باتیں ہیں۔“

”آپ سے زیادہ ڈرپوک آدمی میں نے آج تک دیکھا ہی نہیں۔“ شہناز نظریہ لجھ میں بولی۔

”مجھے افسوس ہے کہ تم نے اپنی اتنی عمر مفت خالی کی۔“ حید نے کہا۔

”کیوں.....؟“

”اس لئے کہ تم نے اب تک کوئی ڈرپوک آدمی نہیں دیکھا۔“

”دیکھ تو رہی ہوں۔“

استئن میں کھانا آگیا۔ دونوں نے کھانا کرنے کے بعد پھر لٹا شروع کر دیا۔

”اچھا بھی..... اب چلتا چاہئے۔“ حید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”چوتھام کو تمہارے گھر ہو گئی میں چیف کے بیان چلا جاؤں گا۔ آج گاڑی بن گئی ہے۔“

حید نے کارنکالی اور شہناز کو لے کر اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے گھر چھوڑ کر

”لوہا یہ ابھی رہی۔“ شہناز نے کہا اور پھر کچھ ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ حید سمجھ رہا تھا

جانے کے بعد فریدی صاحب نے مجھے خوب ڈالنا اور کہا کہ ایسی موٹی اسامیوں کا مال باہر ہے۔ مہارانی صاحبہ اپنے حمل کے دن پورے کر رہی تھیں۔ تین چاروں کے بعد ان کے پورے ہیں لیکن اس بارہوں تجھے زندہ رہا۔ ایک ہفت کے بعد مہاراجہ بہ نقص تشریف لائے اور ہمارے مہاتما کو ڈیگر، کر کے ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھ رہے۔ میرے شیر کے رعب کا یہ عالم تھا کہ مہاراجہ صاحب تھر تھر کاپ رہے تھے۔ آخر ڈرتے ہوئے انہوں نے ہزار ہزار کی چالیس گزیاں مہاتما کے چزوں میں رکھ دیں۔ مہاتما نے ایک ٹھوکر سید کی لیکن میں نے بہت احتیاط سے انہیں اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ مہاراجہ صاحب نے الجا کی کہ ہم لوگ بتارس چھوڑ کر انہی کی ریاست میں رہیں۔ لیکن مہاتما جی نے وہ ڈاٹ پائی کہ اوسان خطا ہو گئے۔ یہے ان سروپیوں کی کہانی۔“

شہناز بڑی توجہ کے ساتھ سن رہی تھی۔

”آخر ان کا چہرہ چمکنے کیسے لگا تھا۔“ شہناز بولی۔

”خود فریدی کے تیار کردہ ایک نسخہ کی کرامت تھی۔“

”بھی کمال کرتے ہیں آپ لوگ بھی۔“ شہناز نے کہا۔ ”اچھا پھر اس ڈاکو کا کیا ہوا۔“

”دھر لیا گیا!“ حید نے کہا۔ ”بھلا فریدی کسی کام میں ہاتھ ڈالے اور وہ ادھورا رہ جائے۔“

”تو بہر حال آپ لوگ اس طرح اچھی خاصی دولت پیدا کر لیتے ہیں۔“ شہناز نے کہا۔

”اور اس پر بھی آپ استغفار دینے پر تسلی ہوئے ہیں۔“

”کیا کیا جائے..... سکون نہیں ملتا۔“ حید بولا۔ ”اب سبی دیکھ لو کہ ابھی ابھی دفتر سے آ رہا ہوں۔ اب ایک گھنٹہ کے اندر مجھے چیف کے بلگہ پر پہنچتا ہے۔ اب تم عنی بتاؤ انکی مال

میں کوئی شریف آدمی اس قسم کی ملازمت کیسے گوارا کر سکتا ہے۔“

”کیوں اب کہیں جانا ہے۔“ شہناز نے کہا۔

”کچھ نہیں معلوم..... بن حکم ملا ہے۔“

”لوہا یہ ابھی رہی۔“ شہناز نے کہا اور پھر کچھ ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ حید سمجھ رہا تھا

اُس آدمی نے دانت نکال دیئے۔

اس کا تو حمید نے پہلے ہی اندازہ لگایا تھا کہ یہ آدمی مارواڑی سینہ سے کافی بے تکف معلوم ہوتا ہے۔ اس نے اس نے احتیاط سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔

”اے بیرا ایک بڑا اسکاچ اور سوڈا بھی لاو۔“

پیرا جلد ہی اسکاچ اور سوڈا لے آیا۔ دونوں پینے لگے، آج حمید جی کڑا کر کے زندگی میں پہلی بار پی رہا تھا۔

”کیوں سینہ آج کھیل نہ ہوگا۔“ وہ آدمی اسکاچ کی چکلی لے کر بولا۔
”نہیں بھائی، آج طبیعت ٹھیک نہیں۔“

”آج ایک بڑی عمدہ چیز آئی ہے۔“ وہ آدمی بولا۔ ”میں آپ کا انتظار ہی کر رہا تھا۔“

”اچھا.....!“ حمید مسکرا کر مخفی خیز انداز میں بولا۔ ”اب وہ معاملہ کی تہہ سک پیچنچ پکھا تھا۔“

”ہاں سینہ.....! بس سمجھ لو پکا آم ہے۔“

حمد ندیوں کی طرح ہفتون پر زبان پھیرنے لگا۔ دونوں نے جلدی جلدی شراب ختم کی۔

”آؤ چلیں.....!“ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

حمد اس کے پیچے ہولیا۔ ہال سے گزر کر انہیں کئی اور کمروں اور گیاروں سے گزرنا پڑا۔ یہ کمرے میں پیچ کر اس آدمی نے ایک الماری سے رہذا کا تو بڑا نکلا اور حمید کو پکڑا دیا۔ حمید بدمعاش ہے۔ اس نے قرباب آکر موڈا بنے انداز میں حمید کو سلام کیا اور اسکے قریب ہی بیٹھ گیا۔

”ثیرت میں تھا کہ آخر اس کا کیا مطلب ہے۔“

”کیا سوچ رہے ہو سینہ۔“ وہ حمید کوش ویخ میں دیکھ کر بولا۔

”غفتا ایک خیال بجلی کی طرح حمید کے ذہن میں کون گیا۔“

”روز روز ہی پئی، آگھر تم ہمارا اعتبار کیوں نہیں کرتا۔“ حمید نے وہ تو بڑا پی آنکھوں پر

”موسم سالاری ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”آج اسی لئے بیرا پی رہا ہوں، تم کیا بھوگے۔“

”سٹلیں دکھائی دیتی تھی۔“ اب اس آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر چلنے لگا۔ وہ

”نکلوں کی طرح اس کے ساتھ جارہا تھا۔ اس نے کئی بار سوچا کہ تو بڑے کوڑا سا کھکھ کا کرم از کم

ڈریٹک روم میں گھس گیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد جب وہ وہاں سے نکلا تو برآمدے کی روشنی کی کر کے اندر میں چھپتا چھپا تا نوکروں کی نظروں سے بچتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ وہ اسی ”وپر“ والے مارواڑی سینہ کے بھیس میں تھا۔ تھوڑی دور پیدل جانے کے بعد اس نے نیکی کی اور ناٹھی جا پہنچا۔ حسب دستور یہاں کافی چھل پہل تھی۔ اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن دلاور خان کہیں نہ دکھائی دیا۔ میرج نے اسے دور ہی سے سلام کیا۔ حمید دانت نکال کر سلام کا جواب دیتے ہوئے ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں ہال میں نصب کئے ہوئے اس عورت کے بت پر پڑیں جس کے جسم کے گرد آج دوسرا ساری لجیٹی گئی تھی۔ یہاں یہ بت ہی عجیب و غریب چیز تھا۔ دور سے بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ کوئی انہائی حسین عورت کھڑی ہو۔ روزانہ اس کے کپڑے تبدیل کر دیئے جاتے تھے۔ بت ایک چار پانچ فٹ کے دارہ نما چبوترے پر نصب تھا۔ ”حمد دریٹک اسے گھورنا رہا۔“

اس نے بیرے سے بیرلانے کو کہا اور اوٹ گھنٹے لگا۔

ایسی بیرا دا بیس نہیں آیا تھا کہ اسے کل والا وہی قوی ہیکل آدمی دکھائی دیا جو کل دلار خال کے ہاتھ پٹ گیا تھا۔ وہ سیدھا اسی کی طرف آ رہا تھا۔ حمید نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر یہاں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس کا اندازہ تو اس نے کل ہی لگایا تھا کہ وہ بھی کل بدعاش ہے۔ اس نے قرباب آ کر موڈا بنے انداز میں حمید کو سلام کیا اور اسکے قریب ہی بیٹھ گیا۔ ”کیوں سینہ جی آج کیا بات ہے۔ بہت کھوئے کھوئے نظر آ رہے ہو۔“

”کوئی بات نہیں.....!“ حمید نے مسکرا کر کہا اور کھانے لگا۔ ”کیا بیاؤں سکھت جھاں۔“

”ہم کو ہو گیا ہے۔“

”یہ تو آپ کی آواز ہی بتاری ہے۔“ وہ بولا۔ ”موسم ہی ایسا ہے۔“

”جو پلا دے میرا سینہ۔“

”تم اسکا رچ پیو.....!“

راستہ ہی دیکھ لے لیکن ہمت نہ پڑی اور اگر ہمت پڑی بھی جاتی تو وہ ایسا کہی کیسے کہا جائے
اس آدمی نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کھٹکے تھے۔

تحوڑی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی زینت سے نیچے اتر رہا ہے۔ وہ سوچنے
کے اب وہ کسی تھہ خانہ میں جا رہا ہے۔ زینت ملے کرنے کے بعد اسے تھوڑی دور اور اسی طرح پہاڑ
پہاڑ۔ پھر اسکے دونوں ہاتھ چھوڑ دیے گئے۔ اس نے جلدی سے قبڑا اتنا کہا اپنے ساتھی کو پکڑا دیا۔
اس وقت وہ ایک بہت لمبے چوڑے تھہ خانہ میں تھا جہاں بے شمار میزیں اور کریں
پڑی تھیں اور لوگ بیٹھے جاؤ کھیل رہے تھے۔ ایک طرف کچھ لوگ زمین پر اونٹھے پڑے چاٹا
پی رہے تھے۔ حمید کا ساتھی اسے اپنے ساتھ لئے ہوئے ایک کمرے میں آیا۔ پہاڑ ایک
عورت نیم عربیاں حالت میں بیٹھی شراب پی رہی تھی۔ حمید اسے دیکھ کر بھونچ کارہ گیا۔ یہ شہر کے
مشہور لکھ پتی کی نوجوان بیوی تھی۔

”کیا تمہیں اس گندے مارواڑی کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا۔“ وہ کری سے اٹھ کر تیز پہاڑ
پہنچ کر جا رہا تھا۔

”سننے تو سمجھی۔“ وہ بولا۔

”میں کچھ نہیں سنبھل سکتا، تم ابھی خاصے گدھے ہو۔“ وہ تیج کر بولی۔ ”ٹکالوں سے ہاں
سے..... اگر کوئی اور نہیں تو تم خود کس سے کم ہو۔“

حمدید کا ساتھی اسے پھر بڑے کرے میں لے آیا۔ جہاں لوگ جاؤ کھیل رہے تھے۔
”سینئھ تم یہاں بیٹھو، میں ابھی آیا، پھر دو دو ہاتھ ہوں گے۔“ اس نے کہا اور اسی کمرے
میں واپس چلا گیا۔

اب حمید کی سمجھ میں اچھی طرح آگیا تھا کہ یہاں کیا ہوتا ہے۔ اس نے چاروں طرف
نظر دوڑائی۔ وہ چونکہ پڑا، ایک میز پر دلاور خان بھی جاؤ کھیل رہا تھا۔ ایک طرف آڈی
بوتل شراب اور گلاس رکھے تھے۔ ہوتوں میں موٹا سا سکاردا ببا ہوا تھا۔ حمید نے پھر ایک پی
بلکر بیز کا آرڈر دیا۔ وہ اس میز پر بالکل تھا تھا۔ جیسے ہی بیر اشраб لے کر آیا کسی طرف۔ ”آجھا گیا۔ کھیل بند ہو گیا، سب لوگ اپنی اپنی جگہ دم بخود کھڑے تھے۔ نقاب پوش آہستہ

آدمی اور آکر میز پر بیٹھ گئے۔

”کیوں بیٹھ کیا ارادہ ہے۔“ ایک نے کہا۔ ”کیا آج کھیلو گے نہیں۔“

”ہو گا کھیل..... گزر زیادہ لمبا نہیں۔“ حمید نے اپنے مصنوعی غلیظ دانتوں کی نماش کرتے
کہا۔

”آج تو ہو جائے۔“ دوسرا بولا۔

اتھے میں وہ شخص بھی آگیا جو حمید کو اپنے ساتھ لایا تھا۔

”کہا تو استاد کیسی رہی.....!“ وہ کھسپی اپنی پشتہ ہو اپنہ گیا۔

”چیز تو بڑھا ہے۔“ حمید نے پھوہڑپنے کے ساتھ کہا۔

”ہو گی پر اپنے کام کی نہیں۔“ وہ بولا۔

پہنچ بات دیجے گئے اور وہ چاروں بھی کھلتے لگے۔ حمید برابر ہارے جا رہا تھا۔ اس نے
ہون کر لیا کہ پہنچے گائے جا رہے ہیں اس لئے اس نے احتیاط سے کھینٹا تروخ کر دیا۔ وہ برابر
پہنچ کا جا رہا تھا۔

”آج چال نہیں چل رہے ہو سینئھ کیا بات ہے۔“ ایک بولا۔

”آج پیسہ کم ہے۔“ حمید نے ہکا۔

”ارے تم اس کی پرواہ کیوں کرتے ہو۔ ادھار لے لو۔ اپنے ہی آدمی ہو کوئی غیر نہیں۔“

فختا ایک دھماکہ کی آواز سنائی دی۔ سب چونکہ پڑے۔ دلاور خان نے میز الٹ دی تھی

”سینئھ تم یہاں بیٹھو، میں ابھی آیا، پھر دو دو ہاتھ ہوں گے۔“ اس نے کہا اور اسی کمرے

پیسے ہوئے تھے۔

اب حمید کی سمجھ میں اچھی طرح آگیا تھا کہ یہاں کیا ہوتا ہے۔ اس نے چاروں طرف

نظر دوڑائی۔ وہ چونکہ پڑا، ایک میز پر دلاور خان بھی جاؤ کھیل رہا تھا۔ ایک طرف آڈی

بوتل شراب اور گلاس رکھے تھے۔ ہوتوں میں موٹا سا سکاردا ببا ہوا تھا۔ حمید نے پھر ایک پی

بلکر بیز کا آرڈر دیا۔ وہ اس میز پر بالکل تھا تھا۔ جیسے ہی بیر اشраб لے کر آیا کسی طرف۔ ”آجھا گیا۔ کھیل بند ہو گیا، سب لوگ اپنی اپنی جگہ دم بخود کھڑے تھے۔ نقاب پوش آہستہ

یہ کہ حمید کے ساتھی نے پستول نکال لیا، نہ جانے کس اچانک خیال کے تحت حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اور پر اٹھا دیا، گولی چل چکی تھی۔ بھلی کا بلب نشانہ ہو گیا اور سارے قبیلے خانہ میں ادھر اچھا گیا۔ انہیں میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگ ادھر ادھر ایک دسرے سے کراتے پھر رہے تھے۔ کسی نے حمید کی کمپنی پر ایک گھونسہ رسید کیا، وہ چکرا کر گرنے لگا۔ فوراً کسی نے اسے سنجال لیا اور اپنی پیٹھ پر لاد کر لے بھاگا۔ وہ اور پھر رہا تھا۔ اور پیڑھی پر بیٹھ کر اس کو اتار دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف آہستہ رینگنے لگا۔

”چپ چپ چلے آؤ۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ حمید کا سرچھت سے ٹکرایا تھا۔

”ذوں نے چھت ٹوٹنا شروع کی لیکن باہر جانے کا کوئی راستہ نہ ملا۔ چھت سے تقریباً ایک فٹ پیسہ کو چھت اور دیوار کے درمیان اتنی جگہ محسوس ہوئی جس میں ایک آدمی لیٹ کر باہمانی بیک ملتا تھا۔ غالباً اس کے ساتھی نے بھی اسے محسوس کر لیا تھا۔

”ادھر پڑھ چلو.....!“ اس نے آہستہ سے کہا۔
”دونوں اس دراز میں لمبے لمبے لیٹ گئے۔

”اب یہاں لیٹ کر کسی آنے والے کا انتظار کرنا چاہئے، یہاں دروازہ ضرور ہو گا ورنہ نیل کی کیا خودرت تھی۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

”مگر اس طرح ہم لوگ دیکھ لئے جائیں گے۔“ حمید نے ہما۔

”اچھا تو آگے کی طرف ہمکتا شروع کرو، دیکھیں ادھر کیا ہے۔“ وہ بولا۔ دونوں لیٹے فلیٹے رینگنے لگے۔ تھوڑی دور سرکنے کے بعد حمید نے عجیب قسم کی بدبو محسوس کی اور ساتھ میں پانچ بیٹھنے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دینے لگی۔

”دلاور آگے تھا۔ وغیراً وہ رک گیا۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی تارچ نکال کر روشن کر دیا۔ اگے دوٹ چوڑا اور تقریباً چار فٹ لمبا ایک گڑھا تھا۔ حمید اپنے ساتھی کو بغور دیکھ رہا تھا۔“

”چیخ کوئی گندہ تالا ب بہرہ رہا ہے۔“ اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ ”مگر بدبو بہت ہے۔ اب چلو ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہے کہ ہم لوگ اس میں کوڈ پڑیں کہیں نہ کہیں تو جا کر

آہستہ چلتا ہوا دلاور کے قریب آیا اور اسکے ہاتھ سے خالی بولی چین کر ایک طرف ڈالا۔

”دلاور خال چپ چاپ کھڑا تھا۔

”کون ہوتا.....!“ نقاب پوش گرج کر بولا۔

”دلاور خال چپ چاپ کھڑا رہا۔

”اسے یہاں کون لایا ہے۔“ نقاب پوش مجھ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”میں.....!“ حمید کا ساتھی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یہ وہی ہے جس سے کل میری اٹوی ہوئی تھی۔“

”اچھا تو یہ وہی ذات شریف ہیں۔“ نقاب پوش دلاور کی طرف دیکھ کر سر ہلاتے ہوئے بولا۔

”دلاور خال مکرانے لگا۔

”تم نے یہاں ہر بوجگ کیوں چاہی۔“ نقاب پوش تیز لبجہ میں بولا۔

”تمہارے کھلاڑی بے ایمانی کرتے ہیں۔“ دلاور خال نے پر کون لبجہ میں کہا۔

”بکواس ہے۔“ نقاب پوش نے کہا۔ ”تمہارے پاس کیا ثبوت ہے۔“

”یہ دوہرے ناش.....!“ دلاور اسے ناش کی دو گلڈیاں دکھاتے ہوئے بولا۔ ”ٹیپلے کی بیب پر ڈاکہ ڈالو تو ایک بات بھی ہے ہم جیسے تو تم جیسوں کے لئے جیب میں روپا دیکھ موجود رکھتے ہیں۔“

”بڑے تیس مار خال ہو!“ نقاب پوش طنزیہ لبجہ میں بولا۔

”میں تیس دو ساٹھ مار خال ہوں یہاں۔“ دلاور خال سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

نقاب پوش نے دلاور خال کے منہ پر ایک گھونسہ مار دیا، دلاور لکھڑا گیا۔ شاید وہ

کیلئے تیار نہ تھا۔ وہ جلد ہی سنبھل گیا۔ نقاب پوش نے دوسرا گھونسہ مارا۔ پھر تیرا اور پھر اس۔

گھونسوں کی بوجھاڑ کر دی۔ دلاور خاموشی سے پٹ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد نقاب پوش ہانپہ لگا۔

”اچھا باب ایک میرا بھی سنجالو۔“ دلاور نے اسے ست ہوتا دیکھ کر کہا۔ دلاور کا ہم

پڑتے ہی نقاب پوش ڈھیر ہو گیا۔ اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوش

لیکن اب کی دلاور نے اس کی ٹھوڑی پر ایک لات رسید کی، نقاب پوش ملبلاء اٹھا۔

ٹھیں گے۔"

اور اگر کبھی یہ نالا آگے چل کر نالی ہو گیا تو کیا ہو گا۔" حمید بولا۔

"اچھا، اور اگر یہاں پکڑے گئے تو کسی خاطر ہو گی۔ یہ بھی سوچ لو میری جان۔ پھر اس کے صلہ میں وہ تمہیں کافی کڑی سزادیں گے۔ میرے خیال میں تو اس نالے میں گھٹ کر مر کوئی اچھا نہ ہو گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی.....!" حمید نے بے بُی سے کہا۔

"اچھا تو پہلے میں کو دتا ہوں۔" یہ کہہ کر دلاور اس گڑھے میں اتر گیا۔ نیچے سے الہ تارچ دکھائی اور حمید بھی کو دپڑا۔ تقریباً چار پانچ فٹ چوڑا قد آدم نالا تھا۔ سارے شہر کا گناہ اس میں بھا کرتا تھا۔ حمید نے اپنی ناک مضبوطی سے دبارکھی تھی۔ دونوں آہستہ آہستہ بروم لگے۔ پانی حمید کی کمر تک تھا۔

"میرا تو مگھٹ رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اگھرا وہ نہیں..... یہ نالا ہرگز نالی نہیں ہو سکتا ہے۔"

"لیکن ہم کب تک اس طرح چلتے رہیں گے۔ باہر نکلنے کی کیا صورت ہو گی۔" حمید نے کہا۔

"تم نے سڑکوں پر بعض جگہ لو ہے کی جنگریاں لگی ہوئی دیکھی ہوں گی۔ ان کا تعلق نالا سے ہے گھبراو نہیں۔"

تحوڑی دیر چلنے کے بعد پانی کی سطح پر روشنی کے کئی لبریے دکھائی دیے۔

چلو جنگری بھی آگئی۔" حمید نے کہا۔

"پاگل ہوئے ہو، اس جگہ کافی آمد و رفت معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہاں اوپر نکلنا تو اس خاصی حجاجت بن جائے گی۔ تم تو خیریت ہی جاؤ گے لیکن میرے سلسلہ میں کافی چجان نہیں جائے گی اور تیجہ یہ ہو گا کہ میں جیل میں نظر آؤں گا۔"

"بھلا میں کیسے نجی چاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"حمدیہ میاں، تم مارواڑی کے بھیس میں مجھ سے نہ چھپ سکو گے۔" دلاور خال نہیں۔

بلا۔ "خیر چلو..... میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اگر آج تم میرے پیچھے نہ لگتے تو میں دوسروں پناہیں ہوتا۔"

"کیا واقعی تمہارا تعطیل ان لوگوں سے نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہرگز نہیں..... میں ان لوگوں سے بدلتے بغیر نہ چھوڑوں گا۔"

"آخر یہ لوگ ہیں کون۔" حمید نے پوچھا۔ "اور وہ نقاب پوش کون تھا۔"

"ناولی کا ماں ک سنتوش.....!" دلاور نے کہا۔ "یہ لوگ صرف یہیں تک محدود نہیں، نہیں نے اپنا جاہل دور دور تک پھیلا رکھا ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو کل ہی....."

"جی ہاں کل ہی آپ انہیں گرفتار کر لیں گے۔" دلاور نے طریقہ انداز میں کہا۔ "ان کے نلاف ثبوت کیسے مہما کرو گے۔"

"تمہرہ خانہ اور اس کی غیر قانونی حرکتیں۔" حمید نے کہا۔

"تو کیا تم اس تمہرہ خانہ میں دوبارہ پہنچ جانے کی امید رکھتے ہو۔" دلاور نے کہا۔ "کیا تمہاری آنکھوں پر پی نہیں باندھی آگئی تھی۔"

"ہم لوگ اسی نالے کی راہ سے حلہ کریں گے۔" حمید نے کہا۔

"بہت خوب.....!" دلاور نے پس کر کہا۔ "وہ گڑھا اسی وقت پاٹ دیا جائے گا اور کل تمہیں اس کا نشان تک نہ ملے گا۔"

"خیر چھوڑو.....!" حمید نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے فریدی صاحب کو کیوں گرفتار کر رکھا ہے۔"

"فریدی کو آج چھوڑ دیا ہے۔" دلاور نے کہا۔ "کیا وہ ہرگز نہیں پہنچا۔"

"نہیں.....!" حمید نے کہا۔

"تو پھر مجھے ذر ہے کہ کہیں وہ سنتوش کے تھے نہ چڑھ گیا ہو۔"

"نہیں.....!" حمید نے کہا۔

"میری تو خاک سمجھ میں نہیں آتا کہ آخراب کیا ہو رہا ہے۔" حمید نے بے بُی سے کہا۔

”چیز ہی اسکی ہے کہ اسے سینھا اگر وال، فریدی، سنتو ش اور میرے علاوہ کوئی اور جان بھی نہیں سکتا۔“

”اچھا تم نے فریدی کی تجویز سے کیا چیز غائب کی تھی۔“ حمید نے پوچھا۔

”یہی تو ہمارا راز ہے، جو بتایا نہیں جاسکتا۔“ دلاور نے کہا۔ آخر فریدی نے تم کیوں چھپایا تھا۔“

”یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔“ حمید نے کہا۔

”اچھا دیکھو وہ روشنی دکھائی دے رہی ہے۔ یہ جگہ سفان معلوم ہوتی ہے۔“ دلاور نے کہا۔ حمید نے اوپر سراخا کر دیکھا۔ جنہیں سے دھنڈ لی دھنڈ لی روشنی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ سڑک کا یہ حصہ کافی ویران معلوم ہوتا تھا۔ حمید نے دونوں ہاتھ اٹھا کر جنہیں میں نکادیے اور زور لگانے لگا لیکن جنہیں جنہیں نہ ہوئی۔ دلاور ہنسنے لگا۔ اس نے حمید کو ایک طرف ہٹا دیا۔ چند منٹوں کی جدوجہد کے بعد وہ جنہیں کو اس کی جگہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو گیا۔ دونوں اچھل کر باہر آئے۔ جنہیں پھر وہیں فٹ کر دی گئی۔ حمید سردی کی وجہ سے بُری طرح کانپ رہا تھا۔ لیکن دلاور پر کوئی خاص اثر نہ معلوم ہوتا تھا۔

”اچھا شکریا!“ دلاور نے حمید سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ”تم نے میری جان بچالی ہے۔“

”اور تم نے میری.....!“ حمید نے کہا۔ ”دونوں برابر ہو گئے۔“

”مطلوب.....!“ دلاور ہنس کر بولا۔

”یہی کہاگر آسانی سے کہی میرے ہتھے چڑھ گئے تو چھوڑوں گا نہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”لوٹے ہو حمید میاں، چالیس سال سے آزاد پھر رہا ہوں ابھی تک تو کوئی مالی کالال ایسا پیدا نہیں ہوا جو مجھے پکڑ سکے۔“

”آخر دیکھا جائے گا۔“ حمید بولا۔ ”اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔“

حمد نے دوسرے دن ساری روئیداد چیف انپکٹر کو سنائی۔ وہ سنائے میں آگیا۔ ”واقعی فریدی کی صحبت نے تم پر گہرا اثر ڈالا ہے۔“ چیف نے کہا۔ ”اس وقت کوئی انپکٹر نہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔“

”ذرہ نوازی ہے آپ کی۔“

”اور مجھے حیرت ہے کہ آخر فریدی تمہاری ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کیوں ڈالتا رہتا ہے۔“ ”در اصل وہ یہ نہیں چاہتے کہ میں ان سے الگ رہوں۔“ حمید نے کہا۔

”ایسی سنک ہے۔“ چیف نے کہا۔ ”اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے دلاور خاں کو کیوں نکل جانے دیا۔“ ”اس وقت میں کریں کیا سکتا تھا۔“

”یکھو یہ بہت اچھا موقع ہے۔ جب دو بدمعاشوں میں کھٹ پٹ ہو جائے تو ہمیں اس پر اپر انکدھ اٹھانا چاہئے۔ غالباً تم میرا مطلب سمجھ گے ہو گے۔“

”بہت اچھی طرح۔“

”تو آج رات کو ہم لوگ ناٹھ چل رہے ہیں۔“ چیف نے کہا۔ ”تمہرے خانہ میں پہنچنا تو بکالیں ہے کیونکہ وہ لوگ اب کافی محاط ہو گئے ہوں گے۔“

”یقتو ہے۔“

”جب تک ہمارے پاس مکمل ثبوت نہ ہو، ہم ان لوگوں کو گرفتار نہیں کر سکتے۔“ چیف نے ”دلاور خاں پر بھی کسی نہ کسی طرح ہاتھ پڑنا ہی چاہئے۔“

”کمال ہے۔“

”نکف بر طرف۔“ دلاور تیز لبجہ میں بولا۔ ”میں اپنے کل رات کو ہارے ہوئے روپے

”کیوں.....؟“

”باہلینے آیا ہوں۔“

”ہارے ہوئے روپے!“ سنتوش نے تحریر ہو کر کہا۔ ”شاید آپ بھول رہے ہیں،

آزادانہ کس طرح گھومتا پھرتا ہے۔“

ہارے ہیاں جوانہیں ہوتا۔ آپ کہیں اور ہارے ہوں گے۔“

”یہاں اسے کوئی پیچانا نہیں۔“ چیف نے کہا۔

”اور آپ کا دانت بھی کہیں اور ٹوٹا ہو گا۔“ دلاور نے غمزیدہ لبجہ میں کہا ”اور آپ کی

”ایک صورت سے ہمیں اس سے بڑی مددل سکتی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”وہ کیسے؟“

”آپ نہ جانے کسی باتیں کر رہے ہیں۔“ سنتوش نے کہا۔ ”شاید آپ زیادہ پی گئے ہیں۔“

”نی الحال ہم لوگ اسے اپنے ساتھ ملائیں وہ بھی ان لوگوں کا جانی دشمن ہو رہا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ممکن ہے۔“ دلاور نے کہا۔ ”لیکن اتنا یاد رکھنا کہ دلاور خال پشاوری سے ٹکر لیتا آسان

کام نہیں۔“ دلاور نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ ہو گا کیسے.....؟“ چیف نے کہا۔

سنتوش آنکھیں چھاڑے ہوئے اُسے گھور رہا تھا۔

”یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔“

”تو استاد پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا تھا۔“ سنتوش نے آہستہ سے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔

”تم نے پوچھا کب تھا.....!“ دلاور نے لاپرواں سے کہا۔

”تو آپ ادھر کب سے آئے۔“



”حال ہی میں آیا ہوں اور تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میں سیٹھا اگروال کیلئے کام کر رہا ہوں۔“

اسی دن ناٹھی ہوٹل کے ایک کمرے میں دلاور بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ یہ ایک بہترین لڑ

”سمجا..... لیکن آپ کو اس سے کیا فائدہ ہو گا، جب کہ میرے علاوہ اور کوئی دوسرا اس

ہونوں میں دباتے ہوئے صوفے کے تکلیف سے لگ گیا۔ فتحا ایک آدمی کمرے کا دروازہ کھلا

کر اندر داخل ہوا۔ دلاور نے پلٹ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارانہ کی۔ آنے والا کچھ دریک

کے پیچے کھڑا اسے گھوڑا رہا۔

”نہیں..... مجھ سے پہلے ہی کوئی اڑا لے گیا اور اسی رات کو جب میں نے بھی اس کے

لئے کوشش کی تھی۔“

”فرمائیے کیسے تکلیف، کی۔ میرے لائق کوئی خدمت.....!“ وہ آدمی بولا۔ دلاور

”اور پھر تم نے اسی جھلاہٹ میں اگروال پر گولی چلا دی۔“

ایک خاص انداز میں مسکرا کر پلٹا۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

”یا آپ کو کیسے معلوم ہوا۔“ سنتوش بے ساختہ بولا۔

” غالباً میں سنتوش پابو سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔“ دلاور نے

”مجھ سے اس شہر کے کسی بدمعاش کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔“

”ہوئے کہا۔

”تشریف رکھئے۔“ سنتوش نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”فرمائیے۔“

”تو پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ وہ چیز کون لے گیا۔“

”ابھی تو نہیں لیکن میں اس کا پتہ جلد لگاؤں گا۔“

”آپ وہ چیز اس سے حاصل کر کے سینہ اگروال کو دے دیں گے۔“

”ہاں.....!“

”اگر آپ اس چیز کے راز کو جانتے ہوتے تو کبھی ایسی بات نہ کہتے۔“ سنتوش نے کہا۔
”خیر سینہ اگروال اسے دوبارہ پا جانے پر بھی کسی نتیجہ نہیں پہنچ سکتا۔“

”میں اسے سمجھ سکتا ہوں لیکن مجھے اس سے کیا۔ میں اسے اس کے حوالے کر کے اس سے مطابق معاوضہ وصول کرلوں گا۔“

”کوئی اس کی قیمت لگائی نہیں سکتا۔“ ماما

”میں یہ بھی جانتا ہوں۔“ دلاور نے کہا۔

”اگر آپ یہ بھی جانتے ہیں تو پھر اسے حاصل کر کے میرے حوالے کر دیجئے۔“

”آدھے آدھے کی رہی۔“

”چلو منظور۔“ دلاور نے کہا۔ ”لیکن پہلے مجھے وہ تعریز دکھادو۔“

”ارے.....!“ سنتوش چوک کر بولا۔ ”تو کیا آپ یہ بھی جانتے ہیں۔“

”میں کیا نہیں جانتا۔“ دلاور بولا۔ ”لاؤ اسے جلدی لاؤ، ورنہ سب معاملہ عقریب گڑھ لے کر کر کہا۔“

”ہو جائے گا۔“

سنتوش کچھ سوچنے لگا۔

”میں جانتا ہوں کہ پٹھان بات کے کپے ہوتے ہیں۔“ سنتوش نے کہا۔ ”میں آپ کو“

”تعریز دکھاتوں لیکن میری ساتھ دغا نہ کیجئے گا۔“

”دغا تو میں سینہ اگروال کے ساتھ بھی نہ کروں گا۔“

”کیا مطلب.....؟“ سنتوش چوک کر بولا۔

”لیکن کہ میں نے اس چیز کی واپسی کا وعدہ کیا ہے، وہ چیز اسے واپس کی جائے گی۔“

”برات ہے کہ گودا ہمارا ہوا اور چھلکا اُس کا۔“
سنتوش نے تھہر لگایا۔

”ماننا ہوں استاد.....!“ یہ کہہ کر وہ انھا اور باہر جانے لگا۔

”دھہر.....!“ دلاور نے کہا۔ ”یہ بھی سن لو کہ میں صرف ایمانداروں کے ساتھ
ایمانداری برداشت کرتا ہوں۔“

”اس سے آپ مطمئن رہئے۔ میری بات بھی کپکی ہی ہوتی ہے۔“
سنتوش چلا گیا۔ دلاور نے بجھا ہوا سارے لگایا اور آنکھیں بند کر کے صوفہ پر شم دراز ہو گیا۔
تقریباً پندرہ میٹ ب بعد سنتوش لوٹا۔ اس کے ہاتھ میں چڑی کی ایک تھیلی تھی۔

”یہ لیجئے۔“ سنتوش نے بیٹھنے ہوئے کہا۔

دلاور نے تھیلی کھول کر اس میں سے ایک چھوٹا سا کانگڈ نکالا اور اسے بغور دیکھتا رہا۔

پھر سنتوش کو واپس کرتے ہوئے بولا۔ ”میرے خیال سے اسے جلا دو۔“
”کیوں.....؟“

”اسلئے کہ جو شخص وہ چیز اگروال کے یہاں سے لے گیا ہے وہ اس کی فکر میں بھی ہو گا۔“

”ارے تو اب ایسا کوئی نہیں کہ سنتوش کے قبضہ سے اسے نکال لے جائے۔“ سنتوش

نے اکڑ کر کہا۔

”کرنے لگے وہی بچپنے کی باتیں۔“ دلاور نے کہا۔ ”فرض کرو کہ میں نے ہی اس چیز کو
بلایا ہوا اس وقت میں نے تمہیں دھوکہ دے کر اس کی دوسری کڑی بھی معلوم کر لی۔“

سنتوش نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

”اچھا میں آپ کے کہنے پر عمل کروں گا۔“ سنتوش نے کہا۔

”تو اب میں چلتا ہوں، رات کو کسی وقت آؤں گا اور ہاں ذرا ہوشیار رہنا۔ یہاں کے
ہاؤں کی تم پر کڑی نظر ہے۔ کل تو ایک تھہارے تہہ خانہ میں بھی بچپن گیا تھا۔“ دلاور نے کہا۔

”مجھے سب معلوم ہے۔ تہہ خانہ کا راستہ ان کے باپ کو بھی نہیں معلوم ہو سکتا اور یہاں

”ہارض ہونے کی ضرورت نہیں سرکار..... یہ بچھے۔“ اجنبی نے ریوالور جیب میں ڈال لیا۔
 ”آن ختم ہو کون.....؟“ چیف نے پوچھا۔
 ”دوسٹ“ یہ کہہ کر اجنبی نے سگریٹ سلاٹانے کی دیا سلامی جلائی اور حمید کے منہ سے

باندھ لکھا۔
 فریدی صاحب.....؟“

”فریدی.....!“ چیف نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ ”یہ کیا.....؟“

”بس چپ چاپ گھر کی طرف چلے چلے۔ اگر میں وقت پر نہ پہنچ جاتا تو آپ لوگ گئے ہاتھ سے۔“

”وہ تینوں واپس جانے کے لئے مڑے۔

”آخربات کیا ہے۔“

”اس سننان راست پر کبھی اور کبھی آپ کو کوئی یہی ملتی تھی۔“ فریدی نے کہا۔
 ”نہیں..... لیکن اس سے کیا بحث۔“

”یہ تو خاص چیز ہے۔ آپ لوگوں کو غائب کرانے کا پروگرام بنایا گیا تھا، بدمعاشوں کو لی طرح اطلاع عمل گئی تھی کہ آج آپ لوگ ناولی میں آنے والے ہیں۔ اس لئے انہوں نے یہی سے آپ کی سواری کا انتظام کر دیا تھا۔“

”نہیں ان سب باتوں کی اطلاع کیے ہوئی۔“ چیف نے کہا۔

”ظاہر ہے کہ میں اتنے دنوں تک محض جھک نہیں مار رہا تھا۔“

”وہ کچھ سی..... لیکن تم کسی نہ کسی دن اپنی جان خطرے میں ضرور ڈال لو گے۔ آنراہ سا کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“

”اپنا اپنا طریقہ کارہے اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ مجھے خطروں سے کتنا پیار ہے۔“
 ملی بللا۔

”مگر مجھے تھا را یہ طریقہ پسند نہیں۔“ چیف نے کہا۔

اوپر کوئی ایسی چیز نہیں جسکی بناء پر وہ مجھے ہاتھ لگا سکیں، ان سے تو میں اچھی طرح نیٹ لولو گا۔
 دلاور سنتو ش سے ہاتھ ملا کر باہر چلا آیا۔



اسی رات کو حمید اور چیف ناولی ہوٹل کی طرف جا رہے تھے۔ چیف کا بغلہ شہر کے بیرون واقع تھا۔ اس لئے شہر جانے کے لئے انہیں سڑک کا ایک بہت بڑا اور ان حصے طے کرنا پڑتا تھا۔ رات کو تقریباً آٹھ بجے تھے۔ یہی کی روشنی تاریک رات کا سینہ جیتنی ہوئی آگے گئے بڑھ رہی تھی۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ آج انہیں ایک یہی اس غیر آباد علاقہ میں مل گئی، ورنہ انہیں پہلی ہی آنا پڑتا۔ فریدی کی کار جو حمید کے استعمال میں رہتی تھی وہ آج پھر خراب ہو گئی تھی۔

ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ انہیں نیچے سڑک پر ایک آدمی ہاتھ اٹھائے ہے۔ کھڑا دکھائی دیا۔ اس نے اپنے چڑڑے کا لارکھڑے کر رکھتے تھے اور نائٹ کیپ آگے کی طرف اس طرح جھکا رکھتی تھی کہ چیرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔

ڈرائیور نے اسکے قریب ہنچ کر یہی روک دی۔ وہ شخص کھڑکی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

”ہینڈز اپ.....!“ اس نے ریوالور نکال کر یہی کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا۔ ”تم دونوں نیچے اتر آؤ.....!“ پراسرار اجنبی نے حمید اور چیف انپکٹر سے تکمانتہ لجھ میں کہا۔

دونوں خاموشی سے ہاتھ اٹھائے ہوئے نیچے اتر آئے۔

”جاوہ بیٹا۔“ پراسرار اجنبی نے ڈرائیور سے کہا۔ ”آپنے استاد سے کہہ دینا کہ بیرے ٹال پر ہاتھ نہ ڈالا کرے ورنہ اچھا نہ ہوگا۔“

ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اجنبی نے دو تین ہوائی فائر کے اور یہی نظر دی۔

غائب ہو گئی۔ اب وہ اجنبی ان دونوں سے مخاطب ہوا۔

”ناولی ہوٹل اچھی جگہ نہیں..... خصوصاً شرفاوں کے لئے۔“ اس نے کہا۔

”تم کون ہو۔“ حمید گرج کر بولا۔ ”خیریت اسی میں ہے کہ ریوالور جیب میں رکھ لو۔“

”پرسوں رات کونو بجے کم از کم پھیں جوان سادے لباس میں لے کر ناولی بچنے جائے گا رہا۔ اگر دلاور سے مدد بھیڑ ہو جائے تو اسے فی الحال نظر انداز کرنکی کوش سیکھنے گا ورنہ سب مالہ گز بڑے جائے گا۔ اچھا تو اب میں چا۔ اب سنتوں کی گرفتاری کے بعد ہی ملاقات ہو گی۔“

چیف کا بلند قریب تھا۔ فریدی واپس لوٹنے کے لئے مرا۔

”سننے تو کہی۔“ حمید نے بے قراری سے کہا۔

”نہیں اس وقت نہیں..... تمہیں کافی اختیاط کی ضرورت ہے۔ میرے بتائے ہوئے میں نے اس وقت اس سے ایک ڈاکو کی حیثیت سے بات کی تھی۔“ فریدی نے کہا۔ نے پہلے ناولی کے قریب بھی جانے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی نے کہا اور تیز قدموں عاملات حد درجہ دلچسپ ہو گئے ہیں۔ بدمعاشوں کی دو پارٹیوں میں ٹھن گئی ہے۔ ان میں چنانہ اگر وال کے پہاڑ سے ایک پارٹی سنتوں کی ہے اور دوسرا ان لوگوں کی ہے جنہوں نے سینہ اگر وال کے پہاڑ ڈاکر ڈالا تھا۔ جس دن یہ واردات ہوئی تھی اس دن سنتوں اور ان کے ساتھیوں نے گلی بیٹھنے کے لئے اگر وال کے گھر میں گھنسنے کا پروگرام بنایا تھا۔ یہ لوگ ان دونوں کے بعد آئے تھے اور سنتوں کی گولی سے سینہ اگر وال زدی بھی ہوا تھا۔“

عجیب و غریب عشق

”لیکن بہترین بھی میں نہ آسکا کہ ان لوگوں کا مقصد کیا تھا۔“ چیف اپنے نہ کہا۔ فریدی کے بتائے ہوئے پلان کو شام ہی سے ایک ایک دو دو کر کے پولیس کے مسلح گزر یہ تو ابھی تک بھی نہیں معلوم ہوا کہ لیکن سنتوں کو قانون کی زد میں لانے کے اے لباس میں ملبوس جوان ناولی میں اذہ جمانے لگے۔ فریدی کی ہدایت کے مطابق وقت پہلے کی نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے ناولی والوں کو ہوشیار ہو جانے کا اشارہ ملتا۔ نو اور ایک دلچسپ بات اور سنو.....!“ چیف نے کہا۔ ”آج کل دلاور خال پھر دکما برات تک جوانوں کی مقررہ تعداد ناولی میں پہنچ گئی۔ چیف اور حمید بھی بھیس بدلے ہوئے دے رہا ہے اور جس وقت تمہارے ساتھ حادثہ پیش آیا تھا وہ پولیس کی عاصب کی ہوئی لارڈاں موجود تھے۔“

”ہر شخص اپنی جگہ پر کسی چیز کا منتظر تھا۔ لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ اگلے لمحے میں کیا ہونے اہے۔ چیف اور حمید کی نگاہیں فریدی کو ڈھونڈ جرعنی تھیں۔ لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔“

”فریدی تو دھکائی نہیں دے رہا ہے۔“ چیف نے آہستہ سے کہا۔

”میں بھی یہی سورج رہا ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”تھے جانے آئندہ ان کی ایکم کیا ہے۔“

”کہنیں مفت کی دردرسی نہ ہو۔“ چیف بولا۔

”میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن کیا کروں میں اپنی طبیعت لا جبور ہوں۔ بعض کیس ہی ایسے ہوتے ہیں کہ مجھے تھا کام کرنے پر جبور ہونا پڑتا ہے۔“

”خبر بھی..... تم جاؤ، سمجھنا میرا کام ہے۔“ چیف نے کہا۔ ”اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم نے اس ایور کو یونی کیوں نکل جانے دیا۔“

”ابھی فی الحال اسے گرفتار کر لیا تھیک نہیں تھا۔“

”کیوں.....؟“

”” میں نے اس وقت اس سے ایک ڈاکو کی حیثیت سے بات کی تھی۔“ فریدی نے کہا۔ نے پہلے ناولی کے قریب بھی جانے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی نے کہا اور تیز تیز قدموں عاملات حد درجہ دلچسپ ہو گئے ہیں۔ بدمعاشوں کی دو پارٹیوں میں ٹھن گئی ہے۔ ان میں چنانہ اگر وال کے پہاڑ سے ایک پارٹی سنتوں کی ہے اور دوسرا ان لوگوں کی ہے جنہوں نے سینہ اگر وال کے پہاڑ ڈاکر ڈالا تھا۔ جس دن یہ واردات ہوئی تھی اس دن سنتوں اور ان کے ساتھیوں نے گلی بیٹھنے کے لئے اگر وال کے گھر میں گھنسنے کا پروگرام بنایا تھا۔ یہ لوگ ان دونوں کے بعد آئے تھے اور سنتوں کی گولی سے سینہ اگر وال زدی بھی ہوا تھا۔“

”لیکن بہترین بھی میں نہ آسکا کہ ان لوگوں کا مقصد کیا تھا۔“ چیف اپنے نہ کہا۔ فریدی کے بتائے ہوئے پلان کو شام ہی سے ایک ایک دو دو کر کے پولیس کے مسلح گزر یہ تو ابھی تک بھی نہیں معلوم ہوا کہ لیکن سنتوں کو قانون کی زد میں لانے کے اے لباس میں ملبوس جوان ناولی میں اذہ جمانے لگے۔ فریدی کی ہدایت کے مطابق وقت پہلے کی نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے ناولی والوں کو ہوشیار ہو جانے کا اشارہ ملتا۔ نو اور ایک دلچسپ بات اور سنو.....!“ چیف نے کہا۔ ”آج کل دلاور خال پھر دکما برات تک جوانوں کی مقررہ تعداد ناولی میں پہنچ گئی۔ چیف اور حمید بھی بھیس بدلے ہوئے دے رہا ہے اور جس وقت تمہارے ساتھ حادثہ پیش آیا تھا وہ پولیس کی عاصب کی ہوئی لارڈاں موجود تھے۔“

”میں بھی اپنی باتیں تم ہی سمجھو.....!“ چیف نے اکتا کہا۔

”” اسے الجھان نہیں چاہئے، اس میں بھی ایک راز ہے۔“

کہا۔
 ”جی ہاں، بُری طرح ڈاؤن ہے۔“ حمید بولا۔
 ”مگر فریدی اب تک نہیں آیا۔“ چیف نے کہا۔
 ”معلوم نہیں کیا بات ہے۔“ حمید نے کہا۔
 ”ہاں تو پیارے بھائیو۔“ دلاور پھر چینا۔ ”میں جادوگ ہوں، کالا جادوگ..... میں ایک منٹ
 لے مرغی سے اغا اور اغا سے مرغی بنا سکتا ہوں۔ خرگوش میں سے ہیئت نکال سکتا ہوں۔“
 ”خرگوش میں سے ہیئت۔“ ایک آدمی ہنستا ہوا چینا۔
 ”نہیں، ہیئت میں سے خرگوش.....!“ دلاور چینا۔ ”دیکھنے میرا کمال، یہ دیکھنے یہ ایک
 ایسے باتیے اسے کیا بنا دوں۔“
 ”آئی.....!“ ایک آواز آئی۔
 ”نہیں..... خرگوش.....!“ دوسری آواز سنائی دی۔
 ”نہیں بھائی اود بلا۔“ تیسرا چینا۔

”اچھا تو میں اسے توڑ کر پئے لیتا ہوں۔“ دلاور نے اغا توڑ کر حلق میں اٹھیتے ہوئے
 لہا۔ ”اب یہ تھوڑی دری کے بعد ہضم ہو جائے گا، کہنے ہے ناکمال۔“
 سارا ہاں تالیوں سے گونج اٹھا۔

”ہاں تو بھائیو.....!“ وہ اسی چوتھے پر بیٹھتے ہوئے بولا جس پر بت نصب تھا۔ ”میں
 لاورت پر عاشق ہوں، لیکن یہ بڑی سنگدل ہے۔ میری قطعی پروانہ نہیں کرتی۔ میں یعنی کہتا
 بلکہ میں اس کے عشق میں گھل گھل کر مر جاؤں گا۔“

اس نے بہت کے پیروں سے پنکہ بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔ سارے لوگ ہنسی کے
 عورت پر مرتا ہوں یہ میری محبوبہ ہے۔ کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے۔“

”ہرگز نہیں..... ہرگز نہیں۔“ بیک وقت بہت سی آوازیں آئیں۔
 ”آپ لوگ ہنتے ہیں۔“ وہ رونی آواز میں بولا۔ ”خدا کرے آپ کو بھی کسی سنگدل سے
 مکحص علوم ہوتا ہے بہت زیادہ پیلی ہے۔“ چیف انپکٹر نے حمید کی طرف جھک کر آہنگ لہو جائے۔ میرا دادا اس کے عشق میں مر گیا، میرا باپ اسکے عشق میں مر گیا اور اب میں بھی

”یہ نامکن ہے۔“ ”حید نے کہا۔“ فریدی بے بنیاد چیزوں پر کبھی کوئی قدم نہیں انداختا۔
 ”خرباب تو آہنی گئے ہیں، جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔“
 ”ہاں..... دیکھنے۔“ حمید نے کہا۔
 ”یہ بات بھی عجیب و غریب ہے۔“ چیف نے کہا۔ ”دور سے بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے
 جیسے بچ کوئی عورت کھڑی ہو۔“
 ”عجیب قسم کا رنگ دروغن ہے اس کے چہرے پر۔“ حمید نے کہا۔
 ابھی ان دونوں میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دیکھتا کوئی آدمی نہایت بھروسی اور بے
 ہنگم آواز میں گانے لگا۔ ہر فرد اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دلاور خان نشہ میں دھتہ ہاتھ میں
 ایک خالی بوتل لئے لڑکھڑاتا اور گاتا ہوا ہاں میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے دروازے پر کر کر
 چاروں طرف نظریں دوڑا کیں اور ایک قہقہہ لگا کر پھر گانے لگا۔ وہ اپنی مادری زبان پتوٹیں
 کوئی گیت گا رہا تھا۔
 ہوٹل کا نیجہ گھر اس کی طرف دوڑا۔ وہ اس سے آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔
 ”میں تو گاؤں گا.....!“ دلاور خان چیخ کر بولا۔ ”دیکھتا ہوں کی میرا کوئی کیا کرتا ہے۔
 امیں تمہارے مالک سنتوٹھ بایلو کا دوست ہوں۔“
 ”گانے دو بھائی گانے دو.....!“ کئی مدھوں شرابی چیخ۔

”جو میرے ساتھیو..... جیو۔“ دلاور خان نے جھوٹتے ہوئے بولا۔ ”ہم ہی جیسوں کے
 دم سے دنیا قائم ہے ورنہ کبھی کی قیامت آگئی ہوتی۔“
 چند شرایوں نے زور سے قہقہہ لگایا۔

”میرے پیارے بھائیو.....!“ دلاور خان بہت کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”میں اسی
 عورت پر مرتا ہوں یہ میری محبوبہ ہے۔ کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے۔“
 ”ہرگز نہیں..... ہرگز نہیں۔“ بیک وقت بہت سی آوازیں آئیں۔
 ”آپ لوگ ہنتے ہیں۔“ وہ رونی آواز میں بولا۔ ”خدا کرے آپ کو بھی کسی سنگدل سے
 مکحص علوم ہوتا ہے بہت زیادہ پیلی ہے۔“ چیف انپکٹر نے حمید کی طرف جھک کر آہنگ لہو جائے۔

اس کے عشق میں مر جاؤں گا۔ وہ پھر اسکے ہمراوں سے پٹ کرائے جم پر ہاتھ پھر نہ لگا۔
دفعتاً ایک کھنکا ہوا اور وہ بت کھک، کر ایک طرف ہو گیا جس جگہ وہ نصب تھا۔ وہاں ایک
غار پیدا ہو گیا اور دلاور خاں اسی غار میں گر کر غائب ہو چکا تھا۔ حمید نے میٹی بجائی۔ سارے
جو انوں نے اپنے اپنے پستول نکال لئے۔

”خبردار کوئی اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرے۔“ ایک سب انپکٹر چینا۔

”بیز بی تم پانچ جوانوں کے ساتھ ہیں ظہرو.....!“ چیف انپکٹر بت کی طرف بڑھا۔

”سب دروازے بند کرالو کوئی باہر نہ جانے پائے اور بقیہ لوگ میرے ساتھ آئیں۔“

یہ غار ایک تہہ خانے کا راستہ تھا۔ وہ سب تہہ خانہ میں اتر گئے۔ تہہ خانہ میں حسب دست
جوا ہو رہا تھا۔ ناجائز شراب، افیون، چاند و اور کوکین فروخت ہو رہی تھی۔ شہر کی عیاش طبع متوا
عورتیں عیش کر رہی تھیں پولیس والے آہستہ آہستہ سارے تہہ خانے میں پھیل گئے۔ دلاور خاں
کا کہیں پتہ نہ تھا۔

”آج سے دس سال قتل دلاور خاں کے لئے حکومت نے دس ہزار روپے کا انعام رکھا
تم۔ جو آج بھی بدستور قائم ہے۔ فریدی اسے حاصل کرنیکی ضرور کوشش کریں گا۔“ چیف نے بتایا۔
”میں ہاں ضرور.....!“ کمرے کے باہر سے آواز آئی اور پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔
حمدی اور چیف کے سامنے دلاور کھڑا تھا۔
”ہینڈر اپ.....!“ حمید نے پستول نکال کر کہا۔
”دلاور خاں پہنچنے کا۔“

”شباش میرے لال.....!“ دلاور بھری انداز میں بولا۔ ”جس پوچھو تو میں تمہاری یہ
گلی کا نشانہ بننے کی امید پر اب تک جی رہا ہوں۔“
چیف اور حمید حیرت سے منہ کھو لے کھڑے تھے۔ ان میں اتنی ہمت بھی نہ رہ گئی تھی کہ
ترستے آواز تک نکال سکتے۔

”کیوں حمید..... میرے احسان کا بھی بدله ہے۔“ دلاور مسکرا کر بولا۔ ”اگر میں آج
تمہاری رہنمائی نہ کرتا تو تمہارے فرشتوں کو بھی تہہ خانہ کا راستہ نہ معلوم ہو سکتا۔“
”تو اس کا مطلب ہے کہ اس احسان کے پدلے میں ایک بھی انک خونی کو چھوڑ دیا
گی۔“

سنٹوش کو بہت جلد اس کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے بھی مورچ سنبھال لیا۔ تقریباً آدھے
تک دونوں طرف سے گولیاں چلتی رہیں۔ آہستہ آہستہ سنٹوش کی پارٹی ست ہوتی جا رہی تھی
اس دوران میں سنٹوش بری طرح رُخی ہو گیا۔ آخر کار فتح پولیس کی ہوئی اور سارے بدھا
پکڑ لئے گے۔ لیکن سنٹوش غائب تھا۔ اس کی ملاش برابر جاری تھی۔ دفعتاً ایک کمرے سے اُ
چلنے کی آواز آئی۔ حمید کمرے کی طرف لپکا لیکن فوراً نیو وہ باہر نکل آیا۔

”کیا بات ہے۔“ چیف نے پوچھا۔

”سنٹوش نے خود کشی کر لی۔“ حمید نے بتایا۔

ڈاکو پولیس کی لاری میں بھر کر کوتولی کی طرف لے جائے جا رہے تھے۔ ایک کار
حیمد، چیف اور بیز بی میٹھے تھے۔

”دلاور خاں نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔“ چیف نے ہکا۔

”معلوم نہیں اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔“ حمید نے کہا۔ ”میں نے تو اتنا ہا۔“

جائے۔ ”چیف نے کہا۔

”اچھا تو مجھے خادم حاضر ہے۔“ دلاور زمین پر اکڑوں پیشتے ہوئے بولا۔
اس نے اپنا منہ گھٹوں میں چھپا لیا تھا۔

حید نے بڑھ کر اس کے ہاتھوں میں ہٹکڑیاں لگادیں۔ وہ بدستور اسی طرح بزم
ورکٹ بیٹھا رہا۔

”آپ میں تھہریے میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔“ حید نے کہا۔

”ارے..... ارے۔“ دلاور خان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”فریدی.....!“ چیف جیرت سے بولا۔

”ارے آپ.....!“ حید بخوبی کارہ گیا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ کھنی موچھیں اس کے پیروں کے پاس پڑی ہوئی تھیں۔

”بھی خدا کی قسم کمال کر دیا تم نے۔“ چیف نے اس کی پیٹھے ٹھوکتے ہوئے کہا۔

”سب محبت ہے آپ کی۔“

”تو کیا شروع ہی سے دلاور خان کا روں ادا کر رہے تھے۔“ چیف انپکٹر نے پوچھا۔

”بھی ہاں..... اگر یہ کرتا تو اس تہہ خانہ تک رسائی ناممکن تھی۔“ فریدی نے کہا۔

”میں کئی راتوں سے نہیں سوکا، سخت نیند لگ رہی ہے۔ انشاء اللہ کل ساری داستان نہ اؤں گا۔“

چیف انپکٹر تھوری دیر پیٹھ کر چلا گیا۔

تجوری کاراز

”ارے بھی تم تو جان کو آگئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ ایک لمبی داستان ہے۔ کہاں تک
ناؤں گا۔ بہر حال سنو! مگر یہ بتاؤ پہلے تجویری کاراز بیان کروں یا اس مرتبہ کے طریقہ سراج
رسانی پر روشنی ڈالوں۔“
”منہیں..... پہلے میں اس چیز کے متعلق سنوں گا جس کی بدولت یہ سب کچھ ہوا ہے۔“
بدنے کہا۔

”اچھا سنو..... شاید تم نے نام سنا ہو۔ یہاں ایک بہت بڑے تاجر رام کمار جی تھے۔
میں ان کا نام اتنے ادب سے اس لئے لے رہا ہوں کہ وہ میرے والد صاحب مر جنم کے
گھرے دستوں میں سے تھے ۱۹۲۵ء میں اچاک ان کا دیوالہ نکل گیا۔ یہ چیز بڑی حرمت
انیز تھی۔ وہ شخص جس کے ایک اشارے پر لاکھوں کے وارے نیارے ہوتے تھے بظاہر کوڑی
کڑی کوحتاج ہو گیا۔ یہ سینہ اگر وال جو آج سارے شہر کا رجس التجار بنا بیٹھا ہے ان کے یہاں
شم تھا۔ ان کے دیوالہ نکالنے میں اس کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے چکے عی چکے اپنا گھر بھر لیا۔
جس وقت رام کمار جی کا دیوالہ نکلا ان کے برا واقعات کے لئے صرف تھوڑی سی جائیداد باقی پیچی
جو ان کی بیوی کے نام تھی۔ اس سے ان کی برا واقعات ہونے لگی۔ ان کا ایک سالہ بچہ بھی تھا۔
دیوالہ ہو جانے کے ضد مقدمہ کی وجہ سے وہ زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکے۔ مرتے وقت انہوں نے
چیف انپکٹر کے اپنے بھائی میر کے اپنے قانونی مشیر کے یہاں رکھوا دیا اور یہ ہدایت کردی کہ یہ
ہدایت نامہ اس وقت ان کے بچے کے حوالے کیا جائے جب وہ بالغ ہو جائے۔ اور اگر وہ مر گیا
اوہ دیایا کیا جائے۔ اگر آش کی حیات بھی وفا نہ کرے تو پھر یہ وصیت نامہ
اللہ کے نتیجے سنتوں کے حوالہ کر دیا جائے۔ یہی سنتوں جس نے کل رات خود کشی کی ہے۔ یہ
رام کمار جی کا بھتیجا تھا۔ بچپن ہی سے بُری صحبوتوں میں پڑ جانے کی وجہ سے وہ بڑا ہو کر اچھا
نہماں ڈاکوبن گیا۔

رام کمار جی کے انتقال کے بعد ان کی بیوی اور بچے کی پورش اسی جائیداد سے ہوتی رہی
”اہا یہ تو بتانا بھول ہی گیا کہ رام کمار جی ایک تعویز اپنے بچے کے گلے میں ڈال گئے تھے
واقعات جاننے کے لئے بُری طرح بے تاب تھا۔“

حید نے دوسرے دن صبح ہی صبح فریدی کے کان کھانے شروع کر دیئے۔ وہ سارے

واقعات جاننے کے لئے بُری طرح بے تاب تھا۔

چنانی۔ اسی دوران میں جب میں جکلیش کو بیوقوف بنانے کے لئے کار سے اتر گیا تھا مجھے چند
ہمطوم لوگوں سے دو دو ہاتھ کرنے پڑے۔ میں نے انہیں اور پولیس کو لڑانے میں الجہادیا اور
خود پولیس کی لاری لے کر فرار ہو گیا۔ مجھے لوگوں کی نظر وہ چھپ کر کام کرنے کا اچھا موقع
مل گیا تھا۔

مجھے سب سے زیادہ فکر اس چیز کے پتہ لگانے کی تھی کہ آخر سیٹھ اگر وال کے علاوہ اور
کون ہو سکتا ہے جو اس وصیت نامہ میں اتنی دلچسپی لے رہا ہے۔ رفتہ رفتہ مجھے اس کا احساس
ہونے لگا کہ یہ ستوش کی حرکت ہے اور اسی نے وہ تعریز بھی چڑایا ہے۔ لیکن وصیت نامہ ہاتھ نہ
لگنے کی وجہ سے بالکل بے بس ہے چونکہ اس سے اس چیز کو الگوانا تھا۔ اس لئے میں نے دلاور
خال کا بھیں بدلنا اور سب سے پہلے جو کام کیا ہے یہ تھا کہ وصیت نامہ اپنی تجربی سے نکال لے
گیا۔ اس دن مجھے تم پر بہت بھی آئی تھی جب تم برآمدے میں پہلے ہوئے پناخوں پر اچھل کو د
رہے تھے۔ وہ میں نے دراصل اسلئے ڈالے تھے کہ جس وقت میں وصیت نامہ نکالنے میں مشغول
ہوں تو مجھے آنے چانبوں کی آہٹیں ملے۔ سب سے پہلے تم ہی ان پناخوں کا شکار ہوئے۔

بعد کے واقعات سے تو تم واقف ہی ہو۔ ایک دن میں نے ستوش کو بلا کروہ تعریز دیکھ
لیا۔ اس کا نقشہ میرے ذہن میں موجود تھا۔ اس کے مطابق وہ خزانہ اسی مکان میں ایک جگہ
دن ہے جہاں رام کمار جی کی بیوی رہتی ہے۔ اب ذرا تھکن دور ہو جائے تو میں جا کروہ خزانہ
کھوانے میں ان کی مدد کروں گا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میں نے وہ وصیت نامہ چاکر اگر اس کے
قداروں کے پاس پہنچا دیا تو کون سا جرم کیا۔ اگر یہ جرم ہے بھی تو میں اسے جائز سمجھتا ہوں۔“

”اچھا یہ بتائیے فریدی صاحب کہ آپ اتنے طاقتور کب سے ہو گئے ہیں۔“ حمید بولا۔
”ارے میاں اسے پوچھ کر کیا کرو گے۔ یہ سب راز کی باتیں ہیں۔ ایک اچھے سراغ
رسال میں یہ ساری خصوصیات ہوئی چاہیں۔“

”ستوشنے تو خود کشی کر لی۔ اب اس کیس میں کیا ہوگا۔“ حمید نے دریافت کیا۔
”کچھ ہو یا نہ ہو، لیکن میرے پاس اس بات کا کمل شوت ہے کہ سیٹھ اگر وال پر ستوش

جس کے متعلق انہوں نے اپنی بیوی کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ اسے اس وقت کھول کر بکھر
جب بچ جوان ہو جائے۔

دو تین سال کے بعد ڈھنڈا ایک دن رام کمار جی کے قانونی مشیر نے اس کی بیوی کو الٹا
دی کہ اس کے بھاں چوری ہو گئی۔ چوری ہونے والی چیزوں میں رام کمار جی کا وصیت نامہ بھی
تھا۔ ان کی بیوی کو خخت پر بیٹھنی ہوئی۔ وہ وصیت نامہ ان کے لئے ایک معمد سے کم نہ تھا۔ لیکن
بظاہر رام کمار جی کے پاس کوئی ایسی چیز باقی نہ تھی جس کیلئے وہ کوئی وصیت نامہ مرتب کرتے
جائسیدا و خود ان کے نام تھی۔ اس لئے اس کے سلسلہ میں کسی قسم کی وصیت کا سوال
نہیں رہ جاتا تھا۔ اس بھجن کے تحت انہوں نے بچے کے گلے میں پڑا ہوا پر اسرا تبریز قبل
وقت ہی کھول ڈالا۔ اس تعریز کے ذریعہ انہیں پڑا چلا کہ وصیت نامہ میں کسی خزانے کا
تھا۔ لیکن تعریز میں لکھی ہوئی ہدایت کے مطابق وصیت نامہ کو پڑھے بغیر خزانہ کا پتہ چلا جاؤ
تھا۔ انہیں ایک گونہ اطمینان ہو گیا کہ بغیر اس کے وصیت نامے کا چجانے والا اپنے مقصد
کامیاب نہ ہو سکے گا۔ انہوں نے تعریز بچے کے گلے سے کھول کر احتیاط سے رکھ دیا۔ پا
قبل کی بات ہے کہ اچاک ایک دن کسی نے ان کے بکس کا تالا توڑ کر تعریز نکال لیا۔ اس
پر بیانوں کی حد نہ رہی۔ وہ مجھے جانتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے مجھے بلوا بھیجا اور سارا راہ
کر طالب امداد ہوئیں۔ رام کمار جی کی ساری شفقتیں یاد آگئیں۔ وہ مجھے بھی اپنے بچہ
طرح پیدا کرتے تھے۔ میں نے ان کی بیوی سے وعدہ کیا میں حتی الاماکن کوشش کروں
ای دن سے میں نے تحقیقات شروع کر دیں۔ کئی دنوں کے بعد پڑھ چلا کہ وصیت نامہ
اگر وال نے رام کمار جی کے قانونی مشیر کے بھاں سے چوری کروایا تھا۔ میں نے سوچا
با ضابط کارروائی کر کے اُسے حاصل کرنے کی کوشش کی تو کامیاب نہ ہو کیوں گا اس لئے میں
وہ طریقہ کار اختیار کیا۔ چونکہ چیز چوری کی تھی اس لئے سیٹھ اگر وال نے بھی پولیس کو
کہ اس کی کوئی چیز چوری نہیں کی گئی ہے۔

اس کے بعد سے مجھے اس چیز کی بہت زیادہ تشویش ہو گئی تھی کہ آخر اس پر گولی کی۔

عی نے گولی چالائی تھی اور اب سے تین سال قبل اس نے ایک خون بھی کیا تھا۔ فریڈی نے اکشاف کیا۔

”اچھا تو کیا آپ اس وصیت نامہ کا بھی تذکرہ کریں گے۔“

”کیا احمدقوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ اب جبکہ سنتو ش مرچکا ہے اس کی ضرورت یہی باقی نہیں رہتی۔ سینہ اگر وال میں اتنی ہمت نہیں کہ اب وہ اس کیس پر از سرنور و شنی ڈالے کیونکہ اس نے وصیت نامہ قطعی غیر قانونی طور پر حاصل کیا تھا۔ لہذا اب اس کی طرف سے کوئی کوئی نہیں رہ جاتا۔۔۔۔۔ اچھا بھی اب بس۔۔۔۔۔ کیا اب تک چائے نہیں بنی۔۔۔۔۔؟“

تمام شد